ابنِ صفی
جاسوسی دنیا
113- ریت کا دیوتا
114- سانپوں کا مسیحا
115- ٹھنڈا جہنم
116- عظیم حماقت

جاسوسی دنیا نمبر 113

ریت کا دیوتا

(مکمل ناول)

پیشرس

''ریت کا دیوتا'' حاضر ہے۔ بار بار وعدہ کرنے کے باوجود بھی بہت دنوں سے جلد از جلد کوئی کتاب پیش کر دینے کی توفیق مجھے نہیں ہو رہی اس سلسلے میں کوئی ''بہانہ'' بھی نہیں رکھتا۔ فلم کا چکر بھی ہمہ وقتی نہیں کہ اسی کا سہارا لے کر معذرت طلب کروں۔ پھر.....؟ وجہ؟

بس اللہ کی مرضی..... ہفتوں لکھنے کا موڈ نہیں بنتا۔ پھر اگر فریدی جیسے سنگلاخ کردار کا ناول ہو تو کیا کہنا..... ایک ایک سطر لکھ کر گھنٹوں بیٹھے سوچتے رہتے۔ ڈرتے رہئے کہ کہیں یہ حضرت اپنے مقام بلند سے ایک آدھ انچ نیچے نہ کھسک آئیں۔

بہرحال ''ریت کا دیوتا'' ملاحظہ فرمائیے..... کئی ماہ پہلے اس نام کا اعلان ہوا تھا۔ لہٰذا اس دوران میں میرے پڑھنے والوں نے اسی نام کی مناسبت سے بے شمار کہانیاں خود ہی ترتیب دے ڈالی ہوں گی اور جب یہ کہانی ان کی ترتیب دی ہوئی کہانی سے لگا نہ کھائے گی تو مجھ پر چڑھ دوڑیں گے۔ میرے ساتھ عموماً یہی ہوتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے میرے ایک دوست مجھ سے خواہ مخواہ معافی مانگنے لگے۔ میں نے پوچھا بھائی کس بات کی معافی..... کہنے لگے پہلے معاف کر دو پھر بتاؤں گا..... میں نے کہا اچھا بابا معاف کیا۔ اب بتاؤ کیا بات ہے۔ بولے تمہیں یاد ہوگا جب تم نے ''تباہی کا خواب'' اور ''مہک شناسائی'' نامی کتب پیش کی تھیں تو میں نے تمہیں بہت بُرا بھلا کہا تھا۔ میں نے کہا ہاں مجھے یاد ہے۔ کہنے لگے بھائی ابھی پرسوں کی بات ہے پڑھنے کے لئے کچھ نہیں تھا. لائبریری گیا وہاں بھی کوئی نئی کتاب نہ مل سکی..... یہ دونوں کتابیں ایک ہی جلد میں ہاتھ لگیں۔ میں نے کہا چلو یہی سہی۔ یقین کرو اب جو پڑھنا شروع کیا ہے تو مزہ آ گیا۔ اب سوچتا ہوں آخر پہلے کیوں مزہ نہیں آیا تھا۔ میں نے کہا سوچتے رہو۔ شائد خود ہی جواب بھی پالو۔

میرے ساتھ عموماً یہی ہوتا ہے۔ تخلیقی صلاحیت رکھنے والے ذہنوں نے ''ریت کا دیوتا'' کی کہانی اپنے طور پر ضرور ترتیب دے ڈالی ہوگی۔ مثلاً ایک پُراسرار قبیلہ..... جو ایک ایسے دیوتا کی پوجا کرتا تھا جو ریت کا دیوتا کہلاتا تھا۔ کوئی نامعقول اس دیوتا کا ایک کان کاٹ کر فرار ہوگیا۔ اب اس پُراسرار قبیلے کے کچھ افراد اس کی تلاش میں نکلتے ہیں اور پُراسرار واقعات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ بات فریدی تک پہنچتی ہے اور بالآخر..... وہ کان فریدی کے ہاتھ لگتا ہے۔ دراصل وہ کان نہیں تھا بلکہ ایک چھوٹی سی سب میرین تھی۔ یعنی سب میرین کا موڈل جس کا نقشہ ڈھائی ہزار سال پہلے ایک حجام نے بنایا تھا۔

اگر میری کہانی کا پلاٹ اس سے مطابقت نہیں رکھتا تو مجھے لکھ بھیجیں گے۔ ناول نہایت ''پھس پھسا'' رہا۔ آخر آپ کے قلم کو زنگ کیوں لگتا جا رہا ہے۔ میں صبر کرلوں گا اور منتظر رہوں گا کہ کچھ دن گزرنے کے بعد یہ ناول دوبارہ پڑھا جائے۔

میرے ساتھ زیادہ تر یہی ہوتا ہے۔ آپ کو میری کتاب ''پاگلوں کی انجمن'' بھی یاد ہوگی۔ اب اس کے سلسلے میں خطوط آ رہے ہیں کہ کیا کتاب لکھ دی تھی آپ نے..... لیکن جب پہلے پہل شائع ہوئی تھی تو زیادہ تر دل توڑنے ہی والی باتیں سننے میں آئی تھیں۔

والسلام

ابن صفی

۲۴/۰۶/۷۲

ڈاڑھی کا نقاب

جیسے جیسے سورج بلند ہو رہا تھا۔ سڑک نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ تیز ہوا اپنے ساتھ ریت کے ذرات اڑاتی حد نظر تک جاری و ساری تھی۔ اس تسلسل میں پل بھر کا بھی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ریگستان کولتار کی اس شفاف اور چکنی سڑک کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہو۔ سناٹے کا یہ عالم تھا کہ گاڑی کے انجن کی مسلسل آواز بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ کیپٹن حمید محسوس کر رہا تھا جیسے وہ بھی اس بیکراں سناٹے کا ایک جزو بن کر رہ گئی ہو۔

حد نظر تک ریت ہی ریت۔ اس کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ پھر تپش کا کیا پوچھنا۔ حمید اپنی بیچارگی پر ٹھنڈی سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔

یہی غنیمت تھا کہ روانگی سے قبل اس نے پانی کے کئی مشکیزے بھر کر ڈکے میں رکھ دیئے تھے ورنہ شاید یہ ریگستان ہی اس کے لئے میدان حشر بن جاتا۔

اس سفر کی وجہ؟

بعض اوقات ایسے واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو خواب بیداری معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پانچ دن پہلے حمید تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اسے اس نوعیت کا کوئی سفر درپیش ہوگا۔ اچھا

بھلا آفس میں بیٹھا تھا کہ ڈی آئی جی کے آفس میں طلبی ہوئی۔ اس وقت فریدی موجود
تھا۔ لیکن یہ طلبی فریدی کے عوض نہیں تھی۔ وہ الجھن میں پڑ گیا تھا۔

ڈی آئی جی کے پرسنل اسسٹنٹ نے فوری طور پر آفس میں پہنچا دیا۔ سر کی جنبش
ڈی آئی جی نے اسکے سلام کا جواب دے کر سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

حمید بیٹھ گیا۔ ایک آدمی اور بھی موجود تھا۔ ڈی آئی جی نے اسے مخاطب کر کے کہا۔
کیپٹن حمید ہیں۔''

''اوہ.....!'' اجنبی اٹھتا ہوا بولا اور دونوں نے مصافحہ کیا؟

''میرا نام شاہد عزیز ہے.....!'' اجنبی نے دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''اور میرے ذ
فی الحال یہ کام ہے کہ آپ کو ایک بُری خبر سناؤں۔''

''بُری خبر.....!'' حمید چونک پڑا۔

''میں ایڈووکیٹ ہوں اور آپکے ماموں کے قانونی مشیر کے فرائض انجام دیتا رہا ہوں۔''

''میرے ماموں.....!'' حمید کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

''چودھری شیر علی خان مرحوم.....!'' وکیل نے مغموم لہجے میں کہا۔

''شاید یہ نام بھی میرے لئے نیا ہے۔''

ڈی آئی جی نے وکیل کو گھور کر دیکھا۔ لیکن وکیل کے ہونٹوں پر ایک مغموم سی مسکراہ
نظر آئی تھی۔

''جی ہاں.....!'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''ممکن ہے نام آپ کے لئے نیا ہو۔ لیکن وہ آ
کے ماموں تھے۔ میں آپ کو اُن کے انتقال کی خبر کے ساتھ وصیت نامہ دینے آیا ہوں۔''

حمید نے بے بسی سے ڈی آئی جی کی طرف دیکھا۔

''سوال یہ ہے مسٹر شاہد۔'' ڈی آئی جی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اگر کیپٹن ح
اپنے ماموں سے واقف.....!''

''یہ خاندانی معاملات ہیں جناب۔'' وکیل نے طویل سانس لی چند لمحے خاموس رہا
بولا۔ ''اسی دشواری کی بناء پر میں نے آپ کے توسط سے رابطہ قائم کیا ہے ورنہ شاید مجھے
دشواری پیش آتی۔''

''دشواری تو بدستور قائم ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ دشواری ختم ہو جائے گی۔'' وکیل نے کسی قدر تذبذب کے ساتھ کہا۔
چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر حمید سے بولا۔ ''آپ کو اس کا علم تو ہوگا ہی کہ آپ کے نانا کے دو
بیویاں تھیں۔''

''رہی ہوں گی۔'' حمید نے جھنجھلا کر کہا۔ ''میرا اب کسی سے بھی کوئی تعلق نہیں!'' وہ
دراصل الجھن میں پڑ گیا تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ وہ پرانا قصہ یہاں ڈی آئی جی کے سامنے دہرایا
جائے۔

''خاموشی سے سنو۔'' ڈی آئی جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ
گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے جواب سے ڈی آئی جی کی تجسس والی حس بیدار ہوگئی ہے
اور اب ساری بات کھل کر رہے گی۔ لہٰذا وہ تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔

''آپ کے نانا کی دو بیویاں تھی..... پہلی بیوی سے صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں جن
میں سے ایک آپ کی والدہ ماجدہ.....!''

وکیل جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگیا اور حمید نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اُٹھ کر بھاگ
تو سکتا نہیں تھا۔

''تفصیل میں جانے سے کیا فائدہ۔'' وکیل کھنکار کر بولا۔ ''مجھے صرف ان کی دوسری
بیوی سے متعلق گفتگو کرنی چاہئے۔''

''وہ بیوی نہیں داشتہ تھی۔'' حمید نے آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے گہرا صدمہ پہنچا کیپٹن حمید۔'' وکیل کا لہجہ بھی اچھا نہیں تھا۔ ''مرحوم کو صرف آپ
سے بہتر توقعات تھیں۔ براہِ کرم اب کوئی نامناسب جملہ زبان سے نہ نکالئے گا۔ چودھری
صاحب سے میرے دوستانہ تعلقات تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ چودھری صاحب کے لئے پہلی
بیوی کی اولاد نے اسی قسم کا پروپیگنڈہ کیا تھا۔ ان کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ والد کا انتقال
ہوا تو وہ صرف اٹھارہ سال کے تھے۔ میٹرک پاس کر چکے تھے۔ بے حد حساس ہونے کی بناء پر
وہ گھر چھوڑ گئے۔ پھر انہوں نے کبھی کسی کو اطلاع نہ ہونے دی کہ وہ زندہ بھی ہیں یا مرگئے۔
تھ ان ہوئے پینسٹھ سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوا ہے۔ وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ میں

اپنے اعزا کے احوال سے پوری طرح واقف ہوں لیکن اُن کے لئے میں مرکھپ گا...... اور کپتان صاحب! انہی کی زبانی مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ کے والد معاملے میں بالکل الگ رہے تھے۔ انہوں نے اس پروپیگنڈے کی نہ تائید کی تھی اور کی تھی۔ آپ کو حیرت ہوگی کیپٹن ...... کہ چودھری صاحب آپ کو بے حد چاہتے تھے آپ کو دیکھنے کے لئے تین سو میل کا سفر طے کر کے یہاں آئے تھے اُن کی حویلی میں ہر آپ کی تصویریں نظر آتی ہیں۔''

حمید حیرت سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے کی جھنجھلاہٹ رفع ہو چکی تھی۔

''ہاں..... تو.....!'' وکیل نے بات جاری رکھی۔ ''انہوں نے آپ کو اپنا وارث قرا ہے..... شادی نہیں کی تھی۔ لاولد مرے ہیں۔ لیکن کچھ خاندانوں کی کفالت کرتے ر ازروئے وصیت آپ کو بھی ان کی کفالت کرنی پڑے گی۔ جائیداد بہت بڑی ہے۔''

''خداوندا..... میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا.....!'' حمید بڑبڑایا۔

''ٹھہرو.....!'' ڈی آئی جی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''تمہارے لئے تو سیدھی سی بات ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں میری وساطت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔''

''ابھی عرض کرتا ہوں.....!'' وکیل نے اپنا بریف کیس کھولتے ہوئے کہا۔ اس کچھ کاغذات نکالے اور ڈی آئی جی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''ملاحظہ فرمایئے۔''

ڈی آئی جی کاغذات دیکھنے لگا۔

کمرے کی بوجھل سی خاموشی میں حمید کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس نے اپنے ایسے ا کا ذکر اپنی دونوں بڑی خالاؤں سے سنا تھا لیکن خود اس کے والدین اس سلسلے میں گفتگو سے ہمیشہ پہلو بچاتے رہتے تھے۔

لیکن یہ وصیت نامہ! اور وکیل کا بیان..... اس کی الجھن بڑھتی رہی۔ بالآخر ڈی آئی کاغذات کو ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔ ''ہاں وجہ صاف ہے..... دراصل اس وصیت نامے مطابق تم ایک شرط کے ساتھ مرحوم کے وارث قرار پائے ہو۔ شرط یہ ہے کہ تم دو ماہ تک کی کوٹھی میں مقیم رہ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو گے کہ ان کی سرپرستی میں زندگی بسر کر والے خاندان سے کس قسم کے تعلقات تھے۔ اُن خاندانوں کے افراد ان کے بارے میں

رائے رکھتے تھے۔ یہ معاملہ میرے توسط سے اسی لئے تمہارے سامنے رکھا گیا ہے کہ تم وصیت نامے کی اس شرط کی پابندی پوری پوری دیانت داری سے کرو۔''

''جناب عالی!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''میں اپنے خاندان والوں سے مشورہ کئے بغیر اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔''

ڈی آئی جی نے وکیل کی طرف دیکھا۔

''ایسی کسی سچویشن کے لئے شیر علی خان کی زبانی ہدایت مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' وکیل نے کہا۔ ''انہوں نے کہا تھا اگر کوئی ایسی صورت پیش آئے تو کیپٹن حمید کو چاہئے کہ صرف اپنے والدین سے مشورہ کریں اور کسی کو بھی اس کی خبر نہ ہونے دیں اور اپنے والدین سے بھی درخواست کریں کہ یہ بات ان کی ذات سے آگے نہ بڑھنے پائے۔''

اُس وقت بات ختم ہوگئی تھی۔ وکیل نے حمید کو اپنا پتہ دیا تا کہ معاملات طے ہو جانے کے بعد وہ اس سے رابطہ قائم کر سکے۔

کاغذات وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ وکیل کے چلے جانے کے بعد ڈی آئی جی نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا۔

''مبارک ہو کیپٹن حمید..... لاکھوں کی جائیداد ہے۔''

''جناب! میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تم اپنے والدین سے مشورہ کرو..... شرط پوری کرنے کے لئے تمہیں دو ماہ کی چھٹی مل جائے گی۔''

حمید نے ڈی آئی جی کا شکریہ ادا کیا تھا۔

واپسی پر فریدی سے ملاقات ہوئی۔ ظاہر ہے کہ حمید نے اسے بتانے میں دیر نہ لگائی ہوگی۔

''بہت اچھے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ڈی آئی جی اگر اس پرمسرت موقع پر تمہیں دو ماہ کی چھٹی دے سکتے ہیں تو کیا میں تین دن کی نہیں دے سکتا۔ جاؤ اور اپنے والدین سے مشورہ کرو۔''

''بس اتنا ہی کہنا ہے آپ کو.....!'' حمید نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

''اور کیا چاہتے ہو.....!''

''کچھ بھی نہیں۔'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''اوہو.....اچھا.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''تم سمجھ رہے ہو شاید میں نے تمہیں کسی اندھی چال پر لگا دینے کا پروگرام مرتب کیا ہے؟''

''کیا میں ایسا سمجھنے میں حق بجانب نہیں ہو سکتا جناب کرنل صاحب۔''

''دیکھو فرزند..... یہ بات میں نے اسی لئے چھیڑی ہے کہ تم اس طرف سے مطمئن ہو جاؤ۔ مجھے اعتراف ہے کہ کئی بار میں نے تمہیں ہراول دستے کی حیثیت دی ہے۔ لیکن اس معاملے میں جتنے لاعلم تم ہو اس سے کہیں زیادہ میں خود ہوں۔ مثال کے طور پر مجھے پہلی بار معلوم ہوا ہے کہ تمہارا کوئی ماموں بھی تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب اس کے ماموں کی حیثیت زیرِ بحث آئے اس لئے وہ ''تین دن کی چھٹی'' پر فریدی کا بھی شکریہ ادا کر کے دفتر سے نکل بھاگا تھا۔

بہر حال اُسے اس مسئلے پر اپنے خاندان والوں سے گفتگو کرنی تھی۔ تین دن کے لئے شہر چھوڑنا پڑا۔

شاید پورے پانچ سال بعد وہ اپنے خاندان والوں میں پہنچا تھا۔ انہیں حیرت بھی ہوئی تھی اور مسرت بھی، لیکن جب اس نے اپنے والدین کے سامنے شیر علی خان کا ذکر چھیڑا تو دونوں گم سم نظر آنے لگے۔

''میں حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں؟'' حمید نے کہا۔

''آخر تمہیں اچانک اس ذکر کی کیوں سوجھی۔'' باپ بولا۔

''بس یونہی۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ اپنی ماں سے پوچھو۔''

ماں نے چپ سادھ رکھی تھی۔ حمید بضد ہوا تو اُٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

باپ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''شیر علی تمہاری والدہ کا سوتیلا بھائی تھا۔ اس کی ماں داشتہ نہیں منکوحہ تھی۔ یہ سب کچھ محض اس لئے ہو گیا کہ وہ ایک غریب [illegible]ان کی لڑکی تھی۔ شیر علی کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں تھا۔ تمہاری ماں اپنی بڑی بہنوں سے بہت ڈرتی تھیں،

اس لئے وہ اس معاملے میں داخل اندازی نہ کر سکیں۔''

''آپ کیوں خاموش رہے تھے۔'' حمید کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

''مجھے ان لوگوں کے خاندانی معاملات سے کوئی سروکار نہ تھا۔''

''لیکن شیر علی خاں کے حصے کی جائیداد سے تو سروکار لازمی ٹھہرا ہوگا۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''بکواس مت کرو جو کچھ بھی ہے تمہاری ماں کا ہے۔ میرے پاس میری اپنی جائیداد کم نہیں تھی۔'' باپ کو بھی غصہ آ گیا۔

حمید نے پھر اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ کسی کو بھی نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے شیر علی خان کا ذکر کیوں چھیڑا تھا۔

وہاں سے واپسی پر وکیل سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔

''مجھے خوشی ہے کیپٹن کہ آپ مطمئن ہو گئے۔'' وکیل نے کاغذات اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اب مجھے کیا کرنا ہوگا'' حمید نے پوچھا۔

''سعد آباد جائیے.....اور دو ماہ تک وہیں قیام کیجئے۔ آپ وہاں پہنچ کر بے حد خوش ہوں گے پورے نخلستان پر آپ کو اپنی حکومت نظر آئے گی۔ آپ دیکھیں گے شیر علی خان کیسے باہمت تھے۔ ریگستان کے اس ٹکڑے کو انہوں نے کس طرح گلزار بنایا تھا۔ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔''

''ایک بڑی دشواری ہے۔'' حمید بولا۔

''غالباً آپ یہ کہیں گے کہ سعد آباد کسی ریلوے لائن پر نہیں ہے۔''

''جی ہاں.....!''

''آپ کار سے سفر کر سکتے ہیں۔''

''ہوں.....خیر.....دیکھوں گا۔'' حمید نے کہا تھا اور یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔ پھر روانگی سے قبل فریدی نے اس سے کہا تھا ''کسی دن تم سے ملنے ضرور آؤں گا۔''

''میری خواہش تو تھی کہ آپ دو ماہ تک مجھ حقیر پر تقصیر کے مہمان رہتے۔''

''بہت بہت شکریہ جاگیردار صاحب! لیکن میں بہت مصروف ہوں۔'' اس وقت سا
باتیں ایک ایک کر کے اسے یاد آ رہی تھیں اور یہ ریگستان اُسے کھائے جا رہا تھا۔ ابھی ایک
سے زائد میل طے کرنے تھے۔ دراصل اسے منہ اندھیرے سفر شروع کرنا چاہئے تھا۔ فر
نے بھی یہی مشورہ دیا تھا لیکن وہ دن چڑھے تک سوتا رہ گیا تھا۔

بہر حال اب اس غلطی کی سزا بھگتنی ہی تھی۔

ہر لحظہ تپش میں اضافہ محسوس ہو رہا تھا۔ پانی کے دو چھوٹے چھوٹے مشکیزے اب
خالی ہو چکے تھے لیکن پیاس تھی کہ کسی طرح بجھنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

دو سو تیسویں میل پر بائیں جانب ایک چھوٹا سا نخلستان دکھائی دیا اور حمید نے گا
روک دی۔ اس کے اندازے کے مطابق نخلستان کا فاصلہ سڑک سے دو ڈھائی فرلانگ ضرو
ہو گا۔

لیکن گاڑی سمیت وہاں تک پہنچنے کی کوشش خطرے سے خالی نہ ہوتی۔ گاڑی سڑک
بھی نہیں چھوڑی جا سکتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا اگر کسی طرح اس نخلستان میں دن گذار دیا جا
بقیہ ستر میل شام کو بہ آسانی طے کئے جا سکیں گے۔

دفعتاً ایک جیپ سامنے سے آتی دکھائی دی۔ پھر اس کی گاڑی کے قریب پہنچ کر
کے بریک چڑچڑائے تھے۔

''کیوں! بھائی کوئی پریشانی۔'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے حمید کو مخاطب

''نہیں..... شکریہ۔'' حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔

لیکن وہ جیپ کو آگے بڑھانے کی بجائے اُتر کر حمید کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''کیا..... ادھر جانے کا ارادہ ہے۔'' اس نے نخلستان کی طرف اشارہ کر کے پوچھا

''ارادہ..... تو تھا..... لیکن.....!'' حمید نے اسے گھورتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ د
آدمی کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔

گھیر دار شلوار اور قمیض پر کوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر بڑی سی پگڑی تھی۔ گھنی ڈاڑھ
مونچھوں میں چہرہ نصف سے زیادہ چھپ گیا تھا۔ لیکن آواز؟

آواز بالکل عورتوں کی سی تھی اور پھر قریب سے دیکھنے پر حمید نے دوسری ہی نظ

اندازہ کر لیا کہ ڈاڑھی مونچھیں اصلی نہیں ہو سکتیں۔ اس نے طویل سانس لے کر جملہ پورا کیا۔
''لیکن مجھے علم نہیں کہ گاڑی بحفاظت کدھر سے لے جا سکوں گا۔''

''اوہو.... میرے پیچھے آیئے... میں بتاؤں گا۔'' وہ اپنی جیپ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید نے جیپ کے پیچھے اپنی گاڑی موڑی تھی۔ اب تو وہ اسے نظر انداز کر ہی نہیں سکتا
تھا کیونکہ ڈاڑھی میں بھی اس کی آنکھیں بہت خوبصورت لگی تھیں۔ کچھ دور چل کر جیپ دائیں
جانب ریت میں اُتر گئی اور حمید اپنی گاڑی جیپ کے ٹائروں کے نشانات پر چلانے کی کوشش
کرتا رہا۔

پھر کھجوروں کے جھنڈ میں داخل ہوتے وقت اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

راہبر نے دفعتاً اپنی جیپ روک دی۔ وہ ابھی بستی میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ جیپ
سے اُتر کر وہ پھر حمید کے پاس پہنچا۔

''کس کے گھر جائیں گے آپ۔'' اس نے پوچھا۔

''کسی کے بھی نہیں۔ یہاں سایہ ہے۔ گاڑی میں لیٹ کر سو جاؤں گا۔''

''جانا کہاں ہے؟''

''سعد آباد.....!''

''اوہو..... وہاں کس کے پاس جائیں گے۔''

''کسی خاص آدمی کے پاس نہیں۔ سرکاری کام ہے۔''

''اوہ تو آپ کس قسم کے سرکاری ہیں۔''

''زمینوں کا سروے کرتا ہوں۔''

''آپ یہاں تکلیف اٹھائیں گے جناب..... اچھا چلئے میرے گھر چلئے..... دوپہر وہاں
آرام سے گزاریئے گا۔''

''آپ کی تعریف.....!'' حمید نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''فی الحال شاہد فاروقی۔''

''فی الحال نام ہی کا حصہ ہے؟'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''جی نہیں۔'' وہ ہنس پڑا اور پھر بولا۔ ''گھر پہنچ کر شاہدہ فاروقی ہو جاؤں گی۔''

''میں بالکل نہیں سمجھا۔'' حمید نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میں لڑکی ہوں۔''

''اگر لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں تو مجھے ڈوب مرنا چاہئے۔'' حمید نے اس کے چہرے
طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''یہ۔۔۔ یہ۔۔۔۔تو برقعہ ہے میرا۔۔۔۔!'' اس نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

حمید خاموشی سے اسے گھورے جارہا تھا۔ قہقہہ روک کر اس نے کہا۔ ''پردے کا
مقصد تو ہوتا ہے نا کہ عورت نامحرموں کی ہوس ناک نظروں سے محفوظ رہے۔''

''غالباً۔۔۔۔!'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''غالباً نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے۔۔۔۔ اتفاقاً آپ کی نظر مجھ پر پڑ جائے تو پڑ جائے لیکن
خاص طور پر آپ مجھے دیکھنا گوارہ نہ کریں گے۔''

''میں عرصہ سے کسی ڈاڑھی دار لڑکی کی تلاش میں ہوں۔''

''کیا آپ یہیں کھڑے باتیں بناتے رہیں گے جناب۔''

''تو پھر کیا کروں۔۔۔۔؟''

''میں نے عرض کیا تھا میرے گھر چلئے۔''

''سوال تو یہ ہے کہ آپ میرے سامنے بے پردہ کیوں ہوگئیں؟''

''آپ جیسی صورت والے مجھے محرم ہی لگتے ہیں۔''

''شکر ہے کہ میں اپنا بکرا ساتھ نہیں لایا۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''کیا مطلب۔۔۔۔؟''

''مجھے اور زیادہ مغموم ہونا پڑتا۔۔۔۔ چلئے۔۔۔۔ آپ کا گھر بھی دیکھ لوں۔''

جیپ پھر اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھ گئی۔ حمید اس کے پیچھے جانے پر مجبور تھا۔ ایسی
لڑکیاں ساری دنیا میں کہیں اور نہ پائی جاتی ہوں گی۔ کسی سازش کا امکان بھی تھا لیکن وہ
ہی کیا جسے غیر معمولی قسم کی لڑکیاں پاگل بنا کر نہ رکھ دیں۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو یہ دع
ہرگز قبول نہ کرتا۔

یہ بات کتنی عجیب تھی کہ اس نے خود ہی اپنا راز ظاہر بھی کردیا تھا۔ اگر وہ فطرتاً ایک

سچ بولنے والی تھی تو اس میک اپ کا کیا مقصد ہوسکتا تھا۔

حمید کی گاڑی جیپ کے پیچھے چلتی ہوئی ایک پختہ عمارت کے قریب پہنچی جس کے تین
اطراف میں دور تک چھوٹے چھوٹے مکان اور جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے۔

وہ جیپ سے اُتری اور حمید کو گاڑی ہی میں بیٹھے رہنے کا اشارہ کرکے عمارت کے اندر
چلی گئی۔ یہ بستی کے سب سے متمول آدمی کی رہائش گاہ معلوم ہوتی تھی۔

کچھ دیر بعد دو آدمی عمارت سے برآمد ہوئے۔ ظاہری حالت سے ملازم ہی معلوم
ہوتے تھے۔

''چلئے جناب؟'' ایک بولا۔

''آپ کا سامان جناب۔'' دوسرے نے سوال کیا۔

''سامان کی فکر نہ کرو۔۔۔۔!'' حمید گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔ ''چلو۔''

وہ دونوں اسے ایک ایسے کمرے میں لائے جس کی آرائش پر کم از کم پچاس ہزار روپے
ضرور صرف ہوئے ہوں گے۔ ملاز بن اسے تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ریگستان کی اس جنت کو دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک خوش لباس ادھیڑ عورت ہاتھوں پر کسی مشروب کی کشتی اٹھائے
کمرے میں داخل ہوئی۔

مشروب بڑے ادب سے حمید کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ لیکن جب اس نے گلاس
ہاتھ میں لیا تو وہ عورت بول پڑی۔

''ٹھہریئے جناب! ابھی نہ پیجئے۔''

حمید نے گلاس میز پر رکھ دیا اور اسے جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔ عورت اُسی
صراحی سے دوسرا گلاس لبریز کرکے ایک ہی سانس میں خود پی گئی۔

حمید ہنس پڑا۔

''ہنسی کا سبب جناب عالی!'' عورت نے بڑے ادب سے پوچھا۔

''اس طرح تم مجھے اطمینان دلانا چاہتی تھیں کہ اس مشروب میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔''

''جی ہاں! مجھے خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ آپ کو اطمینان دلا دوں۔''

"لیکن میں اب بھی مطمئن نہیں ہوں۔" حمید نے اپنے گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس گلاس کی تہہ میں پوٹاشیم سائنائیڈ کے چند ذرے جو پہلے سے موجود رہے ہوں میرا کام تمام کرسکتے ہیں۔"

عورت کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔ پھر سنبھالا لے کر بولی۔ "میں آپ کی اس دشواری کی اطلاع دے کر ابھی حاضر ہوتی ہوں۔"

وہ چلی گئی تھی اور حمید میز پر رکھے ہوئے گلاس کو گھورتا رہا تھا۔

دس منٹ گزر گئے لیکن وہ عورت واپس نہ آئی۔ چاروں طرف گہری خاموشی تھی۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے اب اس عمارت میں اس کے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔ چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اٹھو اور باہر نکل جاؤ۔

پھر وہ اُٹھ ہی رہا تھا کہ بیرونی دروازے سے دو آدمی اندر داخل ہوئے اور اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ ان میں سے ایک نے جو پہلے آدمی سے کسی قدر پیچھے تھا بڑی پھرتی سے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

پہلے آدمی نے ڈپٹ کر پوچھا۔ "تم یہاں کیسے داخل ہوئے؟"

"محترم.....!" حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "زیادہ تیزی دکھانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہاں لایا گیا ہوں خود سے نہیں آیا۔"

"کون لایا ہے؟"

"محترمہ شاہدہ فاروقی۔"

"بکواس مت کرو.....تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔"

"میں تنہا ہوں.....کیا تم نے میری گاڑی باہر نہیں دیکھی۔"

"تم نے قفل توڑ کر اندر داخل ہونے کی جرأت کیسے کی۔...اگر مسافر تھے تو برآمدے میں بھی ٹھہر سکتے تھے۔"

"میں یہاں لایا گیا ہوں.....اس گھر کی وہ لڑکی لائی ہے جو مردوں کے بھیس میں رہتی ہے۔ اس نے اپنا نام شاہدہ فاروقی بتایا تھا۔"

"یہاں کوئی لڑکی نہیں ہے۔" وہ آدمی حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "اور یہ حویلی پچھلے پندرہ دن

سے مقفل رہی ہے۔ میں اس کا مالک ہوں۔"

پُراسرار وکیل

حمید نے طویل سانس لی اور بولا۔ "کیا میری گاڑی کے آگے جیپ موجود نہیں ہے۔"

"ہے.....ہماری جیپ.....لیکن وہ تمہاری گاڑی کے پیچھے ہے۔"

"اوہو.....تو یقیناً کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ لیکن کیا باہر کسی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز یہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔"

"کیوں نہیں پہنچ سکتی۔"

"اچھی بات ہے تو پھر مجھے باہر جا کر حالات کی نوعیت کو سمجھنا پڑے گا۔" حمید بولا۔

"ہرگز نہیں۔" ریوالور والا بولا۔ "تم یہاں سے ہل بھی نہیں سکتے۔"

پھر اس نے پہلے آدمی سے کہا۔ "آپ اندر جا کر دیکھئے میں اسے سنبھالے ہوں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو.....!" اس نے سر ہلا کر کہا اور سامنے والے دروازے میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

دوسرا آدمی حمید پر ریوالور تانے کھڑا تھا۔

حمید نے اس سے پوچھا۔ "آپ کی جیپ کا میک اور رنگ کیا ہے۔"

"ٹویوٹا.....گرین۔"

"لیکن اس لڑکی کی جیپ خاکی رنگ کی تھی اور ٹویوٹا بہرحال نہیں تھی۔"

"تم یقیناً ٹھگوں کے کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہو۔" ریوالور والا غرایا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پہلا آدمی واپس آ گیا۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ حمید پر جھپٹ پڑا۔ ساتھ ہی وہ چیخے جا رہا تھا۔ "اسے پکڑو.....بھاگنے نہ پائے۔ اس نے کسی کو قتل کر دیا ہے۔ لاش اندر پڑی ہے۔"

ریوالور والے نے ریوالور صوفے پر ڈال دیا اور خود بھی حمید سے لپٹ پڑا۔

وہ دونوں شاید لڑاکے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اس لئے حمید بہ آسانی ان کی گرفت س
نکل گیا اور پھر قبل اس کے کہ اُن میں سے کوئی صوفے پر پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھا سکتا اُ
نے اس پر قبضہ کرلیا۔

''جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔'' حمید نے انہیں کور کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

دونوں نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

''اب بتاؤ کس کی لاش کہاں پڑی ہے۔''

دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''چلو..... مجھے دکھاؤ لاش کہاں ہے۔'' حمید نے ریوالور کو جنبش دے کر کہا۔ ''درواز
کی طرف مڑو اور چل پڑو۔''

''انہوں نے بے چون و چرا تعمیل کی تھی۔''

کئی کمروں سے گزرنے کے بعد وہ کچن میں پہنچے اور یہاں سچ مچ ایک لاش پڑی نظ
آئی۔ کٹی ہوئی گردن سے خون بہہ بہہ کر چاروں طرف پھیل گیا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' حمید نے انہیں گھور کر پوچھا۔

''تم بتاؤ..... ہم تو نہیں جانتے لیکن آخر اس کھیل کے لئے میرا گھر کیوں منتخب کیا گیا
میں تو تمہیں بھی نہیں جانتا۔''

مقتول ایک لحیم شحیم آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ لباس س
ذی حیثیت معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے لاش سے نظر ہٹا کر مالک مکان کی طرف دیکھا۔

''کھیل سے کیا مراد ہے؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجہ میں سوال کیا۔

''پھر یہ کیا ہے؟ پندرہ دن سے حویلی مقفل تھی۔ میں یہاں نہیں تھا۔''

''تم کہاں تھے؟''

''تم آخر ہو کون؟'' مالک مکان کو پھر غصہ آ گیا۔

دفعتاً دوسرا آدمی بولا۔ ''صاحب! ذرا انہیں غور سے دیکھئے..... صورت کچھ جانی پہچا

ی لگتی ہے۔''

''ہاں..... میں بھی یہی سوچ رہا تھا؟'' مالک مکان نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

''مم..... میرا خیال ہے کہ ہم ان کی تصویریں دیکھتے رہے ہیں''

''اوہو.....!'' مالک مکان اچھل پڑا۔ حمید کو غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''بلاشبہ وہی! میں نے پہچان لیا ہے۔''

اس بار اُس کے لہجے میں جوش مسرت کی جھلکیاں ملی تھیں۔

''ہوں.....!'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔ ''تو میں کون ہوں؟''

''اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ سعد آباد کے شیر علی خان کے بھانجے ہیں۔''

حمید اسے پہلے ہی کے سے انداز میں گھورتا رہا۔

''وہ میرے گہرے دوستوں میں سے تھے۔'' مالک مکان پھر بولا۔ ''میرا نام شمشاد
ہے۔ یہ علاقہ بھی آپ اپنا ہی سمجھئے۔ لیکن میرے خدا یہ سب کیا ہے۔''

حمید نے ریوالور والا ہاتھ نیچے گرا دیا۔

''مم..... مگر یہ لاش.....!'' دوسرا آدمی ہکلایا۔

''تم دونوں نے جس طرح مجھے پہچانا ہے اسی طرح اس کو بھی پہچاننے کی کوشش کرو۔''

''بالکل اجنبی..... یقین کیجئے۔'' شمشاد نے کہا۔

''آپ شیر علی خان کے دوست ہوں گے۔ لیکن شائد ہم پہلے کبھی نہیں ملے۔''

''ان کی حویلی میں شائد ہی کوئی ایسا کمرہ ہو جہاں آپ کی تصویر موجود نہ ہو۔''

''کیا اس حویلی کی نگرانی کے لئے بھی آپ نے کوئی آدمی نہیں رکھا۔''

''قطعی غیر ضروری ہے۔ یہاں کون ہے، جو ادھر آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ میں پورے
علاقے کا مالک ہوں۔''

''کیا یہاں بالکل تنہا رہتے ہیں۔''

''نہیں..... میرا خاندان گرمیاں پہاڑ پر گزارتا ہے۔''

''آپ ان دنوں کہاں تھے؟''

''سعد آباد میں..... وہاں بھی میرا ایک مکان ہے۔''

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر انہیں اپنے یہاں تک پہنچنے کا واقعہ بالتفصیل
ہوئے کہا۔ ''مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ عورت ہی تھی۔''

''آپ تو مجھے الف لیلیٰ کی کوئی داستان سنا رہے ہیں جناب۔'' شمشاد نے اسے
اعتباری سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ مجھے کوئی غیر ذمہ دار آدمی سمجھتے ہیں۔'' حمید نے اُسے پھر گھور کر دیکھا۔

''تو پھر کیا کہوں اس کہانی پر۔''

''آپ اپنے بچاؤ کی فکر کیجئے جناب۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''یہ کہانی آ
جی بہلانے کے لئے نہیں سنائی گئی تھی۔ آپ کو اس لاش کے سلسلے میں جواب دہی کرنی
ایک ذمہ دار پولیس آفیسر کو دھوکے سے لایا گیا تھا۔''

''کک..... کون..... پولیس آفیسر.....!'' شمشاد ہکلایا۔

حمید نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

کارڈ پر نظر پڑتے ہی شمشاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے حمید کی
دیکھا اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

''تب تو..... کیا آپ شیر علی خاں کے بھانجے نہیں ہیں۔''

''میں نے اس سے کب انکار کیا ہے؟''

''میرے خدا.....؟'' وہ طویل سانس لے کر بولا۔ ''میری مشکل حل ہوگئی۔''

''آپ کا بھانجا نہیں ہوں۔'' حمید نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے سخ
میں کہا۔

''آپ غلط سمجھے..... میں آپ سے کسی رعایت کا طلب گار نہیں۔ جو کاررو
چاہیں کرسکتے ہیں۔ لیکن اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ شیر علی مرحوم
حالات میں نہیں مرے اور شائد میں بھی ایسے ہی حالات کا شکار ہونے والا ہوں۔''

حمید نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں پوری عمارت کا جائزہ لینا چاہتا ہوں

''ضرور.....ضرور.....!'' شمشاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس میں پندرہ منٹ صرف ہوئے تھے اور عمارت کا عقبی دروازہ کھلا ہوا ملا تھا۔

حمید ان دونوں کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ لہٰذا اُن میں سے کسی کو عمارت ہی میں
چھوڑنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے انہیں بھی عقبی دروازے سے باہر نکال لے گیا۔

عمارت کی پشت پر حد نظر تک ویرانی ہی ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔

دفعتاً شمشاد کا ساتھی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''وہ رہے گاڑی کے نشانات، ادھر کوئی گاڑی آئی
تھی۔''

''ہم دیکھیں گے..... ضرور دیکھیں گے۔'' شمشاد مضطربانہ لہجے میں بولا۔

''واپس چلئے۔'' حمید نے سپاٹ آواز میں کہا۔

وہ پھر اندر آئے اور نشست کے کمرے سے گزرتے ہوئے برآمدے میں پہنچے۔ حمید
کی گاڑی جہاں تھی وہیں نظر آئی اور اسکے پیچھے والی جیپ بہرحال پہلی جیپ سے مختلف تھی۔

گاڑیوں کے قریب پہنچ کر حمید نے کہا۔ ''جیپ یہاں سے اسٹارٹ کئے بغیر عمارت کی
پشت پر لے جائی گئی ہوگی، ورنہ میں آواز ضرور سنتا۔''

''جی ہاں..... یہی ہوسکتا ہے۔'' شمشاد پُرتفکر لہجے میں بولا۔

جیپ کے نشانات پر چلتے ہوئے ایک بار پھر وہ عمارت کی پشت پر پہنچ گئے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ دونوں بھی اس کے لئے اجنبی
تھے۔ عمارت کے اندر ایک لاش موجود تھی اور فرار ہوجانے والوں کی جیپ کے نشانات بار بار
دعوت عمل دے رہے تھے۔ خود شمشاد نے کچھ دیر پہلے جیپ کے نشانات پر دوڑ لگانے کی تجویز
پیش کی تھی لیکن کیا یہ مناسب ہوتا کہ وہ اُس لاش کو دو مشتبہ آدمیوں کی تحویل میں دے کر خود
اس لڑکی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا۔ وہ سوچتا رہا اور پھر یہ فیصلہ کیا کہ شمشاد کو اپنے ساتھ
رکھے اور دوسرے آدمی پر لاش کی نگرانی کی ذمہ داری عائد کرکے وہیں چھوڑ جائے۔ کچھ دیر
بعد شمشاد اس کے برابر بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔ ''نشانات ابھی واضح نظر آرہے ہیں لیکن کچھ دیر
بعد یہ اڑانے والی ریت میں دفن ہوجائیں گے۔''

''ہوسکتا ہے..... کچھ دور چلنے کے بعد ہی سلسلہ منقطع ہوجائے۔''

''جی ہاں یہ بھی ممکن ہے..... لیکن [illegible] انتا ہوں کہ اس طرف جانے والے کہاں تک
جاسکتے ہیں۔''

''آپ نے کہا تھا کہ شیر علی خان صاحب کی موت معمولی حالات میں نہیں ہوئی
کا کیا مطلب تھا۔''

''میں دراصل اسی لئے ایک ہفتے سے سعد آباد میں مقیم تھا کہ حقیقت معلوم کر سکوں
میرا خیال ہے کہ انہیں اپنی موت کا علم پہلے سے ہوگیا تھا۔''

''آخر کس بناء پر آپ نے یہ رائے قائم کی ہے۔''

''جس وقت انہوں نے آپکے حق میں وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔ میں بھی موجود تھا
وصیت نامہ مرتب کرنے کے تین دن بعد مجھے اطلاع ملی کہ ان کا انتقال ہوگیا۔
تکفین میں میری شرکت نہیں ہوسکی تھی۔''

''کیا وہ بیمار تھے۔''

''ہرگز نہیں..... کسی مستقل مرض میں بھی مبتلا نہیں تھے۔''

''کیا انہوں نے کبھی زندگی سے مایوسی کا بھی اظہار کیا تھا۔''

''کبھی نہیں! بے حد زندہ دل آدمی تھے۔ کسی کو مغموم نہیں دیکھ سکتے تھے۔ لیکن آپ
پر تو غور کیجئے کہ کوئی تندرست آدمی اچانک وصیت نامہ مرتب کرنے بیٹھے اور تین دن
مر جائے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ جیپ آگے بڑھتی رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ ''اپنے وکیل
عزیز سے ان کے تعلقات محض کاروباری تھے یا کچھ اور بھی۔''

''دونوں بہت اچھے دوست بھی تھے۔'' شمشاد نے جواب دیا۔

''چودھری صاحب کی تجہیز و تکفین میں کن لوگوں نے حصہ لیا تھا۔ کیا شاہد عزیز
اس وقت۔''

''اس سلسلے میں آپ پوری معلومات چودھری صاحب کے خصوصی ملازم دلاور
حاصل کرسکیں گے۔''

حمید نے دفعتاً جیپ روک دی یونکہ یہاں دوسری گاڑی کے نشانات معدوم ہو
گئے تھے۔

''چلتے رہئے..... ان اطراف میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں وہ جاسکتے تھے

شمشاد نے کہا۔ ''اس کے علاوہ دور دور تک ریگزار کے علاوہ اور کچھ نہیں۔''

''جو لوگ اتنے چالاک ہوں وہ اس طرح اپنا سراغ نہیں چھوڑیں گے کہ آپ ان تک
بآسانی پہنچ سکیں۔ ہوسکتا ہے..... یہاں سے وہ پھر پختہ سڑک کی طرف مڑ گئے ہوں۔''

''اوہ..... میں نے تو اس پر غور ہی نہیں کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ ہمیں اس بھاگ دوڑ سے باز رہنا چاہئے..... ویسے اس علاقہ کا
پولیس اسٹیشن کہاں ہے۔''

''اس کے لئے ہمیں سڑک ہی کی طرف واپس چلنا پڑے گا۔ جہاں سے آپ بستی کی
طرف مڑے ہوں گے وہاں سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔''

''سعد آباد کی سمت۔''

''جی ہاں۔''

جیپ وہاں سے پھر واپس ہوئی تھی۔ شمشاد کی حویلی کے قریب پہنچے تو اس کے ایک
حصے سے دھوئیں کے کثیف مرغولے اٹھتے ہوئے دکھائی دیتے۔

''ارے..... یہ..... کیا ہوا.....!'' شمشاد کہتا ہوا جیپ سے کودا اور عمارت کی طرف
دوڑنے لگا۔

عمارت کے گرد بستی کے لوگ جمع تھے۔ شمشاد اور حمید آگے پیچھے عمارت کے اندر داخل
ہوئے۔ کچن میں جہاں انہوں نے لاش دیکھی تھی آگ لگی نظر آئی۔ بستی کے لوگ بالٹیوں میں
پانی لئے آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

کچن کے سامنے شمشاد کا ساتھی فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ شمشاد اس کی طرف جھپٹا۔

''عاقل خان..... عاقل خان.....!'' وہ اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر آواز دے رہا تھا۔

عاقل خان پر بے ہوشی طاری تھی اور بے ہوشی کا سبب غالباً سر کی چوٹ بنی تھی جس
سے خون بہہ بہہ کر فرش پر پھیل گیا تھا۔

بستی والوں سے صرف اتنا معلوم ہوسکا تھا کہ انہوں نے عمارت سے اچانک دھواں
اٹھتے دیکھا تھا اور ادھر دوڑ آئے تھے۔ عاقل خان انہیں اسی حالت میں بے ہوش پڑا ملا تھا۔

حمید نے پٹرول کی بو پہلے ہی محسوس کرلی تھی اور دوڑ کر اپنی گاڑی کی طرف گیا تھا اور

اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ فالتو پٹرول کے ٹن غائب ہیں۔ ٹائروں کی ہوا بھی کسی نے
دی تھی۔

بہرحال آگ پر قابو پالئے جانے کے بعد حمید کچن میں داخل ہوا۔ لاش مسخ ہوکر ناقا
شناخت ہو چکی تھی۔ آگ لگانے کا مقصد بھی شاید یہی تھا کہ لاش جل کر شناخت کے قابل
رہے۔

عاقل خان ہوش میں آنے کے بعد یہ نہ بتا سکا کہ اس پر پیچھے سے کس نے حملہ کیا تھا

چار بجے کے قریب حمید اس علاقے کے پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کرسکا تھا۔

اس نے اپنی رپورٹ درج کرائی اور شمشاد سمیت اس کی جیپ سے شہر کی طرف ر
ہوگیا۔ عمارت اور اپنی گاڑی کی نگرانی کے لئے دو مسلح سپاہی متعین کرادیئے تھے۔

شہر پہنچتے پہنچتے رات ہوگئی۔ فریدی گھر ہی پر موجود تھا۔ حمید کی واپسی پر اس نے حی
ظاہر کی تھی، لیکن جب اس کی کہانی سنی تو طویل سانس لے کر بولا۔ ’’تمہارا مقدر.....!‘‘

اور پھر شمشاد کو گھورنے لگا تھا۔ شمشاد گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

’’سچی بات..... شمشاد صاحب؟‘‘ فریدی آہستہ سے بولا۔

’’مم..... میں نے جو کچھ بتایا ہے..... اس میں شمہ برابر بھی جھوٹ نہیں۔‘‘

’’اچھا تو پھر سعد آباد میں اپنی مصروفیات کے بارے میں بتایئے۔‘‘

’’کک..... کچھ بھی نہیں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ میں شیر علی مرحوم کے بارے
لوگوں سے پوچھ گچھ کررہا تھا۔‘‘

’’وجہ.....؟‘‘

’’پہلے ہی بتا چکا ہوں..... قدرتی بات ہے کوئی اچھا بھلا شخص وصیت نامہ مرتب کر
کے تین دن بعد مرجائے تو..... کیا کہیں گے۔‘‘

’’اوہو..... آپ غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس کے حق میں وصیت نامہ مرتب کیا گیا
اس نے جلد از جلد جائیداد حاصل کرنے کے لئے۔‘‘

’’نن..... نہیں جناب۔‘‘ شمشاد نے ہاتھ اٹھا کر احتجاجاً کہا۔ ’’میں تت..... تصور
نہیں کرسکتا.....! ہرگز نہیں..... خدا کی پناہ..... شیر علی مرحوم نے کبھی یہ بات ظاہر نہیں کی تھی

ان کا وارث کوئی پولیس آفیسر ہے۔‘‘

’’اسی لئے میں سچی بات جاننا چاہتا ہوں۔‘‘ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

’’جو کچھ میں پہلے کہہ چکا ہوں اس کے علاوہ اور کوئی بات میرے علم میں نہیں ہے۔‘‘

’’کوئی اور ایسا فرد جو اُن کے ترکے کا دعویٰ دار ہو سکے۔‘‘

’’جی نہیں! مجھ سے تو وہ صرف اپنے ایک بھانجے ساجد حمید کا ذکر کیا کرتے تھے۔‘‘

’’ہوں! لیکن اب سوال یہ ہے.....!‘‘ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی آنکھوں
میں پل بھر کے لئے عجیب سی چمک نظر آئی تھی اور وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

’’ایڈووکیٹ..... شاہد عزیز۔‘‘ اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر شمشاد سے بولا۔

’’آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔‘‘

’’ضرور..... وہ مجھ سے بخوبی واقف ہے۔‘‘

کچھ دیر بعد فریدی کی لنکن اسی عمارت کے سامنے رکی جس میں وکیل کا فلیٹ تھا۔

حمید کی رہنمائی میں وہ فلیٹ نمبر بیالیس تک پہنچے جو تیسری منزل پر واقع تھا۔

حمید ہی نے کال بل کا بٹن دبایا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے دباتا ہی رہا۔ لیکن دروازہ
نہ کھلا۔ فریدی کی نظر رسٹ واچ پر تھی۔ دو منٹ گزر جانے کے بعد اس نے برابر والے فلیٹ
کی کال بل کا بٹن دبایا۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

’’فرمایئے جناب!‘‘ بوڑھے آدمی نے فریدی کو نیچے سے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

’’میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔‘‘

’’اوہ..... تو پھر جناب۔‘‘ بوڑھا کچھ نروس سا نظر آنے لگا تھا۔

’’برابر والے فلیٹ کی گھنٹی دیر سے بجائی جارہی ہے لیکن جواب نہیں ملتا۔‘‘

’’تو پھر میں..... میں اس سلسلے میں کیا کرسکوں گا جناب۔‘‘

’’آپ کی موجودگی میں ہم اندر داخل ہونا چاہتے ہیں۔‘‘

’’کک..... کوئی گڑبڑ..... جناب۔‘‘

’’ضروری نہیں ہے۔‘‘

لیکن جب وہ اندر پہنچے تو گڑ بڑ ہی نظر آئی۔ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں کیا گ
ہنڈل گھماتے ہی کھل گیا تھا۔

سامنے فرش پر ایک آدمی اوندھا پڑا دکھائی دیا۔ شب خوابی کا لباس اور گاؤن جسم پر

''اوہو.....!'' حمید تیزی سے آگے بڑھا۔

''ٹھہرو.....!'' فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا اور خود آگے بڑھ کر اس پر جھک پڑا۔

اس کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ دروازے کے قریب سے اسے شناخت نہیں کیا

۔ دفعتاً فریدی نے مڑ کر حمید کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

''اوہ.....!'' حمید چہرے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹھک گیا۔

''یہی ہے.....؟'' فریدی نے پوچھا۔ حمید نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''مر چکا ہے؟'' فریدی نے دوسروں کی طرف مڑ کر کہا۔

''کک.....کون ہے؟'' شمشاد نے تھوک نگل کر پوچھا۔

''شاہد عزیز.....!''

پڑوسی اور شمشاد دونوں ہی تیزی سے آگے بڑھے تھے۔ حمید نے دونوں کی آ
میں حیرت کے آثار دیکھے۔

دفعتاً شمشاد نے کہا۔ ''یہ شاہد عزیز نہیں ہے۔''

''کیا.....؟'' حمید سیدھا ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

''جی ہاں۔ یہ وکیل صاحب نہیں ہیں۔'' بوڑھے پڑوسی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں

اب فریدی اور حمید ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے۔

''یہ.....یہ.....ڈی آئی جی صاحب بھی.....!'' حمید بات پوری نہیں کر پایا تھا کہ
نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''پھر یہ کون ہے.....!'' فریدی بوڑھے کی طرف مڑا۔

بوڑھے نے لاعلمی ظاہر کی۔

فریدی نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور انہیں وہیں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا گ

حمید اس شخص کی لاش کو گھورے جا رہا تھا جس نے ڈی آئی جی کے سامنے بھی

ایڈووکیٹ شاہد عزیز ظاہر کیا تھا۔ شاید اس کی موت دم گھٹنے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔ چہرے
پر ایسے آثار پائے جاتے تھے۔

دفعتاً حمید نے بوڑھے سے پوچھا۔ ''شاہد عزیز.....اس فلیٹ میں کب سے مقیم تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ پچھلے چھ ماہ سے۔''

''اس آدمی کو آپ نے پہلے کبھی یہاں نہیں دیکھا۔'' حمید نے لاش کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''اپنی یادداشت میں تو کبھی نہیں۔ آخر وکیل صاحب گئے کہاں! ان سے میرے بہت
اچھے تعلقات ہیں۔''

اتنے میں فریدی واپس آ گیا۔

''یہاں کہیں فون بھی ہے؟'' اس نے بوڑھے سے پوچھا۔

''فون ہے تو یہاں.....غالباً آپ بیڈروم ہی میں تھے۔''

''فی الحال یہاں کا فون استعمال نہیں کیا جا سکتا۔''

''تو پھر میرے فلیٹ میں تشریف لے چلئے۔''

فریدی اس کے ساتھ چلا گیا۔ حمید اور شمشاد تنہا رہ گئے۔

''آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے کپتان صاحب۔'' شمشاد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کیا آپ مجھے شاہد عزیز کا حلیہ بتائیں گے۔'' حمید خود سوال کر بیٹھا۔

''حلیہ.....حلیہ.....کھڑا کھڑا نقشہ.....خوبصورت سی سیاہ ڈاڑھی.....ریم لیس فریم کی
عینک لگاتا ہے۔ خوش لباس آدمی ہے.....جامہ زیبی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا.....لیکن.....
یہ آدمی.....کک.....کیا.....میرا مطلب یہ ہے کہ آپ دونوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ
لگایا ہے کہ شاید یہ آدمی۔''

''غیر ضروری باتیں نہیں۔'' حمید نے ہاتھ اُٹھا کر خشک لہجے میں کہا۔

شمشاد کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نظر آئے اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد محکمہ سراغرسانی کے مختلف شعبوں کے ماہرین وہاں پہنچ گئے تھے اور لاش
سے متعلق ضروری کارروائی شروع ہو گئی تھی۔

حمید فریدی کے ساتھ دوسرے کمرے میں آیا۔ یہاں ایک بڑی مسہری، دو کرسیوں،

ایک چھوٹی میز اور ایک بک شیلف کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

حمید کتابوں کی الماری کے قریب جا کھڑا ہوا اور اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس م
قانون کی ایک بھی کتاب نہیں تھی۔

دفعتاً اس نے فریدی کو کہتے سنا۔ ''غالباً تم قانون کی کوئی کتاب تلاش کر رہے ہو۔''

''قدرتی بات ہے.....!'' حمید نے جواب دیا۔

فریدی پھر کچھ نہیں بولا تھا۔

حمید الماری کا جائزہ لیتے لیتے دفعتاً چونک پڑا اور مڑ کر فریدی کی طرف دیکھا جو بستر
جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ حمید الماری کے پاس سے ہٹ کر اس کے قریب پہنچا۔

''ہوں!'' فریدی بدستور جھکا ہوا بولا۔ ''کچھ کتابیں الماری میں الٹی بھی لگی ہوئی ہیں۔''

''جی ہاں..... میں یہی بتانا چاہتا تھا۔''

فریدی سیدھا کھڑا ہو کر چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''کہیں
انتشار کے آثار نہیں ملتے..... پھر بھی قتل کے بعد یہاں کوئی چیز ضرور تلاش کی گئی ہے۔ الما
میں الٹی کتابیں جلد بازی کا نتیجہ ہیں کیوں نہ تم الماری دوبارہ خالی کر دو۔''

''یعنی کتابیں فرش پر ڈال دوں۔''

''ہاں.....!''

حمید نے اس مشورے پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ کتابیں شیلف سے
نکال کر ڈھیر کرتا رہا۔ اس دوران میں فریدی نے بستر الٹ دیا تھا اور گدے کے نیچے
برآمد ہونے والی کسی چیز کو بہت غور سے دیکھے جا رہا تھا۔

شیلف بھی خالی ہو گئی۔ اس میں اب کچھ بھی نہیں تھا۔ فریدی نے جو چیز بستر کے
سے اٹھائی تھی حمید کے قریب پہنچنے سے قبل ہی جیب میں ڈال لی اور شیلف کی طرف متوجہ ہو گیا

''کچھ بھی نہیں ہے؟'' حمید نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسرے کمرے سے عجیب سی آوازیں آئیں اور
فریدی کا ایک ماتحت تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کی ا
مصنوعی ڈاڑھی تھی۔

دوسری ڈاڑھی

وہ مصنوعی ڈاڑھی لاش کے نیچے دبی ہوئی ملی تھی۔ اس اطلاع پر حمید نے معنی خیز نظروں
سے فریدی کی طرف دیکھا۔

فریدی نے ڈاڑھی اپنے ماتحت کے ہاتھ سے لے لی تھی اور اُسے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا
تھا۔ ڈاڑھی سے پلاسٹک کا خول بھی منسلک نظر آیا جس کی بناوٹ ناک کی سی تھی۔

''کیا لاش اس جگہ سے اٹھالی گئی.....!'' فریدی نے ماتحت کو گھورتے ہوئے سرد لہجے
میں پوچھا۔

''جی ہاں..... اسٹریچر پر رکھ دی گئی ہے۔''

''تم نے اسے اٹھایا کیوں؟'' فریدی نے ڈاڑھی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''مجھے
صرف اطلاع دینی تھی۔''

''غغ..... غلطی ہوگئی جناب۔'' ماتحت اس غیر متوقع سوال پر بوکھلا گیا۔

''فرش پر لاش کی آؤٹ لائین بنادی گئی ہے یا نہیں۔''

''بنادی گئی ہے جناب۔''

فریدی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لاش ابھی کمرے ہی میں موجود تھی۔ اسٹریچر باہر
نہیں لے جایا گیا تھا۔

فرش پر لاش کی جگہ سفید چاک سے اس کی آؤٹ لائن بنائی گئی تھی۔ فریدی نے نقلی
ڈاڑھی کو اسی ماتحت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اسے پھر اسی جگہ ڈال دو جہاں سے اٹھائی
گئی تھی۔''

ماتحت نے فوراً تعمیل کی۔ ڈاڑھی لاش کی آؤٹ لائن کے وسط میں رکھ دی گئی تھی۔
فریدی کبھی ڈاڑھی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی اسٹریچر پر رکھی ہوئی لاش کی طرف۔

''کیا خیال ہے.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''جھگڑے کے دوران میں ڈاڑھی نکل گئی
اور وہ جلدی میں اسے ساتھ نہ لے جاسکا۔''

”کون ساتھ نہ لے جاسکا؟“ فریدی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”قاتل.....!“

”ہونہہ..... یہ ڈاڑھی اس لاش کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔“ اس نے کہا اور ڈاڑھی کو فرش سے اُٹھا کر قریب پہنچا اور پلاسٹک کا خول اس کی ناک پر جماتے ہوئے ڈاڑھی کے دونوں گوشے کنپٹیوں تک لے گیا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”شمشاد اور بوڑھے پڑوسی کو بلاؤ۔“

وہ دونوں اندر لائے گئے اور جیسے ہی لاش پر ان کی نظریں پڑیں بیک وقت اُن کی زبانوں سے ”ارے“ نکلا۔

”وکیل صاحب۔“ بوڑھا تھوک نگل کر بولا اور شمشاد نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چ ڈھانپ لیا۔

”ہوں..... کیا بات ہے؟“ حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں سوال کیا

”مم..... میرا سر چکرا رہا ہے..... جناب.....!“ شمشاد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی نے حمید کو اشارہ کیا کہ فی الحال خاموش رہے۔

کچھ دیر بعد لاش وہاں سے ہٹا دی گئی۔ پھر وہاں ان چاروں کے علاوہ اور کوئی نہ گیا۔ شمشاد اور بوڑھے پڑوسی کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جی ڈاڑھی کی دریافت کے بعد ہی انہیں پہلی بار احساس ہوا ہو کہ کوئی مار ڈالا گیا ہے۔

فریدی نے پڑوسی کو متوجہ کر کے پوچھا۔ ”شاہد عزیز سے آپ کے تعلقات کیسے تھے۔“

”اچھے ہی تھے جناب۔ وہ خوش اخلاق اور نرم مزاج آدمی تھے لیکن سمجھ میں نہیں آتا نقلی ڈاڑھی..... بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔“

”کیا آپ نے کبھی انہیں کسی کورٹ میں بھی دیکھا تھا۔“

”جی نہیں..... اس کا اتفاق کبھی نہیں ہوا۔“

”ان کے مؤکل یہاں بھی آتے رہتے ہوں گے۔“

”اس کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔“

پھر فریدی نے بوڑھے کو رخصت کرتے ہوئے کہا۔ ”ہوسکتا ہے کہ آپ کو پھر تکلیف دی

جائے۔“

”میں ہر وقت حاضر ہوں جناب۔

شمشاد کے چہرے کی زردی بڑھتی جارہی تھی۔ اس طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے اس انکشاف کی بناء پر اسے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔

فریدی کے اشارے پر حمید نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

کچھ دیر بعد وہ فریدی کے سٹنگ روم میں ایک آرام کرسی پر نیم دراز بھرائی ہوئی نحیف آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ شاہد عزیز کی ڈاڑھی نقلی ہوگی..... آخر ..... یہ سب کیا ہے..... میری عقل کام نہیں کرتی اگر اس نے کسی قسم کا فراڈ کیا تھا تو خود اسے کس نے مار ڈالا۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ کے علاوہ اور کوئی اس پر روشنی نہ ڈال سکے گا؟“ فریدی نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

”مم..... میں..... یقین کیجئے۔“

”پلیز..... شمشاد صاحب۔“ حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ”میں آپ کو یہاں اسی لئے لایا ہوں کہ آپ کرنل صاحب سے کسی قسم کی بھی غلط بیانی نہ کرسکیں..... آپ میرے ماموں صاحب کے دوست ہیں ورنہ حقیقت تو میں ہی آپ سے اگلوا لیتا۔“

”مم..... میں دل کا مریض ہوں..... آپ لوگ مجھ پر رحم کیجئے۔“

”مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“ حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”یاد کیجئے اپنا جملہ۔ آپ نے کہا تھا کہ اب میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ شیر علی مرحوم معمولی حالات کے تحت نہیں مرے اور شائد میں بھی ایسے ہی حالات کا شکار ہونے والا ہوں۔“

شمشاد تھوک نگل کر رہ گیا پھر کھوکھلی آواز میں بولا۔ ”مجھے تو نہیں یاد پڑتا کہ میں نے ایسی کوئی بات کہی ہو۔“

”مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“ حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

”بس ختم کرو۔“ دفعتاً فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ”شمشاد صاحب اگر آپ زیادہ تکلیف محسوس کر رہے ہوں تو میں ڈاکٹر کو طلب کروں۔“

"نن.....نہیں جناب.....آپ مجھے میری قیام گاہ پر بھجوادیجئے۔"
"کیا یہاں بھی آپ کی کوئی قیام گاہ موجود ہے۔"
"جی ہاں.....موڈل کالونی میں شمشاد ولا۔"
"اوہ.....اچھا.....حمید.....تم ہی جاؤ۔"
دن بھر کی تھکن کے بعد اب حمید کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ اخلاقاً بھی کسی
کوئی ڈیوٹی برداشت کرسکتا۔لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا فریدی خود اسے کیوں زحمت د
ہے۔ یہ کام تو اس کا ڈرائیور بھی بخوبی انجام دے سکتا تھا۔اس کا مطلب یہی تھا کہ فرید
شمشاد کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔
شمشاد کی جیپ وہیں رہ گئی تھی اور حمید اسے فریدی کی لنکن میں بٹھا کو موڈل کالو
طرف روانہ ہوگیا تھا۔
شمشاد کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔"میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں آپ لوگ
ہی ان سب وارداتوں کا ذمہ دار تو نہیں سمجھ رہے؟"
"کیا ہم اس حد تک جاسکتے ہیں؟" حمید نے سوال کیا۔
"حالات کے تحت اس کا امکان ہے۔"
"لیکن آپ حقیقتاً بالکل معصوم ہیں.....کیوں؟"
"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں؟ جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کے سلسلے میں کو
ثبوت نہیں رکھتا۔"
"کہہ بھی چکیے کسی صورت سے۔اس کا فیصلہ ہم پر چھوڑ دیجئے کہ ہم اس پر یقین
یا نہ کریں۔"
"ہم سب کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں۔"
"ہرگز نہیں.....ہم تو ابھی ابھی کسی نائٹ کلب میں جشن منا رہے تھے۔"
"میں سنجیدگی سے گفتگو کررہا ہوں کپتان صاحب۔" شمشاد نے ناخوشگوار لہجے میں
"میں آپ کو غیر ضروری الفاظ کے استعمال سے باز رکھنا چاہتا ہوں.....اگر آپ
بتانے جارہے ہیں تو اب اس کیلئے تمہید ضروری نہیں۔صبح سے تمہید ہی تمہید تو چل رہی ہے

"میری دشواری یہ ہے کہ خود بھی ایک غیر قانونی حرکت کا مرتکب ہو چکا ہوں۔ قانون
ے محافظوں کو اس کا علم نہیں۔لیکن وہ لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"
"پھر تمہید.....!" حمید بھنا کر بولا۔"اب مجھ پر رحم کیجئے ورنہ میں ماموں کا دوست ہونا
ر قانونی قرار دلوادوں گا۔"
"مم.....میں نے شیر علی خان مرحوم کی قبر کھودنے کی کوشش کی تھی۔اسی رات سے کچھ
معلوم لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"
حمید نے طویل سانس لی اور گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے بالآخر سڑک کے کنارے
ک دیا۔
"کک.....کیوں؟"
"پیارے شمشاد ماموں.....آخر آپ نے اتنی اہم بات اب تک کیوں چھپائے رکھی تھی۔"
"اس شخص کے سامنے میری گھگھی بندھ جاتی ہے۔وہ جو تمہارا آفیسر ہے.....کیا نام
ے اس کا۔"
"کرنل فریدی۔"
"ہاں.....ہاں.....اسکی آنکھیں مجھے اپنی ہڈیوں میں پیوست ہوتی محسوس ہونے لگتی تھیں۔"
"مجھے بتا دیا ہوتا۔" حمید نرم لہجے میں بولا۔"اب میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ
لو کہیں تنہا چھوڑ دوں۔"
"کک.....کیا مطلب؟"
"آپ ہمارے ساتھ ہی قیام کریں گے۔"
"مم.....میں بھی یہی سوچ رہا تھا.....لیکن جو کچھ پوچھنا ہے آپ ہی پوچھ لیجئے.....
یں کرنل فریدی سے گفتگو نہیں کرسکتا۔"
"اچھی بات ہے.....تو پھر پہلے ہم آپ کی مقامی قیام گاہ پر چلتے ہیں۔"
"مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہاں بھی کوئی پریشان کن وقوعہ پہلے ہی سے میرا منتظر نہ ہو.....
یرے خدا آج کا دن کتنا منحوس تھا۔"
"ہوسکتا ہے.....تو پھر ہم کہاں چلیں۔"

''میری عقل جواب دے گئی ہے.....آپ ہی کچھ سوچئے۔''

''میرے خیال سے یہاں بھی باتیں ہوسکتی ہیں۔ آپ نے مرحوم کی قبر کیوں کھودی تھ

''مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ طبعی موت مرے ہوں گے؟''

''اگر آپ ان کے ایک مخلص دوست تھے تو آپ کو اپنے شبہ کا اظہار باضابطہ طور
چاہئے تھا۔ پولیس سے رجوع کرنے کی کوشش کرتے۔''

''پہلے میں خود مطمئن ہونا چاہتا تھا۔''

''ہوں! بات تفصیل طلب معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے شمشاد ولا ہی چلنا چاہئے۔''

''کک.....کیوں.....؟''

''بھلا آپ کس طرح اپنا اطمینان کرتے.....کیا آپ لاش دیکھ کر بتا سکتے ہیں ک
کن حالات میں ہوئی ہوگی؟''

''نن.....نہیں؟''

''پھر قبر کھودنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔''

''مم.....مجھے گھر لے چلئے.....میری حالت بگڑ رہی ہے۔''

حمید نے پھر گاڑی اسٹارٹ کی۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ شمشاد
خاصی شاندار عمارت ثابت ہوئی۔ حمید نے شمشاد کو سہارا دے کر گاڑی سے اُتارا تھا۔
چھ اور لوگ بھی پہلے ہی سے مقیم تھے۔ شمشاد نے بتایا کہ اس نے اپنے بعض قریبی ع
کو یہ شہری قیام گاہ عاریتاً دے رکھی ہے۔

حمید نے اسے دیوان پر لٹا دیا اور خود ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔
شمشاد کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد
نے نحیف سی آواز میں کہا۔ ''میں نے دوبارہ قبر کھودنے کی کوشش کی لیکن چند نامعلوم آ
کی مداخلت کی بناء پر کامیاب نہ ہوسکا۔''

''آپ تنہا ہی تھے یا کوئی اور بھی ساتھ تھا۔''

''تنہا.....کیپٹن حمید.....اصل بات یہ ہے کہ مجھے چودھری صاحب کی موت ہی پ
نہیں آیا۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید اچھل پڑا۔

''ہاں.....میں یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ قبر میں لاش ہے بھی یا نہیں۔''

''خدا کی پناہ.....کتنی دیر بعد آپ نے اصلیت ظاہر کی ہے۔ کیا میں اس کی وجہ پوچھ
سکتا ہوں۔''

''جو کچھ بھی میں نے کہا ہے اس کے لئے کوئی واضح ثبوت نہیں رکھتا۔ اسی لئے زبان
سے نہیں نکال رہا تھا۔''

''کوئی شبہ بے بنیاد نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں شبے کی وجہ جاننا چاہوں گا۔''

''چودھری صاحب بے حد پُراسرار تھے۔ ان کے بارے میں کبھی کوئی کچھ نہ جان سکا۔
آپ اپنی ہی بات لے لیجئے۔ انہوں نے کسی کو نہیں بتایا کہ آپ کا عہدہ کیا ہے۔ نہ یہی بتایا
کہ آپ ان سے ملنے کے لئے سعد آباد کیوں نہیں گئے!''

''یہ ذاتی نوعیت کے معاملات ہیں۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''بہر حال میں انہیں پچھلے دو ماہ سے بہت زیادہ پریشان دیکھتا رہا تھا۔''

''یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں جس کے لئے آپ قبر کھودنے بیٹھ جائیں۔''

''یہ بات بھی ذہن نشین کرلیجئے کہ اپنے دوستوں میں سب سے زیادہ اعتماد مجھ پر
کرتے تھے۔''

''آہا.....!'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''انہوں نے خود ہی آپ کو مشورہ دیا تھا کہ قبر کھود کر
دیکھ لینا کہ میں موجود ہوں یا نہیں۔''

''مم.....میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا وہ خود کو خطرے
میں محسوس کررہے ہیں اگر کچھ دنوں کے لئے روپوش ہوجائیں تو اس کی چھان بین نہ کی
جائے۔ خود اپنے خاندانی معاملات میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اس میں بعض افراد کی علالتیں بھی
شامل تھیں۔ زیادہ تر پہاڑ پر رہا۔ واپس آیا تو ان کی موت کی خبر سنی.....خداوندا.....میری تو
عقل ہی خبط ہوکر رہ گئی ہے۔ یہ شاہد عزیز.....آخر یہ کیا کررہا تھا۔ پھر اس طرح مردہ پایا گیا۔
پتہ نہیں۔ چودھری صاحب اس کی اصلیت سے واقف تھے یا نہیں۔ یقین کیجئے میں تو قریب
سے بھی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ ڈاڑھی نقلی ہوگی اور ہاں آپ کو میری دیہی قیام گاہ پر اس

طرح الجھایا گیا کہ آپ لوگ مجھ پر کسی قسم کا شبہ کرنے لگیں۔''

وہ خاموش ہوگیا۔حمید اس کے چہرے پر چھائی ہوئی زردی کو بغور دیکھے جارہا تھا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور حمید انسٹرومنٹ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''ذرا تکلیف کیجئے۔'' شمشاد نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔''اگر کوئی مجھے پوچھے تو دیجئے گا کہ طبیعت خراب ہے۔خود فون اٹینڈ نہیں کرسکتا۔''

حمید نے اُٹھ کر ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو.....!''

''اوہ تو تم ہی ہو۔'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔''فوراً واپس آؤ.....ہم وقت سعدآباد جائیں گے۔شمشاد صاحب کی طبیعت بہتر ہوتو وہ بھی ساتھ چل سکتے ہیں۔''

''ٹھہریئے.....میں پوچھتا ہوں۔''

حمید ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر شمشاد کی طرف مڑا اور فریدی کی پیشکش کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔''اگر آپ چل سکیں تو ہمیں مزید آسانیاں ہوجائیں گی۔''

''اب مجھ میں سکت نہیں رہی کپتان صاحب۔ایک ہفتے سے پہلے شاید ہی بستر سے اُٹھ سکوں۔دل کی حالت بہتر نہیں ہے۔''

حمید نے فریدی کو اس کی اطلاع دے کر سلسلہ منقطع کردیا۔اس کے بعد وہ گھر کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔آنکھیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئی جارہی تھیں۔

گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ فریدی تجربہ گاہ میں ہے۔سیدھا وہیں چلا گیا۔وہ اس سے کہنا چاہتا تھا کہ اگر دو تین گھنٹے سو کر گزار لینے کے بعد سفر شروع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

تجربہ گاہ میں اندھیرا تھا۔دروازہ کھولتے ہی اس نے فریدی کی آواز سنی۔

''کون ہے؟'' اس نے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔

''اُلو.....!'' حمید بھنا کر بولا۔

''اوہ.....کیوں.....؟ کیا بات ہے؟''

''روشنی کیجئے۔''

''جاؤ.....سوجاؤ.....صبح باتیں ہوں گی۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟ سعدآباد نہیں چلنا۔''

''ہوش میں ہو یا نہیں.....اس وقت سعدآباد۔''

''تو کیا ابھی آپ نے شمشاد ولا فون نہیں کیا تھا۔''

''نہیں.....! کیا قصہ ہے؟ وہیں ٹھہرو۔میں آرہا ہوں۔''

حمید دروازے کے قریب ہی رک گیا تھا۔وہ دونوں تجربہ گاہ سے باہر آئے۔حمید نے اسے فون کال کے بارے میں بتایا۔

''میں نے تمہیں فون نہیں کیا تھا۔تمہارے جانے کے بعد سے تجربہ گاہ ہی میں رہا ہوں۔''

''تب تو شمشاد بھی قتل ہوچکا ہوگا۔''

''کیوں؟'' فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

حمید نے جلدی جلدی اپنی اور شمشاد کی گفتگو دہرانے کی کوشش کی۔''ایکس چینج سے شمشاد ولا کے نمبر معلوم کرو۔'' فریدی نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

نمبر حاصل کرنے میں پانچ منٹ صرف ہوئے تھے۔فریدی نے شمشاد ولا سے رابطہ قائم کرکے شمشاد کی خیریت دریافت کی۔

''دل کا دورہ پڑا ہوا ہے۔'' دوسری طرف سے کسی عورت نے کہا۔''خود فون اٹینڈ نہیں کرسکتے۔آپ کون صاحب ہیں۔''

''بس خیریت معلوم کرنی تھی۔انہیں تنہا نہ چھوڑا جائے تو بہتر ہوگا۔''

''ہم سب ان کے قریب ہی موجود ہیں۔آپ کون صاحب ہیں؟''

''طبیعت بہتر ہوتو کہہ دیجئے گا کہ کرنل فریدی نے خیریت دریافت کی تھی۔''

''بہت بہتر جناب۔''

''شکریہ.....!'' فریدی نے سلسلہ منقطع کردیا۔

''کیا بات ہوئی۔'' حمید بڑبڑایا۔

''ضروری نہیں کہ ہر بات کی تہہ میں کچھ نہ کچھ.....!'' فریدی جملہ ادھورا چھوڑ کر پُرتفکر انداز میں سگار سلگانے لگا۔

''اب آپ فلٹر ٹپڈ سگار بنوایا کیجئے۔اگر اس سلسلے میں کمپنی سے مراسلت کریں تو بہتر ہوگا۔''

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ اس نے
پکڑ کر زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اور پھر جب وہ لنکن میں بیٹھ گئے اور لنکن باہر جانے کے لئے پھاٹک سے گزر رہی
حمید نے شمشاد کا نام لے کر کئی بیہودہ خیالات کا اظہار کیا۔

''اس سے کیوں خفا ہو گئے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''دن بھر کی تھکن کے بعد ایک گھنٹے کی نیند بھی مقدر میں نہیں۔''

''تو اس میں شمشاد کا کیا قصور..... تمہیں سعد آباد کیلئے اپنا سفر جاری رکھنا چاہئے تھا

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ زبان ہلانے سے بہتر تو یہ ہوگا کہ کسی قدر اونگھ
ہی کا موقع نکال لے۔ لیکن اونگھنے کا موقع اسے خراٹوں کی دنیا میں گھسیٹ گیا۔

پھر جب تک جھنجھوڑا نہیں گیا تھا آنکھیں نہیں کھلی تھیں۔

''ہم کہاں ہیں۔'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

''اپنے حواس مجتمع کرلو۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔

''شمشاد ولا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''کک..... کیوں..... پھر کہاں ہیں۔''

''شاہد عزیز کی رہائش گاہ کے قریب۔ اب اُترو بھی۔''

حمید گاڑی سے اُتر گیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی لیکن یہ وہ جگہ تو نہیں تھی۔

''کچھ دور پیدل چلنا پڑے گا۔'' فریدی نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

''کیا پائپ سلگا سکتا ہوں۔'' حمید نے آئی ہوئی جماہی کا گلا گھونٹتے ہوئے پوچھا

''نہیں.....؟''

کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے اندازہ لگایا کہ ان کی گاڑی عمارت سے قریباً آ
فرلانگ کے فاصلے پر پارک کی گئی تھی۔

زینے طے کرکے وہ اس منزل پر پہنچے جس میں شاہد عزیز کا فلیٹ تھا۔

پوری راہداری تاریک پڑی تھی۔ فریدی ٹھیک فلیٹ کے سامنے تھا۔ حمید کو اچھی طرح

تھا کہ جب وہ یہاں سے واپس ہوئے تھے تو فلیٹ کی نگرانی کے لئے ایک مسلح کانسٹیبل وہاں
چھوڑ دیا تھا اور راہداری کے سارے بلب بھی روشن تھے۔

فریدی نے پنسل ٹارچ روشن کی اور حمید چونک پڑا۔ روشنی کا مختصر سا دائرہ مسلح کانسٹیبل
پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

''کک..... کیا یہ بھی ختم.....!'' اس نے سرگوشی کی۔

کانسٹیبل دیوار کی جڑ سے لگا لمبا لیٹا ہوا تھا۔ فریدی نے جھک کر اسے دیکھا اور پھر
روشنی کا دائرہ فلیٹ کے دروازے پر رینگ گیا۔ دروازہ بند تھا۔

اس نے بہ آہستگی اس کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ لیکن دوسرے کمرے کے دروازے کی جھری روشن تھی۔ حمید
نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

کوئی اس کمرے میں چل رہا تھا۔ دفعتاً حمید نے فریدی کا بازو پکڑ کر آگے بڑھنے سے
روک دیا اور خود دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

پھر دروازہ پر اس نے ٹھوکر رسید کی تھی اور دروازہ اندر گھس گیا تھا۔

کمرہ خالی نظر آیا۔ باتھ روم کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی نے آواز دے کر روک دیا۔

وہ تیزی سے اس کے قریب پہنچا تھا۔

''اس میں کیا مصلحت تھی فرزند۔'' اس نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''کیسی مصلحت۔''

''مجھے روک کر خود تمیس مار خاں بننے کی کوشش کر ڈالی۔''

''آپ سے پہلے مرنا چاہتا ہوں۔''

''چچ..... چچ..... دل چھوٹا نہ کرو۔ ایک رات کی نیند پر زندگی نہیں قربان کی جاسکتی۔''

''میں کہتا ہوں اسے باتھ روم سے نکالنے کی کوشش کیجئے۔''

''نکل آؤ بھئی..... جو کوئی بھی ہو۔'' فریدی نے اونچی آواز میں کہا۔ ''آنکھ مچولی سے
کیا فائدہ۔''

حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ فریدی سے اس قسم کی غیر سنجیدگی کی توقع

نہیں تھی۔

اچانک فریدی نے جھپٹ کر باتھ روم کا دروازہ باہر سے بولٹ کرتے ہوئے کہا
جو کوئی بھی ہے پوری طرح قابو میں آ گیا۔ کیا خیال ہے۔"

حمید نے پھر اسے حیرت سے دیکھا۔ یہ انداز گفتگو بھی اس کے لئے نیا تھا۔

فریدی اب اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال رہا تھا۔ اس نے حمید کو بستر کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور اب یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ جو بھی ہے اس نے بس نیچے ہی پناہ لی ہوگی۔ کیونکہ چادر فرش تک لٹکی ہوئی تھی۔

"بستر کے نیچے سے نکلو.....!" دفعتاً فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "ورنہ تمہ چھلنی ہو جائے گا۔"

ٹھیک اسی وقت حمید کی طرف چادر کا کنارہ اٹھا اور اس نے دروازے کی جان بھاگنے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں محترمہ۔" حمید ریوالور کو جنبش دے کر بولا۔ "اپنا پردہ برقرار ہی رکھئے تو بہتر ہ

بارلیش چہرے والی محترمہ نے بے بسی سے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"کرنل صاحب! یہ ہیں محترمہ شاہدہ فاروقی۔" حمید نے شاہدہ پر نظر جماتے ہوئے

"اوہ.....اچھا.....!" فریدی کا لہجہ پُرسکون تھا۔

"اوہ.....اچھا.....!" شاہدہ نے اس کے لہجے کی نقل اتاری اور فریدی چونک گھورنے لگا۔ دونوں آوازوں میں سرمو فرق نہیں تھا۔

"اوہ.....تو کچھ دیر پہلے شمشاد ولا میں تم نے ہی مجھے فون کیا تھا۔"

"جناب عالی.....؟" وہ بے خوفی سے مسکرائی۔

"کیوں.....؟" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"اس لئے کہ آپ دونوں شمشاد کی زندگی خطرے میں سمجھ کر اُدھر متوجہ ہو جا میں یہاں اپنا کام کرسکوں۔"

"لیکن ناکام رہیں.....!" فریدی بولا۔

"ج.....جی ہاں۔"

"تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔"

شاہدہ نے کوئی جواب دینے کی بجائے اپنے چہرے سے نقلی ڈاڑھی اور مونچھیں نکال پھینکیں۔

"اب تم خود کو حراست میں سمجھو۔" حمید غرایا۔

اس نے بڑے دلآویز انداز میں مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور حمید کو اپنی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی۔

"میں خود دیکھوں گا کہ تمہیں کس چیز کی تلاش تھی۔" فریدی نے کہا اور کتابوں کے ریک کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کتابیں تو اب بھی فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔

حمید شاہدہ کی طرف متوجہ تھا اور شاہدہ فریدی کی طرف دیکھے جارہی تھی۔

"اے تم ادھر دیکھو! تمہیں اس لاش کے سلسلے میں جواب دہی کرنی ہے، جو نخلستان والی عمارت میں ملی تھی۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"وہ لاش وہاں پہلے ہی سے موجود تھی۔" لڑکی نے لاپروائی سے کہا۔ "میں آپ کو اس تک پہنچا کر خود غائب ہو جانا چاہتی تھی۔"

"پھر اس عمارت میں آگ کس نے لگائی تھی۔"

"معلوم کیجئے! آپ کے چیف تو غیب دانی کی سرحدوں کو بھی چھو سکتے ہیں۔" لڑکی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

حمید نے اسے گھورتے ہوئے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔

خطرناک سفر

"اس لڑکی کو جانے دو۔" دفعتاً فریدی کی آواز سناٹے میں گونجی۔

حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور لڑکی بولی۔ "میں تو نہیں جاؤں گی۔"

حمید بدستور فریدی ہی کی طرف دیکھتا رہا جو اب ریک کے درمیانی تختے کو اس کی
سے ہٹانے کے لئے زور لگا رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس میں کامیاب بھی ہوگیا۔حمید لڑکی کی طرف متوجہ ہوا تو اسے
اسی سمت نگران پایا۔البتہ اب اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔

فریدی نے ایک بار پھر لڑکی سے چلے جانے کو کہا لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں
اب وہ ان کے قریب واپس آ گیا تھا۔حمید نے اس کے ہاتھ میں آٹھ ملی میٹر کی فلم کی ای
ریل دیکھی۔

''تم نے اسی کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا؟ کیوں؟'' وہ لڑکی کو گھورتا ہوا بولا۔

''جی ہاں۔''اس نے مردہ سی آواز میں جواب دیا۔

''وہ کانسٹیبل کتنی دیر میں ہوش میں آئے گا۔''

''صبح تک آرام سے سوتا رہے گا جناب۔''

''شاہد عزیز کو کس نے قتل کیا۔''

''میں نہیں جانتی؟''

''قاتل کو بھی اس فلم کی تلاش تھی؟''

''رہی ہوگی۔'' لڑکی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''اچھا.....تو چلو.....؟'' فریدی نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

فریدی کے اس نرمی کے برتاؤ کے باوجود حمید کا ریوالور ابھی تک لڑکی کو کور کئے ہوئے تھ
راہداری میں رک کر فریدی نے حمید سے کہا۔''ریوالور ہولسٹر میں رکھو اور کانسٹیبل کو اٹھاؤ

''اسے اُٹھا کر زینے طے کرنے میرے بس کا روگ نہیں۔''

''بہت بہتر.....روشنی دکھائیے۔'' فریدی نے پنسل ٹارچ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ک

پھر فریدی نے کانسٹیبل کو ہاتھوں پر اٹھایا تھا اور وہ زینے طے کر کے نیچے پہنچے تھ
حمید لنکن وہاں لایا تھا۔

''تم دونوں یہیں ٹھہرو۔'' فریدی نے بے ہوش کانسٹیبل کو لنکن کی پچھلی سیٹ پر ڈا
ہوئے کہا۔''میں اسے حلقے کے تھانے میں پہنچا کر واپس آتا ہوں۔''

وہ چلا گیا تھا اور یہ دونوں فٹ پاتھ پر کھڑے رہ گئے تھے۔حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''مجھے حیرت ہے۔'' لڑکی بڑبڑائی۔

''کس بات پر مس ریش دراز.....!''

''کرنل فریدی کا رویہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے بنی.....اسے سمجھنے کیلئے نسلوں کی عمریں درکار ہوں گی۔''

''اچھا تو میرے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہتے ہو۔''

''کسی اچھے سے نائٹ کلب میں رقص کے دو چار راؤنڈ.....عمدہ ناشتہ اور پھر.....؟''

''کیا واقعی مجھے حوالات میں نہیں ڈالا جائے گا۔''

''فادر کا فرمان اٹل ہوتا ہے۔''

''آخر وجہ.....؟''

''خواہ مخواہ سر نہ کھپاؤ.....جو کچھ کہا گیا ہے کرو۔''

''کیا یہ بھی نہ کرو گے کہ مجھے شمشاد ہی تک لے چلو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ہوسکتا ہے وہ مجھے جانتا ہو.....آخر میں نے اسی کی حویلی میں تو تمہارے ساتھ فراڈ کیا تھا؟''

''میں نے تو تم سے اس فراڈ کا مقصد تک معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''لیکن یہ شاہد عزیز ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''آپ کے ماموں کا بہترین دوست تھا اور بالآخر انہیں کے لئے مارا گیا۔''

''میک اپ میں کیوں رہتا تھا.....؟''

''اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

''یہاں کس چیز کی تلاش تھی تمہیں؟''

''کیا کرنل نے وہ چیز تمہیں نہیں دکھائی تھی؟''

''اس فلم میں کیا ہے؟''

''یہ بھی میں نہیں جانتی۔''

''کس کے لئے کام کر رہی ہو۔''

''اپنے لئے.....صرف اپنے لئے۔''

''تب پھر میں تمہارے لئے پاگل خانے کی سفارش کروں گا۔''

''تمہیں بھی ساتھ لے چلوں گی اکیلے جی نہ لگے گا..... واقعی لاجواب آدمی ہو
معلوم ہو جانے کے بعد کہ میں لڑکی ہوں کس طرح بھاگے گئے تھے میرے ساتھ..... پو
قہقہہ لگا کر اسے طول دیتی چلی گئی۔

''تم تو ڈاڑھی مونچھ والی تھیں..... سر پر سینگ رکھنے والی لڑکیوں کے پیچھے بھی
طرح دوڑتا ہوں۔'' حمید جھلا کر بولا۔

لڑکی ہنستی رہی پھر اچانک سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ ''میں اگر تمہیں اس طرح نہ
تو تم سعد آباد سے صرف تین میل کے فاصلے پر ٹھکانے لگا دیئے جاتے۔''

''کیا شمشاد کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہو؟''

''میں کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔''

''تم کو میرے ماموں کے معاملات سے کیا سروکار.....؟''

''اس دنیا میں اُن کے علاوہ میرا اور کوئی نہیں تھا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کیا وصیت نامے میں اُن خاندانوں کا ذکر نہیں جن کی پرورش اُنہوں نے اپ
لے رکھی تھی۔''

''اوہو.....تب تو شمشاد کے بارے میں بہت کچھ بتا سکو گی۔''

''شاہد عزیز اور شمشاد.....دونوں ہی سے ان کی گہری دوستی تھی۔''

''شمشاد کا خیال ہے کہ اُن کی موت قدرتی نہیں ہو سکتی۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''شمشاد کچھ نامعلوم آدمیوں سے خائف ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ اس کی حویلی
پائی جانے والی لاش اسے پھنسانے کے لئے کسی نے ڈلوائی تھی۔ کیا تم نے وہ لاش اچھی
دیکھی تھی۔''

''یقیناً.....!''

''وہ کون تھا.....؟''

''میں نہیں جانتی! اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔''

''کیا میرے ماموں کو علم تھا کہ شاہد عزیز میک اپ میں رہتا ہے۔''

''میں نہیں جانتی!''

''کیا تمہیں بھی علم نہیں تھا کہ وہ مصنوعی ڈاڑھی لگائے پھرتا ہے۔''

''کبھی قریب سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔''

''تم نے میک اپ کرنا کس سے سیکھا تھا.....؟''

''آپ کے ماموں سے.....وہ میک اپ کے ماہر تھے۔ کیا آپ کو علم نہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکی سے کیسا برتاؤ کرنا چاہئے۔ لیکن ضروری نہیں کہ
س کا بیان درست ہی ہو ممکن ہے کہ وہ اس طرح کی گفتگو کر کے خود کو شبہے سے بالاتر ثابت
کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ لنکن فٹ پاتھ سے آ لگی اور ساتھ ہی فریدی کی آواز سنائی
ی۔ ''تم دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔''

خاموشی سے تعمیل کی گئی۔ لنکن دوبارہ حرکت میں آئی اور کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا
کہ وہ گھر پہنچنے کی بجائے قومی شاہراہ پر آ نکلے ہیں۔

''اوہو.....تو کیا سعد آباد.....!'' حمید نے سوچا اور لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اب
سعد آباد میں تصدیق ہو سکے گی کہ تم کون ہو۔''

''میں یہی چاہتی تھی کہ آپ لوگ سعد آباد چلیں۔''

''لیکن سفر خطرات سے خالی نہ ہوگا جناب کرنل صاحب۔'' حمید نے اونچی آواز میں کہا۔

''کیوں.....؟'' فریدی کا مختصر سا سوال تھا۔

''یہ محترمہ ابھی مجھے بتا رہی تھیں کہ اگر مجھے دھوکہ سے شمشاد کی حویلی میں نہ لے جاتیں
میں سعد آباد سے تین میل ادھر ہی قتل کر دیا جاتا۔''

''تب تو انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ لوگ کون ہیں؟''

"جی نہیں..... میں نہیں جانتی۔" لڑکی نے کہا۔

"پھر تمہیں اس کا علم کیونکر ہوا۔"

"کسی نامعلوم آدمی نے مجھے اس خطرہ سے آگاہ کیا تھا۔"

"کس طرح آگاہ کیا تھا.....؟"

"بذریعہ خط..... جو انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا تھا۔"

"تمہیں ان معاملات سے کیا سروکار؟"

"میں ابھی کیپٹن حمید کو بتا چکی ہوں کہ ان کے ماموں میری کفالت کرتے تھے۔"

"تم نے میری آواز کہاں سنی تھی کہ اس کی اتنی کامیاب نقل اتار سکیں۔"

"میں اور چودھری صاحب اکثر شہر آتے تھے اور آپ دونوں سے قریب رہنے کی
کرتے تھے۔ ان مقامات پر ضرور جاتے تھے جہاں کیپٹن حمید سے ملنے کے امکانات ہو

"اب بتاؤ کہ شاہد عزیز کے فلیٹ میں تمہیں کس نے بھیجا تھا۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "دو لاشوں سے تمہارا تعلق کسی نہ کسی طرح ثا
تمہارے لئے بڑی دشواریاں پیدا کر چکا ہے۔"

لڑکی پھر بھی خاموش رہی۔

اس بار حمید بولا۔ "دیکھو..... وصیت نامے کی رو سے تمہاری حفاظت کرنا میر
میں شامل ہو چکا ہے۔ اس لئے تمہیں بھی تعاون کرنا چاہیے۔"

"میں سعد آباد پہنچ کر ہی اس مسئلے پر گفتگو کر سکوں گی۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "اگر تم سونا چاہو تو حمید اگلی سیٹ پر آ

"بہت بہت شکریہ جناب۔ میری تھکن بے ہوشی کی حد کو چھونے لگی ہے۔"

فریدی نے گاڑی روک دی تھی اور حمید اُتر کر اس کے برابر جا بیٹھا تھا۔

سفر جاری رہا۔ حمید اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن عافیت اسی میں
بھی اونگھنا شروع کر دے۔ پھر شائد دس منٹ بھی اس کیفیت میں نہ گزرے ہوں
فریدی نے اسے ٹہوکا دیا۔ "جاگتے رہو..... پیچھے دو گاڑیاں اور بھی ہیں۔"

حمید ہڑبڑا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"آپ نہ جانے کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لڑکی بحفاظت سعد آباد پہنچ جانا چاہتی تھی۔ لہٰذا اس کی خواہش پوری کر رہا ہوں۔"

حمید نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی۔ دو گاڑیوں کی ہیڈ لائیٹس صاف دکھائی دے رہی
تھیں لیکن اس کی دانست میں دونوں لوڈنگ ٹرک بھی ہو سکتے تھے۔ قومی شاہراہ کسی وقت بھی
بالکل سنسان تو نہیں رہتی تھی۔

ابھی وہ قومی شاہراہ ہی پر تھے سعد آباد جانے والی سڑک پر نہیں مڑے تھے۔

آدھے گھنٹے بعد سعد آباد والی سڑک ملی۔ تب حمید کو تعاقب کا یقین ہو سکا۔ ریوالور اس
نے پہلے ہی ہولسٹر سے نکال لیا تھا۔ اس سڑک پر چار یا پانچ میل طے کرنے کے بعد فریدی
نے لڑکی کو آواز دی لیکن جواب نہ ملا۔

"اسے جگاؤ۔" اس نے حمید سے کہا۔ "بلکہ بہتر ہوگا پچھلی سیٹ پر چلے جاؤ۔"

حمید نے پشت گاہ پر جھک کر اُس کا شانہ ہلایا اور وہ اچھل پڑی۔

"اُٹھ بیٹھو.....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "خطرہ ہے۔"

"کک..... کیا بات ہے؟" لڑکی ہکلائی۔

"تعاقب..... سنبھل کر بیٹھو؟"

"خدایا رحم.....!" لڑکی کی آواز کانپ رہی تھی۔

دفعتاً گاڑی کے پیچھے ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ایسا معلوم ہوا جیسے گاڑی بھی اچھل گئی
ہو۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ فریدی نے ڈرائیونگ میں اپنی مہارت کا ثبوت پیش کیا تھا۔ اسپیڈو
میٹر کی سوئی اسی اور نوے کے درمیان جھول رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے دونوں گاڑیاں بہت پیچھے رہ گئیں۔

"کیا میں سب مشین گن نکالوں؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں وہ بھاگ کھڑے ہوں گے..... آنے دو!"

"اگر کوئی دستی بم ہماری گاڑی ہی پر آ پڑا تو۔"

"بے فکر رہو..... وہ اتنے فاصلے پر نہ پھینک سکیں گے اور نہ رفتار ہی بڑھانے کی جرأت

کر سکیں گے..... کیونکہ دونوں گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس بہت کمزور معلوم ہوتی ہیں لیکن تم ذرا
ٹرانسمیٹر کی ہر فریکوئنسی چیک کرلو۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ بہت منظم ہیں۔''

''میرا ٹرانسمیٹر گھر ہی پر رہ گیا۔''

''اچھا تو پھر آگے آ کر ڈیش بورڈ والے کو دیکھو..... میں اسٹیئرنگ نہیں چھوڑنا چاہتا۔''

حمید نے پھر اگلی سیٹ پر چھلانگ لگائی اور ڈیش بورڈ کے ایک خانے میں ہاتھ ڈال
سوئچ آن کیا..... مختلف فریکوئنسیز کو آزما ہی رہا تھا کہ آواز آئی۔ ''وہ بہت تیز رفتاری
جا رہے ہیں۔ ہینڈ گرنیڈ ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اُوور.....!''

''پرواہ مت کرو۔'' دوسری آواز آئی۔ ''تمہارے پاس جتنے بھی ہیں پھینک دو
نشانے پر بیٹھیں یا نہ بیٹھیں..... اُوور.....!''

''بہت بہتر جناب..... اُوور.....!''

اس کے بعد دوسری آواز نہیں سنائی دی تھی۔

''سوئچ آف نہ کرنا۔'' فریدی نے کہا۔ ''اسی فریکوئنسی پر رہنے دو اور اب اگر تم چاہو تو
بات ادھوری ہی رہ گئی تھی۔ کیونکہ ایک دھماکہ پھر ہوا۔ لیکن یہ بم لنکن سے بہت دور گرا

''ہاں تو اب تم سب مشین گن استعمال کر سکتے ہو۔'' فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔
کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

حمید پھر پچھلی سیٹ پر جا پہنچا۔ بائیں جانب کے دروازے سے لگے ہوئے ایک بٹن
دباتے ہی کھٹا کے کے ساتھ ایک بڑا سا مستطیل خلا نمودار ہوا تھا۔

''ٹھہرو۔'' دفعتاً فریدی بولا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ پھر دھماکہ ہوا۔

''خیال رہے کہ صرف ہیڈ لائیٹس نشانہ بنیں۔'' اس نے جملہ پورا کیا۔

''اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔'' حمید نے سب مشین گن کی نال کھڑکی سے
نکالتے ہوئے کہا۔

''تو پھر رہنے دو۔''

''کمال کرتے ہیں آپ وہ ہم پر بم برسا رہے ہیں۔ اگر ایک آدھ ان میں سے م
گیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''میرے لئے فرق پڑتا ہے کیونکہ میں ابھی سن چکا ہوں وہ کسی اور کے احکامات پر عمل
کر رہے ہیں۔''

''تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔''

''کرائے کے آدمی روٹی کے لئے سر سے کفن باندھتے ہیں۔ مجھے ان سے ہمدردی ہے
ور اس وقت تک رہے گی جب تک ہماری سوسائٹی صحیح معنوں میں انسانی سوسائٹی نہیں
ہو جاتی۔ مشین گن رکھ دو..... اگر یہ گاڑیوں سے اُتر بھاگے تو اندھیرے میں ہم انہیں کہاں
ڈھونڈتے پھریں گے۔''

اچانک لڑکی نے قہقہہ لگایا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''کرنل صاحب ان شریف آدمیوں سے واقف نہیں ہیں اسی لئے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔''

''اگر تم میری معلومات میں اضافہ کر سکو تو ممنون ہوں گا۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے کہ یہی لوگ چودھری صاحب کی موت کا باعث بنے ہیں۔''

''خیال کی وجہ.....؟''

''بڑی عجیب بات ہے کہ آپ یعنی..... کرنل فریدی..... وجہ پوچھ رہے ہیں۔''

''میں غیب دان تو نہیں ہوں؟''

دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ ''ہیلو..... گاڈ آف ڈیزاٹ..... ہیلو..... ہیلو!''

''بولو..... کیا بات ہے۔'' دوسری آواز آئی۔

پہلی آواز۔ ''ابھی میں نے ٹرانسمیٹر پر اُن کی آوازیں سنی ہیں۔ اُن کے پاس مشین گن
ہے۔ ہمیں نشانہ بنا سکتے ہیں اُوور.....!''

پہلی آواز ''میں بھی اُن کی آوازیں سن رہا ہوں..... اور اب میں تم سے مخاطب ہوں
کرنل فریدی..... میں ریت کا دیوتا..... تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ واپس جاؤ..... میں تمہیں
بتاتا ہوں کہ چودھری شیر علی خان جو میرا پجاری تھا مجھ سے باغی ہو کر روپوش ہو گیا ہے۔ مرنے
کا ڈرامہ محض اس لئے اسٹیج کیا ہے کہ تم اپنے ماتحت کیپٹن حمید کی حمایت میں مجھ تک آ پہنچو۔
مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔ اب میں اپنے ان پجاریوں سے مخاطب ہوں جو تمہارا تعاقب کر رہے

ہیں۔ سنو میرے بچو..... تم وہیں سے واپس ہو جاؤ..... کرنل فریدی کو سعد آباد پہنچنے دو.. میں یہی چاہتا ہوں۔"

"بہت بہتر جناب۔" کسی نے جواب میں کہا اور پھر آوازیں آنی بند ہو گئیں۔

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔

"سنا تم نے۔" حمید نے لڑکی کا شانہ ہلا کر کہا۔

"میں سن رہی تھی لیکن.....!"

"لیکن کیا.....؟" حمید کے لہجے میں تلخی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی بولا۔ "اب تم دوبارہ سو سکتی ہو۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔"

"میں سب کچھ سمجھتا ہوں..... تم جانتی ہو کہ چودھری شیر علی زندہ ہیں۔"

"ہاں میں جانتی ہوں..... وہ اس آدمی کے خلاف کوئی واضح ثبوت فراہم نہیں ک
تھے اس لئے اس طرح انہوں نے آپ کو اس آدمی کی راہ پر ڈالا ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "اب تم سو جاؤ..... ہم پھر کبھی اس مسئلے
کریں گے۔"

"اب مجھے نیند نہیں آئے گی؟"

"اچھا تو یہی بتا دو۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔ "کیا وہ شخص سچ مچ میرا ماموں

"یہ بالکل درست ہے کیپٹن حمید..... چودھری صاحب کو میں اپنا باپ سمجھتی ہو
وہ اس شخص سے دو چار نہ ہوئے ہوتے تو مرنے کے بعد ہی آپ کو ان کا ترکہ پہنچتا اور
ان کے بارے میں معلوم ہوتا۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ وہ آپ کو کتنا چاہتے تھے۔ پچھلے
بات ہے آپ آرلکچو میں اپنے ایک بھاری بھرکم دوست کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے
دونوں بھی وہیں تھے۔ آپ ہنس رہے تھے، قہقہے لگا رہے تھے، آپ اپنے دوست کو چھی
تھے اور میں چودھری صاحب کی بے تابیاں دیکھ رہی تھی۔ آخر کار وہ رو پڑے تھے۔ ک
کتنی بڑی ٹریجڈی ہے۔ میں اپنے خون کو یہ نہیں بتا سکتا کہ میں کون ہوں..... میں ا
پیشانی نہیں چوم سکتا۔"

حمید کا دم گھٹنے لگا۔ اس کے بعد اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

کچھ دیر بعد لڑکی ہی نے پوچھا۔ "آپ کیا سوچنے لگے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ آدمی سے زیادہ بے بس جانور اس زمین پر شائد ہی کوئی دوسرا پایا جاتا ہو۔"

"اس میں تو شک نہیں۔" لڑکی بولی۔ "بعض اوقات وہ اپنی گردن کٹ جانے پر واویلا بھی نہیں کر سکتا۔"

"میں تم دونوں سے متفق نہیں ہوں۔ آدمی میں صرف اخلاقی جرأت ہونی چاہئے۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت اُسے زیر نہیں کر سکتی۔"

"شریف آدمیوں میں اخلاقی جرأت نہیں ہوتی۔"

"وہ شریف نہیں بلکہ غلط تربیت کا شاہکار ہوتے ہیں۔ بزدل ہوتے ہیں۔ سچی بات بھی کسی کے منہ پر نہیں کہہ سکتے اور اپنی اس کمزوری پر فراخ دلی کا غلاف چڑھائے رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دل آزاری اُن کا شیوہ نہیں۔ شائد تم بھی ایسے ہی گدھوں کے ریوڑ سے تعلق رکھتے ہو۔"

"بالکل درست ہے۔" حمید چہک کر بولا۔ "اب میں ان محترمہ کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر انہوں نے مجھے سعد آباد سے تین میل کے فاصلے پر مرجانے دیا ہوتا تو میری رات اس طرح تباہ نہ ہوتی۔"

لڑکی ہنس پڑی۔

چاروں طرف ہُو کا عالم تھا۔ لنکن سڑک پر بے آواز تیرتی چلی جا رہی تھی۔ اُن گاڑیوں کا اب کہیں پتہ نہیں تھا جو کچھ دیر پہلے ان کا تعاقب کرتی رہی تھی۔

"سعد آباد اب تقریباً کتنی دور ہوگا۔" حمید نے لڑکی سے پوچھا۔

"تیس چالیس میل۔ اب تو صبح ہونے والی ہے۔"

"ہو بھی چکے کسی صورت سے تاکہ میں تمہاری شکل دوبارہ دیکھ سکوں؟"

"ہاں ایک بات۔" اگلی سیٹ سے فریدی کی آواز آئی۔ "تمہیں اس فلم کی تلاش کا کیا طریقہ بتایا گیا تھا.....؟"

''کچھ بھی نہیں۔ بس یہی کہ اسے شاہد عزیز کے فلیٹ میں تلاش کرنا ہے؟''

''کیا تمہیں پوری طرح یقین ہے کہ شاہد عزیز چودھری صاحب کے ہمدردوں میں تھا۔''

''مجھے پوری طرح یقین ہے جناب۔ وہ محض اسی لئے مار ڈالے گئے کہ ان کے پا بھی ان لوگوں کے خلاف کچھ ثبوت تھے۔''

''اور یہ بھی درست ہے کہ شمشاد کی حویلی میں پائی جانے والی لاش بھی تمہارے کسی اجنبی ہی کی تھی۔''

''جی ہاں یقین کیجئے۔ میں اب آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔''

''شمشاد کی پوزیشن واضح کرنے کی کوشش کرو۔''

''جو کچھ میں آپ کو پہلے بتا چکی ہوں اس میں صرف اتنا اضافہ کروں گی کہ چودھ صاحب نے اس معاملے میں شاہد عزیز کے علاوہ اور کسی کو راز دار نہیں بنایا تھا۔ شمشاد سے دوستی تھی۔''

''لیکن کچھ لوگ شمشاد کے بھی پیچھے پڑ گئے ہیں کیونکہ اسے بھی چودھری صاحب موت پر یقین نہیں ہے۔''

''میں اس سلسلے میں بالکل لاعلم ہوں۔''

''پھر تم حمید کو اس کی حویلی میں کیوں لے گئی تھیں اور غیر قانونی طور پر اس کا قفل کیو کھولا تھا۔''

''میں نے چودھری صاحب کی ہدایات پر عمل کیا تھا۔ یقین کیجئے میں نہیں جانتی کہ کہاں ہیں ورنہ ان سے بہتیری باتیں معلوم کرنے کی کوشش کرتی۔ صرف ان کے احکامات عمل کررہی ہوں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ شائد چودھری صاحب کو علم نہیں تھا کہ شمشاد ا جلدی حویلی میں جا پہنچے گا۔ کیونکہ وہ تو بہت دنوں سے خالی پڑی تھی۔ ارادہ تھا کہ شام تک کیپٹن حمید کو وہیں روک کر کسی طرف واپس کردیا جاتا۔ لیکن وہاں ایک لاش دیکھ کر میں بُری طرح نروس ہوگئی اور مجھے بھاگنا پڑا۔''

''پھر لاش جلا کر مسخ کردی گئی تھی..... یہ اس وقت ہوا جب شمشاد اور حمید تمہاری تلاش

میں نکلے تھے۔ کسی نے شمشاد کے ملازم کے سر پر ضرب لگا کر اسے بے ہوش کردیا اور عمارت کے اس حصے میں آگ لگا دی جس میں لاش پڑی ہوئی تھی۔''

''مجھے بعد کے حالات کا علم نہیں۔ وہاں سے بھاگ کر میں سیدھی شہر آئی تھی اور ے پول ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ چودھری صاحب نے فون پر مجھے شاہد عزیز کے قتل کی اطلاع دی اور کہا کہ میں اس کے فلیٹ میں فلم تلاش کرنے کی کوشش کروں۔''

یہاں حمید بھی فریدی سے سوال کرنا چاہتا تھا کہ آخر اچانک اس نے وہ فلم کیسے برآمد کرلی تھی لیکن پھر نامناسب سمجھ کر خاموش ہی رہا۔

پو پھٹنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد انہیں مسجدوں کے منارے نظر آئے۔ عمارتیں کہر میں لپٹی ہوئی تھیں۔

''وہ سعد آباد میں داخل ہوئے اور لڑکی نے چودھری شیر علی کی حویلی تک اُنکی رہنمائی کی۔''

گاڑی بڑے سے پھاٹک پر رکی۔ پائیں باغ کی چہار دیواری بیس فٹ سے کم بلند نہ رہی ہوگی۔ پھاٹک بند تھا۔ پھاٹک کھلوانے کیلئے وہ گاڑی سے اُتر ہی رہے تھے کہ اندر سے پے درپے فائروں کی آوازیں اور ایک طویل چیخ سنائی دی۔ فریدی پھاٹک کی طرف جھپٹا۔

دشوار گزار راستے

حمید نے لڑکی کی طرف مڑ کر دیکھا وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

فائروں اور چیخ کے بعد اندر سناٹا چھا گیا تھا۔

''اوہ.....!'' لڑکی بڑبڑائی۔ ''یہ خطرناک ہوگا۔''

وہ پھاٹک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حمید نے بھی مڑ کر دیکھا۔ فریدی پھاٹک کی پٹیوں پر پیر جماتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دیوار پر پہنچ گیا۔ پھر انہوں نے اسے دوسری طرف اترتے دیکھا۔

اس کے بعد پھاٹک کھلنے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔

پھاٹک کھول کر فریدی گاڑی میں آ بیٹھا اور انہیں بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور تیز رفتاری سے پھاٹک میں داخل ہو کر طویل برآمدے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

"یہاں کون کون رہتا ہے۔" حمید نے لڑکی سے پوچھا۔

"صرف دلاور..... چودھری صاحب کو اس کے علاوہ کسی پر بھی اعتماد نہیں۔ لیکن حقیقت ہے کہ وہ بھی اس راز میں شریک نہیں۔ وہ بھی یہی سمجھتا ہے کہ چودھری صاحب خدانخواستہ انتقال کر چکے ہیں۔"

وہ گاڑی سے اُترے۔ عمارت کا صدر دروازہ کھلا ہوا ملا تھا۔

"تم دونوں یہیں اسی جگہ ٹھہرو۔" فریدی نے صدر دروازے کے قریب رکتے ہوئے کہا۔ "میری واپسی سے پہلے اندر نہ جانا خواہ کچھ ہو۔ ریوالور ہاتھ میں رکھو۔"

پھر وہ برآمدے سے اُتر کر پائیں باغ کی قد آدم باڑھوں کے درمیان گم ہو گیا تھا۔

"کیا خیال ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "کیا انہوں نے دلاور کو مار ڈالا۔"

"خدا جانے..... اب تو میرے اعصاب جواب دے رہے ہیں..... وہ بیچارہ بوڑھا آدمی..... آلہ سماعت کے بغیر کسی قسم کی بھی آواز نہیں سن سکتا۔"

"مجھ پر بھی تو ترس کھاؤ..... کل سے دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔"

"کوئی فلرٹ لڑکی ساتھ ہوتی تو آپ خاصے مگن نظر آتے کپتان صاحب۔"

"ہائے..... تم یہ بھی جانتی ہو۔"

"میں تو شاید یہ بھی جانتی ہوں کہ بھوک کے مارے آپکا معدہ بالکل خشک ہو چکا ہوگا۔"

"بُرا کیا یاد دلا کر.....!" حمید نے کھلے ہوئے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

پھر اس کی طرف مڑ کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "اگر دلاور سچ مچ مار ڈالا گیا ہو تو سیدھی باورچی خانے میں چلی جانا۔"

"کتنے بے درد ہیں آپ لوگ۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"بے دردی ہمارے نصاب تعلیم میں شامل ہوتی ہے۔ کسی لاش پر آنسو بہانے کے

لئے ہمیں بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔"

"آج تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ کرنل جیسے نرم دل اور سنجیدہ لوگوں کی آپ جیسوں سے کس طرح نبھ جاتی ہے۔"

"کرنل کی تو بات ہی نہ کرو۔"

"کیوں نہ کروں..... کیا میں نے اُن کی گفتگو نہیں سنی تھی۔ جب آپ مشین گن سے اندھادھند فائرنگ کرنے کی اجازت مانگ رہے تھے۔"

"تم انہیں سمجھ سکی ہوتیں تو کوئی رائے قائم کرنے میں بہت محتاط ہوتیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ارے میری بات کرو نا۔ کرنل فریدی کو کیوں لے دوڑیں۔"

"ایسا شائستہ اور مہذب آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا.....!"

"اور میں لفنگا ہوں..... کیوں؟"

"چودھری صاحب کبھی کبھی پیار سے آپ کو لفنگا ہی کہا کرتے تھے کپتان صاحب۔ وہ آپ کے ابتدائی حالات سے بھی پوری طرح باخبر رہے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ آپ بھی جاگیردار طبقے سے انہی کی طرح متنفر ہیں۔ جاگیردارانہ رکھ رکھاؤ اور مصلحت آمیز اخلاق سے انہیں شدید نفرت ہے۔ میرے چودھری بابا بہت عظیم ہیں، کپتان صاحب۔"

"مجھے اس پر کیوں مجبور کر رہی ہو کہ میں تمہاری عزت کرنے لگوں۔"

"وہ تو کرنی ہی پڑے گی کپتان صاحب۔ میری تربیت چودھری بابا کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ میں ان کے اور آپ کے لئے جان تک دے سکتی ہوں۔ ہر اس شخص کے لئے سب کچھ قربان کر سکتی ہوں، جسے چودھری بابا عزیز رکھتے ہوں۔"

"اے معلمۂ اخلاقیات۔ اب بس کرو، ورنہ میں بور ہو کر مر جاؤں گا۔ سنجیدگی سے مجھے نفرت ہے۔"

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ فریدی واپس آ گیا۔

"دلاور کی کیا عمر ہے؟" اس نے لڑکی سے پوچھا۔

"کم از کم پینسٹھ سال..... ہو سکتا ہے ستر کے قریب ہو۔"

"تب وہ دلاور نہیں ہوسکتا..... جوان آدمی ہے۔ گولی ران میں لگی ہے اور وہ بے
پڑا ہے۔ شائد تم اسے پہچان سکو۔"

پھر اس نے حمید کو وہیں ٹھہرنے کا مشورہ دیا اور لڑکی کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

دو یا تین منٹ بعد وہ واپس آ گئے۔ لڑکی کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا
اب وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔

"کیا شناخت ہو سکی۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "اب تم آؤ.....اسے اٹھا کر اندر لے چلیں گے۔"

"ایسا رشتہ دار ثابت ہوا ہے۔" حمید نے لڑکی کی طرف دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہا
کچھ نہ بولی۔

زخمی کی عمر بیس سال رہی ہوگی۔ خوش شکل نوجوان تھا۔ لباس سے خوش سلیقہ بھی
ہوتا تھا۔ انہوں نے اسے اٹھایا اور برآمدے تک لائے۔ پھر اس کے کمرے تک لڑکی
رہنمائی کی تھی جہاں اسے لٹانا تھا۔

گولی ران کا گوشت پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔ زخم سے خون رس رہا
لڑکی فرسٹ ایڈ بکس لینے چلی گئی تھی۔

"لڑکی کا کہنا ہے کہ یہ بھی انہیں خاندانوں میں سے ایک کا فرد ہے جن کی کفا
چودھری صاحب نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔" فریدی بے ہوش زخمی پر نظریں جمائے ہوئے

"ہوں.....لیکن مجھے آپ کے اطمینان پر حیرت ہے۔ نہ آپ کو فائر کرنے والے
ہے اور نہ دلاور کی۔"

"فائر کرنے والا نکل گیا ہوگا.....اور مجھے یقین ہے کہ دلاور سو رہا ہوگا۔ لڑکی
ہے کہ چودھری صاحب نے دلاور کو اپنے راز میں شریک نہیں کیا تھا۔"

"اور شاید یہ لڑکا شریک راز ہو.....!" حمید نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"وہ اس پر روشنی نہیں ڈال سکی۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ لڑکی فرسٹ ایڈ بکس سمیت واپس آ گئی۔

"دلاور سو رہا ہے.....میں نے ابھی اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" اس نے کہا۔

"تم نے اچھا کیا۔" فریدی بولا۔ اس کے بعد وہ زخمی کی مرہم پٹی میں لگ گیا تھا۔

حمید نے اس کمرے کی دیوار پر بھی اپنی ایک تصویر دیکھی۔ لڑکی جو اسی کی طرف دیکھ
رہی تھی جلدی سے بول پڑی۔ "دیوان خانے میں ایک قد آدم تصویر بھی ہے۔"

"آؤ..... میں پوری عمارت دیکھنا چاہتا ہوں۔ کرنل صاحب زخمی کو سنبھال لیں گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ سر جھکائے اسکا زخم صاف کرتا رہا اور یہ دونوں کمرے سے نکل آئے۔

"بہت بڑی عمارت تھی۔ دونوں منزلوں پر ستائیس کمرے تھے اور ان ستائیس کمروں
میں شائد ہی کوئی کمرہ ایسا ہو جس میں حمید کے ایک دو پوز موجود نہ ہوں۔"

حمید تہہ خانوں کی موجودگی کے امکانات کا بھی جائزہ لیتا جارہا تھا۔ لیکن اس لڑکی سے
اس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ البتہ اس نے ریت کے دیوتا کی بات چھیڑ دی۔

"میں بالکل نہیں جانتی کہ وہ کیا بلا ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "راستے میں ٹرانسمیٹر پر اس کی
آواز اور گفتگو سن کر دم بخود رہ گئی تھی۔ چودھری بابا نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ ان کے دشمن کس قسم
کے لوگ ہیں اور دشمنی کی وجہ کیا ہے۔"

"اب اس زخمی لڑکے کے بارے میں بتاؤ کرنل صاحب کہہ رہے تھے کہ تم اسے جانتی ہو۔"

"اس کی بیوہ ماں اور دو بہنوں کی کفالت بھی چودھری صاحب ہی کرتے تھے۔ لیکن
انہوں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ یہ لڑکا بھی۔"

وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر بولی۔ "نہیں یہ کسی طرح بھی ممکن
نہیں۔ انہوں نے میرے اور شاہد عزیز کے علاوہ اور کسی پر کبھی اتنا اعتماد نہیں کیا تھا۔"

"ہوں..... اچھا اب دلاور صاحب کے درشن بھی کرا دو..... لیکن ٹھہرو..... یہ بتاؤ کہ
جب میرے ماموں صاحب نے انتقال ہی نہیں فرمایا تو پھر لاش کس کی دفن کی گئی تھی اور
دلاور سے یہ بات کیونکر چھپائی گئی تھی۔"

"دلاور کو ان دنوں چھٹی دے دی گئی تھی اور وہ اپنے گاؤں چلا گیا تھا۔ واپسی پر کیسی
کیسی بچھاڑیں کھائی ہیں اس نے، ہم تو سمجھتے تھے شائد وہ روتے روتے مرجائے گا۔"

"دلاور سے کیا کہا گیا تھا.....؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔"

"قبر معلوم ہے؟"

"کیوں نہیں؟"

دلاور بیدار ہو چکا تھا۔ لڑکی نے اسے حمید سے ملایا۔ پہلے تو چندھیائی ہوئی آنکھوں
حمید کو دیکھتا رہا پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے پیروں سے چمٹ گیا اور اس طرح دہا
مار مار کر رویا کہ فریدی کو بھی اسی جگہ پہنچ جانا پڑا۔

بڑی مشکل سے اس کا رونا تھما تھا۔ فائروں سے متعلق پوچھا گیا۔ تو اس نے بتایا کہ
سماعت کے بغیر بجلی کا کڑاکا بھی نہیں سن سکتا۔

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ اللہ پاک نے اسے بہرہ کردیا ہے۔" حمید ٹھنڈی سا
لے کر بولا۔ "ورنہ یہ فائروں کے سلسلے میں اتنا بور کرتا کہ پھر ناشتہ کرنے کی ہمت بھی مجھ
باقی نہیں رہتی۔"

"حد کردی آپ نے بھی۔" لڑکی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔ "جا رہی ہوں باور
خانے میں۔ آدھے گھنٹہ میں ناشتہ آپ کو مل جائے گا۔"

وہ دلاور کو اپنے ساتھ ہی لے گئی تھی۔ فریدی کے چہرے پر گہری تشویش کے آ
تھے۔ کچھ دیر بعد وہ دوسری طرف مڑ گیا۔

حمید اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ پھر اسی کمرے میں آئے جہاں زخمی لیٹا تھا۔

لیکن یہاں تو اب کوئی بھی نہیں تھا۔ بستر خالی نظر آیا۔ فریدی کمرے سے نکل کر
دروازے کی طرف جھپٹا۔

پھر حمید باہر نکلا تو فریدی اسے کہیں دکھائی نہ دیا۔ لہٰذا وہ برآمدے ہی میں رک کر پا
باغ میں نظر دوڑاتا رہا۔ [illegible] اسے اس کا خیال تھا کہ زخمی بے ہوش ہی رہا ہوگا ورنہ فریدی ا
چھوڑ کر اُن تک نہ پہنچتا۔

اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے صدر دروازے سے کوئی اسکی نگرانی کر رہا ہو۔ وہ ت
سے مڑا۔ لیکن دوسرا اس سے بھی زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ بس حمید اسکی ہلکی سی جھلک دیکھ سکا
وہ دوڑتا ہوا صدر دروازے سے گزرتا چلا گیا۔ راہداری کے سرے پر پھر وہ صرف
لباس کی جھلک دیکھ سکا تھا۔

وہ بھی اسی طرف مڑا جدھر اس نامعلوم آدمی کی جھلک دکھائی دی تھی۔
آدمی تھا یا چھلاوہ..... راہداری کے اس بازو میں بھی صرف اس کے لباس کی جھلک
ئی دی۔ وہ ایک کمرے میں داخل ہوا تھا۔

لیکن جب حمید کمرے میں داخل ہوا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"سنو دوست۔" اس نے بہ آواز بلند کہا۔ "تم خواہ فضا میں تحلیل ہو جاؤ میں تمہیں
ت بخشنے پر تیار نہیں۔"

"کمرے سے نکاسی کا کوئی اور دروازہ بھی نہیں تھا جس کی بناء پر سوچا جاسکتا کہ وہ اُدھر
کسی دوسری طرف جا نکلا ہوگا۔"

وہ چاروں طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ راہداری سے فریدی کی آواز آئی۔ "حمید..... تم
اں ہو؟"

حمید جھپٹ کر دروازے پر پہنچا تھا اور فریدی کو اُس طرف آنے کا اشارہ کیا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے قریب پہنچ کر اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

پھر حمید کی زبانی صورت حال کا علم ہوتے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

دس پندرہ منٹ کی تلاش و جستجو کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عمارت میں تہہ خانے
ی موجود ہیں۔

"دروازہ بند کر کے بولٹ کردو۔" اس نے حمید سے کہا۔

حمید دروازہ بند کر کے پھر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"آپ کس نتیجے پر پہنچے؟" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"احمقوں کی سی باتیں نہ کرو۔ اگر یہاں تہہ خانے نہیں ہیں تو پھر وہ کوئی بھوت تھا۔"

"لیکن میری دانست میں داخلے کا راستہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ پلک جھپکتے غائب ہو سکے۔"

"ایسا ہی ہے حمید صاحب! تم یہ نہ سمجھو کہ تہہ خانے میں داخل ہونے کیلئے تمہیں فرش پر
ا ہوا قالین اٹھانا پڑے گا۔ یہ ملبوساتی الماری دیکھ رہے ہو۔ اسکے بائیں جانب ڈھائی فٹ
وڑا فریم جسمیں تمہارے مختلف پوز نیچے سے اوپر تک جڑے ہوئے ہیں بالکل غیر ضروری معلوم
ہوتا ہے۔ یہ ساری تصویریں کمرے میں مختلف جگہوں پر لگائی جاسکتی تھیں۔ خیر..... دیکھو۔

فریدی نے الماری کے قریب پہنچ کر اس فریم کے اوپری حصے پر لگے ہوئے
آہنی گرپ کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ فریم سرک کر الماری کے پاٹ کے نیچے غائب ہو گیا
اس کی جگہ ڈھائی فٹ چوڑا اور چھ فٹ اونچا خلاء نظر آ رہا تھا۔

''تشریف لے چلئے۔ یہی ہے تہہ خانے کا راستہ۔'' اس نے پیچھے ہٹ کر حمید
اس خلاء سے گزرتے ہی فریم پھر اپنی جگہ واپس آ گیا تھا۔ فریدی نے مڑ کر
آہستہ سے بولا۔ ''اس طرح وہ چشم زدن میں تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ہو گا
نکال لو۔''

گیارہ زینے طے کر کے وہ نیچے پہنچے۔ یہاں کئی بلب روشن تھے اور کہیں سے
ہلکی سی آواز آ رہی تھی۔ تہہ خانے کے اس حصہ میں کچھ ایسا سامان نظر آیا جیسا سائنس
گاہوں میں عام طور پر دکھائی دیتا ہے۔

حمید کا ریوالور ہاتھ میں تھا اور وہ فریدی کے پیچھے اس طرح چل رہا تھا جیسے اس
خصوصی ہو۔ عقابی نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔

''اوہو.....!'' دفعتاً فریدی بولا۔ ''یہاں تو آٹھ ملی میٹر کا پروجیکٹر بھی موجود ہے

حمید بائیں جانب والے دروازے کو دیکھنے لگا تھا جس میں اس نے ہلکی سی جنبش
کی تھی۔ اس نے فریدی کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرائی۔

''فکر نہ کرو۔ یہاں پہنچے ہیں تو سب کچھ دیکھیں گے۔'' فریدی بولا۔

لیکن حمید نے جھپٹ کر دروازے پر ٹکر ماری۔ دروازہ کھل گیا اور ساتھ ہی کوئی
دوسری طرف فرش پر جا پڑا۔

یہ وہی زخمی تھا جو کچھ دیر پہلے اوپر والے ایک کمرے سے غائب ہو گیا تھا۔

اس نے کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن حمید کے ہاتھ میں ریوالور
جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

''اُٹھو.....!'' حمید ریوالور کو جنبش دے کر بولا۔

اتنی دیر میں فریدی بھی وہیں پہنچ چکا تھا۔

زخمی اُٹھا تو لیکن شاید اس کا زخم کھڑے رہنے میں مزاحم ہو رہا تھا لہٰذا پھر گر پڑا۔

''تم یہاں کس طرح پہنچے۔'' فریدی نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

''م.....میں نہیں جانتا... کسی نے پائیں باغ میں مجھ پر فائر کیا تھا.... پھر کچھ یاد نہیں۔''

''تم مجھے بے ہوش ملے تھے۔ اُٹھا کر اندر لایا تھا۔ تمہارے زخم کی ڈریسنگ کی تھی اور
تم وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے تو یہیں ہوش آیا ہے۔''

''تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ فریدی نے حمید سے کہا۔ ''اُسے فرش سے اٹھا کر کرسی پر بٹھا دو۔''

کرسی پر بیٹھ کر اس نے پشت گاہ پر گردن ڈال دی۔ آنکھیں بند تھیں اور وہ رک رک
کر سانس لے رہا تھا۔

''میں نے تم سے تمہارا نام پوچھا تھا۔'' فریدی نے اسے پھر مخاطب کیا اور اس نے
آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحے پلکیں جھپکاتا رہا پھر بولا۔ ''پپ پہلے..... آپ بتائیے کہ آپ
لوگ کون ہیں۔''

''انہیں تو تم پہچانتے ہی ہو گے۔ اگر پہلے بھی حویلی مین آتے رہے ہو۔'' اس نے حمید
کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''جج.....جی ہاں..... یہ چودھری بابا کے بھانجے ہیں۔''

''بس پھر مطمئن رہو۔ اگر تم چودھری صاحب کے ہمدردوں میں سے ہو تو تمہیں زیادہ
تشویش نہیں ہونی چاہئے۔''

''م.....مجھے عاقل خان نے بھیجا تھا۔'' زخمی بولا۔

''شمشاد کا ملازم..... عاقل خان۔'' حمید نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''جج.....جی ہاں۔''

''کیوں بھیجا تھا.....؟''

''شمشاد صاحب کو چودھری بابا کی موت پر گہری تشویش ہے۔ انہوں نے اُن کے کچھ
دشمنوں کا پتہ لگایا ہے۔ جنہیں حویلی میں کسی چیز کی تلاش ہے۔ یہاں ہم سبھی چودھری بابا کے
جانثاروں میں سے ہیں لہٰذا میں اُن کے لئے جان دینے پر تیار ہو گیا۔''

''تمہیں یہاں کرنا کیا تھا.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''بس یہی دیکھنا تھا کہ وہ لوگ کون ہیں جو چوری چھپے حویلی میں داخل ہوکر کرتے ہیں۔''

''تم پر فائر کس نے کیا تھا.....؟''

''میں نہیں دیکھ سکا تھا..... کک..... کئی فائر کئے تھے۔ ایک گولی ران میں لگی کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا.....اور جب ہوش آیا تو میں یہاں فرش پر پڑا تھا۔''

''شاہدہ کو جانتے ہو.....؟''

''کک..... کون شاہدہ..... اوہ..... اچھا..... شائد آپ کی مراد شاداں سے ہے۔''

حمید نے شاہدہ کا حلیہ بیان کرنے کی کوشش کی اور وہ سرہلا کر بولا۔ ''جی ہاں شاداں ہی تو ہے۔''

''اُس کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''وہ چودھری بابا کو باپ سمجھتی ہے۔ ہم سب پر اُن کے بڑے احسانات تھے۔''

''کیا تم اُن کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''اندازاً کتنے لوگ رہے ہوں گے جنازے میں۔''

''بے شمار لوگ تھے۔''

''شمشاد اور شاہد عزیز کہاں تھے۔''

''وکیل صاحب تو تھے لیکن شمشاد صاحب دو دن بعد پہنچے تھے۔ اُنکے انتقال کر۔ اوہ.... میرے خدا.... اب مجھ سے بیٹھا بھی نہیں جارہا۔ پوری ٹانگ مفلوج ہوتی جارہی''

''انہیں اُٹھا کر صوفے پر لٹا دو.....!'' فریدی نے حمید سے کہا۔

لیکن لیٹتے ہی ایک بار پھر اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔

اسے وہیں چھوڑ کر وہ پورے تہہ خانے میں مختلف زاویوں سے چھان بین پھرے تھے۔ یہ تہہ خانے بھی اتنے ہی وسیع تھے جتنی بڑی اوپر کی عمارت تھی۔ پندرہ بڑے بڑے کمرے حمید نے شمار کئے۔

''آخر..... وہ کہاں گیا جس نے ان تہہ خانوں تک ہماری رہنمائی کی تھی۔'' حمید کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔

''فکر نہ کرو..... آؤ اسی کمرے میں چلیں جہاں پروجیکٹر دیکھا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''خوب یاد آیا۔'' حمید چونک کر بولا۔ ''آپ نے شاہد عزیز کے فلیٹ سے اچانک وہ فلم کیسے برآمد کرلی تھی۔''

''یہی بتانا چاہتا تھا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ جب تم گھر آئے تھے تو میں تجربہ گاہ میں تھا اور اس وقت تجربہ گاہ میں اندھیرا تھا۔''

''جی ہاں..... مجھے یاد ہے۔ لیکن میں وجہ نہیں دریافت کرسکا تھا۔''

''شاہد عزیز کے بستر کے نیچے سے مجھے آٹھ ملی میٹر فلم کا ایک فریم ملا تھا۔ میں نے اسے پروجیکٹر پر دیکھا تو اس میں صرف اُسی بک شیلف کی تصویر نظر آئی جسے توڑ کر میں نے فلم برآمد کی تھی۔''

''اوہو..... تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود اسے بھی اپنے قتل کردیئے جانے کا خدشہ لاحق ہوگا۔ اسی لئے اس نے وہ فریم بستر کے نیچے رکھا ہوگا تاکہ اس کی عدم موجودگی میں بھی کوئی اس فلم کو حاصل کرسکے۔ مگر کون؟''

''یہی تو دیکھنا ہے..... آؤ۔''

وہ دونوں پھر اُسی کمرے میں آئے جہاں اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔ فریدی نے وہ فلم پروجیکٹر پر چڑھائی جو شاہد عزیز کے بک شیلف سے برآمد ہوئی تھی۔

حمید نے سوئچ آف کرکے وہاں کے بلب بجھائے اور پروجیکٹر کی روشنی چھوٹے سے اسکرین پر پڑنے لگی۔ پروجیکٹر کے متحرک ہوتے ہی اسکرین پر ایک دشوار گزار راستے کے پیچ وخم نظر آنے لگے۔ چاروں طرف اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ پانچ منٹ کی اس فلم میں ویرانوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اختتام ایک بہت بڑے بت پر ہوا جسے ایک چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا۔

''یہ کیا بلا ہے؟'' حمید بڑبڑایا۔

''پتھر کا دیوتا۔'' فریدی نے طویل سانس لی۔

"لل.....لیکن.....وہ ریت کا دیوتا۔"

"احمقانہ سوالات نہ کرو..... دیکھنا یہ ہے کہ یہ فلم بندی کس علاقے میں کی گئی تھی!"

"کیا آپ میرے ماموں کی قبر نہیں کھدوائیں گے۔"

جواب میں فریدی نے اونچی آواز میں کہا "تمہارے ماموں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اب وہ سامنے آجائیں۔ یہ دیکھنا میری ذمہ داری ہے کہ کسی کے خلاف لگائے جانے والے الزامات میں کس حد تک صداقت ہے اور میں انکی حفاظت کی ذمہ داری بھی قبول کرتا ہوں۔"

"کیا یہ آپ شیر علی کو سنا رہے ہیں۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں..... میں چودھری صاحب ہی تک اپنی آواز پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اس تہہ خانے تک رہنمائی کرنے والے وہی ہیں۔ زخمی لڑکے کو چودھری صاحب ہی نے بحالت بیہوشی تہہ خانے میں منتقل کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں سے میری آواز بخوبی سن رہے ہوں گے۔ تہہ خانے کی بناوٹ ہی بتاتی ہے؟"

"تو پھر آجایئے نا ماموں جان..... میں آپ کو دیکھنے کے لئے بُری طرح تڑپ رہا ہوں۔" حمید نے بھی ہانک لگائی۔

دفعتاً بائیں گوشے سے شاہدہ کی آواز سنائی دی۔ "آپ لوگ کہاں سے بول رہے ہیں! براہِ کرم ڈائننگ روم میں تشریف لایئے۔ ناشتہ تیار ہے۔"

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور پھر اس نے ہونٹ سکوڑ کر شانوں کو جنبش دی تھی۔

"کیا قصہ ہے؟"

"قصہ یہ ہے حمید صاحب کہ آپ کے ماموں خواہ مخواہ پُراسرار بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لڑکا انہی کی گولی سے زخمی ہوا ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ لڑکا حویلی میں کیوں آیا ہوا تھا۔ سوانہوں نے معلوم کرلیا اور مجھے یقین ہے کہ اب وہ وہاں نہ ہوگا جہاں ہم اسے چھوڑ آئے تھے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"ضرور دیکھو۔"

حمید اس کمرے میں آیا جہاں لڑکے کو چھوڑا تھا۔ لیکن وہ اب بھی وہیں موجود تھا اور اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ البتہ اس کے سرہانے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ رکھا ہوا نظر آیا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔

بہت جلدی میں کسی نے لکھا تھا۔

"لڑکا یہیں رہے گا۔ ورنہ وہ اسے موت کے گھاٹ اُتار دیں گے۔ اسے محض اس لئے حویلی میں بھیجا گیا تھا کہ خود اندازہ کرسکیں کہ وہ بھی اس طرح حویلی میں داخل ہوسکیں گے یا نہیں۔ اس لڑکے کو قانون کا تحفظ حاصل ہونا چاہئے اور اس شخص پر نظر رکھی جانی چاہئے جس نے اسے حویلی میں بھیجا تھا۔"

حمید نے طویل سانس لی اور بے ہوش لڑکے کی طرف دیکھنے لگا۔

تعاقب

کچھ دیر بعد وہ ڈائننگ ہال میں ناشتہ کررہے تھے۔ لڑکی بھی موجود تھی۔

"آپ لوگ کہاں گفتگو کررہے تھے۔ دلاور نے پوری عمارت چھان ماری تھی۔" لڑکی نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔

"کیا یہاں کی جانے والی گفتگو ہر کمرے میں سنی جاسکتی ہے۔" حمید نے سوال کیا۔

"جی ہاں.....لیکن آپ لوگ کہاں تھے؟"

"تہہ خانے میں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کیا مطلب.....!" لڑکی چونک پڑی۔

"تہہ خانے میں۔" فریدی نے سر اُٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"م..... میں نہیں جانتی کہ یہاں تہہ خانے بھی ہیں۔"

''اگر تم نہیں جانتیں تو پھر ایک کمرے کی آواز دوسرے کمرے تک کیسے پہنچتی ہے''

''الیکٹری سٹی پیدا کرنے والا جنریٹر یہاں موجود ہے۔ ڈیزل سے چلایا جاتا ہے''

''جنریٹر کہاں ہے؟''

''پائیں باغ میں۔''

''اوہ.....اچھا.....!'' فریدی نے کہا اور کپ میں کافی انڈیلنے لگا۔

''تم اس طرح چونکی تھیں جیسے تمہیں یہاں تہہ خانوں کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو'' حمید
نے لڑکی سے کہا۔

''یقین کیجئے۔ مجھے علم نہیں تھا۔'' لڑکی نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا جو سر جھکائے کافی
پی رہا تھا۔

''تمہارا نام شاہدہ ہے یا شاداں۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں دونوں ناموں سے پکاری جاتی ہوں۔''

''تمہارے پاس آٹھ ملی میٹر کا اسپائی کیمرہ ضرور ہوگا۔ اگر تمہیں سراغ رسانی کا شوق
ہے۔'' دفعتاً فریدی نے شاہدہ سے سوال کیا۔

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔'' شاہدہ پھر چونک پڑی۔

''میرا خیال ہے.....! چودھری صاحب کے پاس آٹھ ملی میٹر کا مووی کیمرہ تھا۔''

''جی ہاں.....اُن کے پاس تو ہے۔ لیکن آپ میری بات کر رہے تھے؟''

''تمہارے پاس آٹھ ملی میٹر کا اسٹل کیمرہ ہے۔''

''اوہو! تو کیا چودھری بابا سے ملاقات ہوگئی آپ کی۔'' وہ پُرمسرت لہجے میں بولی۔

لیکن فریدی جواب دینے کی بجائے اسے جواب طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔

''جی ہاں.....میرے پاس آٹھ ایم ایم کا مناکس کیمرہ ہے۔''

''اور وہ کیمرہ اس وقت بھی تمہارے پاس رہا ہوگا جب حمید کو شمشاد کی حویلی میں لے
گئی تھیں۔''

''جج.....جی ہاں۔''

''وہ کیمرہ میرے حوالے کردو۔''

''کک.....کیوں؟''

''سنو! تمہارے چودھری بابا یا تم نے جو کچھ بھی کیا ہے اسے کہتے ہیں قانون کو ہاتھ
میں لینا۔ لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ چودھری صاحب کو اب سامنے آنا چاہئے اور تم سے جو کچھ کہا
جائے کرو۔''

''میں نہیں جانتی چودھری بابا کہاں ہیں؟''

''خیر اسے میں دیکھوں گا.....لیکن کیمرہ اسی فلم سمیت مجھے چاہئے جو کل اس میں موجود
تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تم ابھی اسے ڈیولپ نہ کرسکی ہوگی۔''

''آخر آپ کیمرہ کیوں طلب کر رہے ہیں۔''

''تم نے اس لاش کی تصویر ضرور لی ہوگی۔''

''اوہ.....!'' لڑکی نے طویل سانس لی پھر آہستہ سے بولی۔ ''بہت بہتر.....میں کیمرہ
لاتی ہوں۔''

وہ چلی گئی اور حمید نے فریدی سے کہا۔ ''مجھے یقین نہیں آتا کہ اسے تہہ خانوں کا علم نہ
رہا ہوگا۔''

''بالکل غیر ضروری سوال ہے۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ کچھ دیر بعد شاہدہ
واپس آگئی۔

''یہ لیجئے!'' اس نے ننھا سا مناکس کیمرہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جی
ہاں۔ میں نے لاش کی تصویر لی تھی۔ فلم اس میں موجود ہے۔''

''شکریہ۔'' فریدی نے کیمرہ لے کر جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''یہ تمہیں واپس کردیا
جائے گا اور ہاں ایک آدمی کے لئے ناشتہ اور چاہئے۔''

''کک.....کس لئے۔''

''اس بحث میں نہ پڑو۔''

''اگر آپ لوگوں نے یہاں تہہ خانہ دریافت کیا ہے تو مجھے بھی دکھائیے۔''

''فی الحال یہ ناممکن ہے۔ لیکن تم کسی سے بھی اس کا ذکر نہیں کروگی۔''

''میں سمجھتی ہوں۔''

''اچھا.....بس اب جا کر آرام کرو۔ جس کمرے میں قیام کرو اس سے باہر نہ ...
اسے بند ہی رکھنا۔''

''میرے لائق کوئی کام ہو تو.....!''

''دوپہر کا کھانا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''شام کی چائے اور رات کا ک...

''جی بہت بہتر۔'' وہ بُرا مان کر غرائی۔ ''عورتوں کو صرف چولہے ہانڈی تک مح...
چاہئے۔''

''اور نہیں تو پھر کیا کرنل صاحب کھانا پکائیں گے۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''اونہہ ہوگا..... ہاں وہ کہاں گیا حنیف۔''

''تم اس الجھن میں نہ پڑو۔ ایک آدمی کے لئے ناشتہ حمید کے سپرد کردینا۔'' ف...
نے کہا اور وہاں سے اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ لڑکی حمید کو گھورے جا رہی تھی۔ حمید پائپ میں ...
بھر رہا تھا۔

''تمباکو کب سے پی رہے ہو۔'' دفعتاً اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''پہلا سگریٹ والدہ صاحبہ کی گود میں پیا تھا بعمر پانچ سال۔''

تمباکو سے اس نے پھر حنیف پر چھلانگ لگائی۔

''دیکھو بی شاہدہ! فادر ہارڈ اسٹون نے جو بات مناسب نہیں سمجھی اس کے سلسلے ...
میری زبان کس طرح کھلوائی جاسکتی ہے۔ تم فی الحال اپنے کام سے کام رکھو۔ ہاں چلو۔
جلدی سے ایک آدمی کے لئے ناشتہ۔''

وہ بُرا سا منہ بنا کر اُٹھ گئی۔ پندرہ منٹ بعد ناشتے کی ٹرے اٹھائے ہوئے
کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''اب کرنل صاحب کی ہدایت کے مطابق اپنے کمرے میں جاؤ۔'' حمید نے کہا۔

''میں اپنے گھر جا رہی ہوں..... یہاں تو نہیں رہتی۔'' وہ سرد لہجے میں کہتی
دروازے کی طرف مڑ گئی۔

حمید ناشتے کی ٹرے وہیں چھوڑ کر اسے پائیں باغ کے پھاٹک تک پہنچانے گیا تھا۔
دوپہر کا کھانا وہ اپنے گھر سے پکوا کر لائی تھی۔ کھانے کی میز پر پھر تینوں اکٹھے ہو...

...شروع بھی نہیں کیا تھا کہ دلاور نے شمشاد کی آمد کی اطلاع دی۔

فریدی نے لڑکی کی طرف دیکھا۔

''وہ آتے رہتے ہیں یہاں۔'' اس نے کہا۔ پھر حمید سے بولی۔ ''آپ نے شاہد فاروقی
...شاہدہ فاروقی کا ذکر ان سے ضرور کیا ہوگا۔ لہٰذا محتاط رہئے گا۔ ان پر یہ نہ ظاہر ہونے پائے
...کہ وہ لڑکی میں ہی تھی۔''

''میں اتنا احمق نہیں ہوں۔''

''کسی قدر ضرور ہو۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''تم خود جاؤ اور اسے یہیں لانا۔''

حمید اُٹھ گیا۔ شمشاد کی جیپ کے پیچھے اس کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔

''اوہ..... آیئے..... آیئے۔'' حمید پرتپاک انداز میں آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''مگر آپ کو
کیسے معلوم ہوا کہ ہم لوگ یہاں ہیں۔''

''قیاساً.....! پہلے حویلی گیا۔ آپ کی گاڑی کے وہیل ٹھیک کرائے اور ادھر لیتا چلا آیا
اور پھر ایک ضروری بات بھی گوش گزار کرنی تھی۔''

''چلئے..... اندر تشریف لے چلئے۔''

حمید اسے ڈائننگ روم میں لایا۔

''آہا... شادو بٹی بھی موجود ہے۔'' شمشاد نے کمرے میں قدم رکھتے ہی خوش ہو کر کہا۔

''آیئے چچا جان.....!'' لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔ ''کھانے میں شریک ہوجایئے۔''

''ضرور، ضرور..... میں بہت بھوکا ہوں۔ باہر میرے دو آدمی بھی ہیں۔''

''آپ تشریف رکھئے۔ ان کے لئے بھی انتظام کراتی ہوں۔''

فریدی نے اُٹھ کر اس سے مصافحہ کیا تھا۔

شاہدہ کھانے کے دوران ہی میں اُٹھ گئی اور شمشاد فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

''کپتان صاحب کے چلے آنے کے بعد میری حالت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ صبح چار
بجے کے قریب کسی قدر سنبھلی تو میں نے آپ کی کوٹھی پر فون کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ لوگ
تشریف نہیں رکھتے۔ فوراً خیال آیا کہ سعد آباد گئے ہوں گے۔ کپتان صاحب کی گاڑی بھی یاد
آئی میں نے سوچا اسے سعد آباد ہی پہنچا دوں۔ شائد کسی اور سے بھجوا دیتا لیکن ایک اہم

اطلاع نے خود مجھے یہی آنے پر مجبور کردیا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ شمشاد چند لمحے خاموش رہ

''جب میں کپتان صاحب کے ٹائروں کی مرمت کررہا تھا ایک آدمی نے مجھے بتایا
سے پٹرول کے ٹن نکال کر اندر لے جانے والا میرا منیجر عاقل خان ہی تھا۔''

''اچھا.....!'' فریدی نے تفہیمی انداز میں سرکو جنبش دی۔

''اور اب وہ سرے سے غائب ہے۔''

''غالباً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کی حویلی میں آگ لگا کر لاش کو مسخ کرد
عاقل خان ہی تھا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اگر یہ حرکت اسی کی ہے تو پھر یقین کے سا
جاسکتا ہے کہ وہ اس شخص سے واقف تھا جس کی لاش میں نے حویلی میں دیکھی تھی۔''

''کل حویلی میں پہنچنے سے قبل آپ دونوں کتنے عرصہ تک ساتھ رہے تھے۔''

''میں یہاں تنہا تھا، وہ زمینوں پر تھا۔ کل صبح یہاں میرے پاس آیا تھا۔ کچھ کاغذا
ضرورت تھی۔ لہٰذا میں اسے ان کاغذات کے لئے اپنے ساتھ حویلی لے گیا تھا۔''

وہ خاموش ہوگیا اور فریدی پُرتفکر انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''تب تو بہت کچھ سوچا
ہے۔ اس کے بعد کمرے کی فضا پر گہرا سکوت طاری ہوگیا تھا۔''

''کھاتے رہئے۔'' حمید نے شمشاد سے کہا۔ ''باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔''

''میں بہت پریشان ہوں کپتان صاحب۔''

''اللہ فضل کرے گا۔ یہ لیجئے..... کباب بہت لذیذ ہیں۔''

دفعتاً فریدی نے اسے مخاطب کرکے کہا۔ ''کیا آپ کا خیال ہے کہ عاقل خان
یت کے دیوتا کے پجاریوں میں سے ہے۔''

شمشاد کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ پڑا۔

''ررررریت کا دیوتا..... کک..... کیا مطلب.....؟''

''مطلب آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں د
ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

''تت..... تو..... آپ جانتے ہیں کہ عاقل خان۔''

''میں آپ کی زبان سے بھی سننا چاہتا ہوں۔''

''کیا آپ میری اور میرے خاندان والوں کی زندگیوں کا تحفظ کرسکیں گے۔''

''حتی الامکان۔''

''وہ اس علاقے میں موت کا فرشتہ مشہور ہے۔ یہاں کے سربرآوردہ لوگ بھی اُس کی
ٹھی میں ہیں۔ لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔''

''اگر وہ اس علاقے میں اتنا ہی مشہور ہے تو شاداں نے کبھی اس کا نام کیوں نہیں سنا۔''

''شاداں کیا جانے گی..... وہ بیچاری اس کے لئے کیا کرسکے گی۔ اس کے شکار تو ہم
یسے لوگ ہیں جن سے وہ بڑی رقومات حاصل کرسکتا ہے اور آلہ کار بنا کر سرکار دربار سے بھی
پنے کام نکال سکتا ہے۔''

اوہ..... تو آپ نے اب تک اس کے لئے کیا کیا ہے؟''

''مم..... میں نے..... میں نے اس کی بات نہیں مانی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ میں چودھری
شیر علی کی قبر کھود کر دیکھوں کہ حقیقتاً انہی کا مردہ دفن کیا گیا ہے یا کوئی اور۔ لیکن میں نے آپ
کو بتایا تھا کہ کچھ لوگ اس لئے میرے پیچھے لگ گئے ہیں کہ میں نے چودھری کی قبر کھودنے
کی کوشش کی تھی۔ میں نے یہ غلط بیانی اس لئے کی تھی کہ آپ شدومد سے ان لوگوں کی تلاش
شروع کردیں۔ یقین کیجئے یہ ریت کا دیوتا..... بارڈر ایریا کے لوگوں کے لئے مصیبت بنا ہوا
ہے۔ میری حویلی میں پائی جانے والی لاش اس کی طرف سے میرے لئے ایک دھمکی تھی اسی
کے آدمیوں میں سے کسی نے کپتان صاحب کو اس لاش تک پہنچایا تھا اور آج یہ ثابت ہوگیا
کہ عاقل خان جو ہر وقت میری گردن کاٹ سکتا ہے، اسی کے کارندوں میں سے ہے۔''

''وہ اب کہاں مل سکے گا؟''

''تراب نگر میں میرے فارم میں..... وہیں ہوگا..... میں نے آپ کے گوش گزار کردیا۔
اب میں اپنا اور اپنے خاندان والوں کا تحفظ چاہتا ہوں۔''

''اس کے افراد خاندان کہاں رہتے ہیں۔''

''شمالی سرحد کے قریب کسی علاقے میں۔ میں نے ان میں سے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

عاقل خان تین سال پہلے میرے پاس ملازمت کے لئے آیا تھا اور اپنی کارکردگی کی بنا
عرصہ میں منیجر کے عہدے تک پہنچ گیا۔''

حمید خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ اتنے میں شاہدہ آ گئی۔

''کچھ اور چاہئے۔'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''چورن.....!''

''بھینس کے سری پائے نہیں کھائے آپ نے۔''

حمید کھانا ختم کر چکا تھا۔ فریدی نے اسے اشارہ کیا کہ شاہدہ کو وہاں سے ہٹا لے جا
حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''اچھا تو شادو جی اب چل کر رات کے کھانے کی تفصیل سن لیجے
لڑکی نے اسے بے اعتباری سے دیکھا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔

کمرے سے نکل کر وہ بیرونی برآمدے میں آ بیٹھے۔ دھوپ کی تپش کے باوجود پتا
کیوں حمید وہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔

''آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔'' شاہدہ نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''نرگسی کوفتے، گلابی قورمہ، نیلا اسٹو، کالا پلاؤ، بنفشی روٹیاں۔''

''حمید صاحب؟''

''کھل کر بات کرو..... کیا تم شمشاد کو اچھا آدمی نہیں سمجھتیں۔''

''جب تک کسی کی کوئی برائی سامنے نہ آ جائے میں اسے اچھا ہی سمجھتی رہتی ہوں۔''

''کبھی چودھری صاحب سے اس کا جھگڑا بھی ہوا تھا۔''

''میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔''

''شاہد عزیز سے۔''

''اس کا بھی علم نہیں۔''

''تمہاری لاعلمی مجھے پاگل کر دے گی۔''

دفعتاً کہیں سے دھماکے کی آواز آئی اور وہ دونوں اچھل پڑے۔ پائیں باغ کے پھا
کے قریب کثیف دھوئیں کے مرغولے اُٹھ رہے تھے۔

حمید واقعے کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ فریدی اور شمشاد دوڑتے ہو

برآمدے میں آئے۔

''اوہ..... میری گاڑی۔'' فریدی بولا۔

واقعی اس دھوئیں کی اوٹ سے کوئی فریدی کی لنکن لے بھاگا تھا۔

کمپاؤنڈ میں شمشاد کی جیپ اور حمید کی گاڑی موجود تھی اور شمشاد کے دونوں ملازم بھی
جیپ ہی میں بیٹھے دکھائی دیئے۔ پھر یہ کون تھا۔ لنکن لے گیا۔

بہرحال انہیں اس کے پیچھے جانا پڑا تھا۔ حمید اپنی گاڑی اسٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ شاہدہ
بھی پچھلی سیٹ پر آ بیٹھی۔

''تم کہاں..... جاؤ..... اندر بیٹھو۔''

''بس چپ چاپ چلے چلئے..... میں ایسی ڈرپوک نہیں ہوں۔''

فریدی شمشاد کی جیپ میں تھا اور خود ہی اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔ شمشاد اس کے برابر بیٹھا
تھا اور اس کے دونوں ملازم پچھلی سیٹ پر تھے۔

وہ پھاٹک سے گزر گئے۔ فریدی شائد اپنی گاڑی کے ٹائروں کے نشانات پر جیپ دوڑا
رہا تھا۔ گاڑی تو نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

''وہ کون ہو سکتا ہے؟'' حمید بڑبڑایا۔

''خدا جانے..... لیکن وہ دھماکہ۔''

''دھوئیں کا ایک چھوٹا سا بے ضرر بم۔''

''مقصد.....؟''

''مقصد یہی کہ اسے لنکن لے بھاگنے کا موقع مل جائے۔ اگر ہم برآمدے میں نہ بیٹھے
ہوتے تو شائد وہ بم نہ پھینکتا۔''

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔ مگر لنکن ابھی تک تو دکھائی نہیں دی تھی۔ پتہ
نہیں کتنی تیز رفتاری سے لے جائی گئی تھی۔ کچے راستے کے اختتام پر جیپ رک گئی۔ حمید نے
بھی اپنی گاڑی کی رفتار کم کی اور اسے جیپ کے قریب روک دیا۔

فریدی اور شمشاد کو نیچے اترتے دیکھ کر خود بھی اُترا اور ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔ لنکن
کے نشانات پکی سڑک پر دائیں جانب گھومے تھے۔ یعنی مشرق کی سمت۔

''حمید کی گاڑی میں فیول پوزیشن کیا ہے؟'' فریدی نے شمشاد سے پوچھا۔

''ٹینک فل تھا.....اور ڈگی میں بھی زائد پٹرول موجود ہے۔ میں نے کپتان صاحب خسارہ پورا کر دیا تھا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہم جائیں گے کہاں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''وہ کون ہوسکتا ہے۔'' حمید فریدی کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔

''تم تو باہر ہی تھے.....تم ہی بتاؤ۔''

''دھوئیں کی آڑ میں لے بھاگا۔ میں نہیں دیکھ سکا تھا؟''

''ہوگا کوئی.....لیکن وہ میری گاڑی اتنی آسانی سے تو نہیں لے جاسکتا۔ شمشاد صاحب آپ چاہیں تو واپس جاسکتے ہیں۔''

''نہیں صاحب، یہ کیسے ممکن ہے۔'' شمشاد حمید کی گاڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''لیکن یہ بیوقوف لڑکی کیوں چلی آئی ہے۔''

فریدی نے جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔ زبردستی بیٹھ گئی تھی۔''

''تم نے منع کیوں نہیں کیا.....؟''

''کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ آدھی پاگل معلوم ہوتی ہے۔ کچھ دیر پہلے مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میرا گلا گھونٹ دو اور مجھے بھی چودھری بابا کی قبر میں دفن کردو۔''

''یہ کہہ رہی تھی۔'' شمشاد نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

''یقین کیجئے اور سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔''

''بہت چاہتی تھی چودھری صاحب کو۔'' شمشاد نے مغموم آواز میں کہا۔

''اچھی بات ہے تو میں تمہاری ہی گاڑی میں چلوں گا۔'' فریدی حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

شمشاد کے چہرے پر ایسے تاثرات نظر آئے جیسے فریدی کی بات سمجھ میں نہ آئی ہو لیکن وہ کچھ بولا نہیں تھا۔

فریدی حمید کی گاڑی میں جا بیٹھا اور اسٹیئرنگ بھی خود ہی سنبھالتے ہوئے شمشاد کو آگے بڑھ جانے کا اشارہ کیا۔

یہ وہی سڑک تھی جس سے وہ سعد آباد تک پہنچے تھے اور اب سعد آباد سے مشرق کی طرف سرحدی علاقے میں داخل ہو رہے تھے۔ شمشاد کی جیپ آگے تھی اور حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی شمشاد سے آگے نکل جانے کی کوشش نہیں کر رہا۔

''کیا خیال ہے؟'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''وہ عاقل خان تو نہیں ہے۔''

''میں غیب دان نہیں ہوں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ پھر اونچی آواز میں شاہدہ کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ''کیا تم عاقل خان کے بارے میں مجھے کچھ بتا سکو گی۔''

''جی نہیں! میں نے صرف اس کا نام سنا ہے۔ کبھی شکل بھی نہیں دیکھی۔''

''کیا وہ شمشاد کے بہت اہم ملازمین میں شمار کیا جاتا ہے۔''

''اہم ترین۔ شمشاد کی بہت سی زمینیں جو دوسروں کے قبضے میں تھیں محض اسی کی حکمت عملی کی بناء پر اسے واپس مل گئی ہیں۔''

''تو گویا وہ ان اطراف میں خاصی شہرت رکھتا ہے۔''

''جی ہاں۔''

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں کچھ دیر بعد وہ ایسے علاقے میں داخل ہوئے جہاں سڑک کی دونوں اطراف میں اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔

''کیا بارڈر تک جانے کا ارادہ ہے؟'' حمید نے تھکی تھکی سی آواز میں پوچھا۔

''ہوسکتا ہے۔''

''فرض کیجئے ہم غلط سمت جا رہے ہوں۔ اس نے ہمیں غلط راہ پر ڈالنے کیلئے کچھ زمین پر اس قسم کے نشانات ڈالے ہوں اور سڑک پر پہنچنے کے بعد مخالف سمت میں موڑ لی ہو۔''

فریدی کا جواب سننے سے پہلے ہی شاہدہ نے قہقہہ لگایا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا ضرورت ہے؟'' حمید جھلا گیا۔

''آپ کی سادگی پر ہنسی آئی کپتان صاحب..... یا کرنل صاحب نے اس کے امکان پر پہلے ہی نظر نہ رکھی ہوگی۔''

''زیادہ قابلیت بگھارو گی تو گاڑی سے اُتار دوں گا۔''

"سچ مچ بچوں کی سی باتیں کرنے لگے آپ.....!"

اچانک فریدی نے گاڑی روک دی۔ شمشاد کی جیپ اگلے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

فریدی کھڑکی پر جھکا ہوا بائیں جانب والی چٹانوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی اُدھر متوجہ ہو گیا اور پھر یک بیک چونک پڑا۔ دو چٹانیں اس طرح کھڑی تھیں جیسے دو تلواریں کھڑی کر کے محراب بنائی گئی ہو۔

"کیا خیال ہے۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر مسکرایا۔

"گاڑی ان چٹانوں کے درمیان سے گزر سکتی ہے دور تک راستہ ہموار نظر آ رہا ہے" حمید نے کہا۔

فریدی نے گاڑی بیک کی اور پھر اسے چٹانوں کی طرف موڑ دیا۔ شمشاد کی جیپ کا اب دور تک پتا نہیں تھا۔

گاڑی چٹانوں کی محراب سے گزرنے لگی تو شاہدہ نے کہا۔ "ضروری نہیں کہ وہ آپ کی گاڑی ادھر ہی لے گیا ہو۔"

اس بار حمید نے کچھ ایسے انداز میں قہقہہ لگایا کہ شاہدہ سچ مچ بگڑ گئی۔

"آپ ہنسے کیوں؟"

"تمہارے اسی احمقانہ اظہار خیال پر..... کرنل صاحب اس زمین کی مخلوق نہیں ہیں بیرونی خلاء کے کسی گم نام سیارے سے ہماری زمین پر نزول اجلال فرمایا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اب تک کئی شادیاں کر چکے ہوتے۔"

"کیا بکواس ہے۔" فریدی غرایا۔

گاڑی ڈھلان میں اُتر رہی تھی اور اب اس کے سڑک پر سے دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں تھا۔

"یہاں تو کسی دوسری گاڑی کے نشانات بھی نہیں دکھائی دیتے۔" شاہدہ پھر بولی۔ وہ بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہی تھی۔

ڈھلوان کے اختتام پر جیسے ہی راستہ بائیں جانب مڑا فریدی کی لنکن کھڑی نظر آئی۔

فریدی نے پھر گاڑی روک دی۔ حمید دروازہ کھول کر نیچے کودا۔ لنکن خالی تھی۔

فریدی اور شاہدہ بھی گاڑی سے حمید کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے لیکن فریدی بغور گردوپیش کا جائزہ لے رہا تھا۔

دفعتاً فریدی نے ان سے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ ایک چٹان کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ دونوں نے اس کی تقلید کی۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے دونوں گاڑیوں پر نظر بھی رکھ سکتے تھے اور خود ان کے دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں تھا۔

"اب یہاں کیا کر رہے ہیں۔" شاہدہ حمید کے کان کے قریب منہ لا کر آہستہ سے بولی۔ "گاڑی سنبھالئے اور واپس چلئے۔"

دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔ "تم دونوں یہیں بیٹھو اور یہ لو۔"

اس نے لنکن کے مختلف خانوں کی کنجیاں اسے دی تھیں پھر حمید نے اسے دوبارہ نیچے جاتے دیکھا۔

وہ حمید کی گاڑی پر بیٹھا تھا اور اسے آگے بڑھاتا چلا گیا تھا۔ بالآخر وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" شاہدہ بولی۔

"آہستہ..... تمہاری آواز اونچی نہ ہونی چاہئے۔ اب تم ہمارے ساتھ آنے کی سزا بھگتو گی۔"

"کک..... کیا مطلب؟"

"مطلب کشت و خون کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ شی.....!" وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش ہو گیا اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ کسی وزنی گاڑی کی آواز تھی جو بتدریج قریب ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے شمشاد کی جیپ وہیں آ رکی جہاں لنکن کھڑی تھی وہ اور اس کے ساتھی جیپ سے کودے اور لنکن کے قریب پہنچ گئے۔ شمشاد نے گاڑی میں سر ڈال کر کچھ دیکھا تھا اور پھر جیپ کی طرف پلٹ گیا تھا۔

وہ تینوں دوبارہ جیپ میں بیٹھے اور جیپ بھی ادھر ہی چل دی جدھر فریدی گیا تھا۔

ید نے طویل سانس لی۔

دیوتا خاک پر

"آپ بتاتے کیوں نہیں کہ یہ سب کیا ہورہا ہے۔" شاہدہ اسکا شانہ جھنجھوڑتی ہوئی بولی
حمید نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔لیکن کچھ بولا نہیں۔سوچ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے
لنکن کی کنجیاں فریدی اسے دے گیا تھا۔ مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا تھا
ضرورت پڑنے پر وہ اپنی عقل استعمال کر سکے۔

دفعتاً اس نے شاہدہ سے کہا۔"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا کیا کروں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اب جو کچھ ہونیوالا ہے.....وہ کم از کم شوقیہ ایڈونچررز کے بس کا روگ نہیں ہوگا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"آپ کے چودھری بابا اعلیٰ پیمانے پر کشت وخون کرنے والے ہیں۔"

"کک.....کیسے.....؟"

"میرا دعویٰ ہے کہ لنکن وہی لے بھاگے تھے۔"

"نہیں.....یہ ناممکن ہے؟"

"دیکھ لینا.....جاسوسی ناول پڑھ پڑھ کر سراغ رساں بن بیٹھنے والے ایسی ہی حماقتیں کرتے ہیں۔"

"آپ ان کی شان میں گستاخی کررہے ہیں۔" شاہدہ بگڑ گئی۔

"میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں.....تم یہیں ٹھہرو.....میں جا رہا ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے.....میں بھی چلوں گی۔اگر وہ چودھری بابا ہیں تو میں یہاں بیٹھ کر تمہاری واپسی کا انتظار نہیں کرسکتی۔"

"ارے تو وہ بھی یہیں کہیں ہوں گے۔لنکن یہاں چھوڑ کر پیدل نہ گئے ہوں گے۔"

"کچھ بھی ہو.....میں بھی چلوں گی۔"

"اللہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیا مطلب.....؟"

ابھی تک مجھے شادی کی توفیق نہیں دی۔

"باتیں نہ بنائیے چلئے۔میں بھی خطرہ محسوس کررہی ہوں۔کرنل صاحب اکیلے گئے ہیں۔"

وہ دونوں چٹانوں سے نیچے اُترے اور لنکن میں جا بیٹھے۔حمید نے بڑی پھرتی سے اپنی طرف کے دروازے کا خانہ کھول کر ٹامی گن نکالی تھی اور اسے گود میں رکھتے ہوئے شاہدہ سے کہا"آج تمہیں شائد ایڈونچر کا عملی تجربہ ہوجائے۔ابھی تک تو صرف خواب دیکھے ہوں گے۔"

"آپ نے کس بناء پر کہا تھا کہ چودھری بابا گاڑی لے بھاگے تھے؟"

"پھر کان کھانے لگیں خود دیکھ لینا۔"

شاہدہ کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔حمید نے اسے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔اس جگہ سے ہٹتے ہی حمید نے محسوس کیا کہ لنکن وہیں کیوں چھوڑ دی گئی تھی۔راستہ ایسا تھا کہ جیپ کے علاوہ اور کسی گاڑی کا ادھر سے گزرنا ناممکن ہی تھا۔

گاڑی کو دوبارہ بیک کر کے اسی جگہ پر واپس لانا پڑا۔اب سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔
ٹامی گن ایک طرف رکھ کر باہر نکلا دوسرے دروازے کا خانہ کھولا اور جیکٹ نکالی جس کے استر میں ریوالور کے کارتوس لگے ہوئے تھے۔

جیکٹ پہن کر باہر نکلا اور شاہدہ سے بھی اترنے کو کہا۔

"ہمیں پیدل ہی چلنا پڑے گا" اس نے ٹامی گن اٹھاتے ہوئے اس سے کہا۔

"مگر کچھ کیجئے بھی تو.....!" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم آخر یہیں کیوں نہیں ٹھہرتیں۔"

"میں کہہ چکی ہوں کہ یہ ناممکن ہے۔"

دفعتاً دور سے کئی فائروں کی آوازیں آئیں اور وہ دونوں چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔
دوسری بار حمید سمت کا تعین کرسکا اور پھر اس نے بے تحاشہ اسی سمت دوڑ لگائی تھی۔مڑ کر

بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ اس کے پیچھے آ رہی ہے یا نہیں۔

ٹامی گن بغل میں دبائے دوڑا جا رہا تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد اسے اپنی گاڑی
ی جو راستے سے ہٹ کر ایک چٹان کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ جھپٹ کر اسکے قریب پہنچا
اس نظر دوڑائی لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پھر آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ شاہدہ بھی پہنچ گئی

''اچھی بات ہے.....آؤ۔'' حمید بھنا کر بولا۔

کچھ دور چلنے کے بعد پھر رکنا پڑا کیونکہ شمشاد کی جیپ بھی کھڑی نظر آئی تھی لیکن وہ
س کے ساتھی غائب تھے۔

اس جگہ سے فائروں کی آوازوں کا رخ بدلا ہوا لگا تھا۔ وہ بائیں جانب کے تنگ
رے میں داخل ہو گیا۔

شاہدہ اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا
س کو کسی اونچی چٹان سے نیچے پھینک دے۔ پچھلی زندگی میں کوئی ایسا موقع یاد نہ آیا کہ جب
کسی لڑکی پر اس شدت سے جھلایا ہو۔

وہ پھر کھلے میں نکل آئے۔ لیکن اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرف جائے۔ فائروں
ی آوازیں اب نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

''پتہ نہیں.....کہاں کیا ہو رہا ہے؟'' شاہدہ بڑبڑائی۔

اچانک پھر تین فائر ہوئے۔ یہ اتنے قریب کے تھے کہ حمید کو بڑی پھرتی سے ایک
ی اوٹ لینی پڑی تھی۔ پھر وہ دانت پیس کر بولا۔ ''اب بتاؤ! میں تمہیں کوٹ کی جیب
رکھوں یا پیس کر پی جاؤں۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ مشکلات میں پڑ کر آپ جیسے مرد عورتوں سے بدتر ہو جاتے
ہیں۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی اور پھر اس نے زبردستی ہنسنے کی کوشش کی تھی۔

اس ریمارک پر حمید بور ہو کر خاموش ہی ہو گیا۔ فائر ہوتے رہے۔ گولیاں ان کے سروں
پر سے گزر رہی تھیں لیکن فائر کرنے والے نظر نہیں آ رہے تھے۔

ان کی دونوں جانب اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور دونوں ہی اطراف سے فائرنگ
ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا مقابلہ.....فریقین ایک دوسرے پر گولیاں برسا رہے تھے لیکن

اندازہ لگانا محال تھا کہ وہ کون ہوں گے۔

شمشاد اور لنکن لے بھاگنے والے کے درمیان بھی ٹھن سکتی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے فریدی بھی فی الحال محض ایک تماشائی کی حیثیت سے حالات کا جائزہ لے رہا ہو۔

''کچھ کیجئے!'' شاہدہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

''چپ چاپ بیٹھی رہو۔''

''میرا دعویٰ ہے کہ کرنل صاحب خطرے میں ہیں۔'' شاہدہ نے کہا۔

''کیا تم بتا سکو گی کہ کرنل صاحب کس طرف ہوں گے۔''

''نہیں.....؟''

''تو کیا میں پھر کھلے میں نکل کر ناچنا شروع کر دوں۔''

شاہدہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ اچانک بائیں جانب سے ایک چیخ فضا میں اُبھری اور کوئی اوپر سے لڑھکتا ہوا ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں جا گرا۔

''پپ پتہ نہیں کون ہے۔'' شاہدہ ہکلائی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے گرنے والے کی بس ایک جھلک دیکھی تھی۔ دائیں جانب سے پھر فائر ہوئے اور اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

اب حمید دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ دائیں جانب کی چڑھائی سے تین آدمی نیچے اُتر رہے تھے۔ اس نے انہیں خاصے فاصلے سے بھی پہچان لیا۔ یہ شمشاد اور اس کے دونوں ساتھیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتے تھے۔ شمشاد کے ہاتھ میں رائفل تھی۔

وہ دوڑتے ہوئے اس پتھر کے قریب جا پہنچے جسکی دوسری طرف غالباً انہی کا شکار گرا تھا۔

''چلو.....!'' حمید شاہدہ کو دوسری طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ ''باہر نکل کر اسے آواز دو..... بلکہ دوڑتی ہوئی اس کی طرف جاؤ۔''

''کک.....کیوں.....؟''

''کام بتایا تو ہکلانے لگیں بی شیرنی۔''

''اچھا.....!'' کہتی ہوئی وہ اچھل کر پتھر کی اوٹ سے نکل گئی اور حلق پھاڑ پھاڑ کر شمشاد کو آوازیں دینے لگی۔

شمشاد مڑا تھا اور پھر اپنے دونوں ساتھیوں سمیت دوڑ لگائی تھی۔ ان کا رخ تبدیل
ہوتے ہی حمید نے بھی اپنی پوزیشن بدل لی۔

شمشاد رائفل کی نال شاہدہ کے سینے پر رکھتا ہوا دہاڑا۔ ’’بتاؤ..... شیر علی کہاں ہے؟‘‘

’’انکل، انکل یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔‘‘

’’بکواس بند کرو..... اس کی قبر میں پلاسٹک کا ایک مجسمہ دفن کیا گیا تھا۔‘‘

ٹھیک اسی وقت ایک فائر ہوا اور شمشاد کے ہاتھ سے رائفل چھوٹ پڑی۔

اسکے بعد حمید نے اپنی پھرتی دکھائی تھی۔ ٹامی گن سنبھالے ہوئے اسکے سامنے آ گیا۔

’’خبردار..... کوئی اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرے۔‘‘

تینوں نے بے ساختہ ہاتھ اٹھا دیئے اور شاہدہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔

’’آپ مجرموں کی حمایت کر رہے ہیں۔‘‘ شمشاد غرایا۔

’’وہ کس طرح جناب عالی!‘‘ حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

’’میں بتاتا ہوں۔‘‘ دفعتاً بائیں جانب سے آواز آئی۔ فریدی اس پتھر کی اوٹ سے
باہر آ رہا تھا جس کے پیچھے شمشاد کا شکار گرا تھا۔

شمشاد کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

فریدی نے قریب پہنچ کر تینوں کی جامہ تلاشی لی۔ شمشاد کے ساتھیوں سے خنجر برآمد
ہوئے اور شمشاد سے اعشاریہ تین دو کا پستول۔

’’آپ لوگ میری بات نہیں سن رہے..... پچھتانا پڑے گا۔‘‘ شمشاد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

’’تم نے مجھ پر کیوں فائرنگ کی تھی۔‘‘ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
سوال کیا۔

’’محض غلط فہمی کی بناء پر۔‘‘

’’میں نے آواز دے کر تمہیں آگاہ بھی کر دیا تھا۔‘‘

’’میں نے آواز نہیں سنی تھی..... میں سمجھا تھا وہی ہے جو آپ کی گاڑی لے بھاگا تھا۔‘‘

’’کچھ اندازہ ہے کون لے بھاگا ہوگا۔‘‘

’’آپ چودھری شیر علی کی حویلی میں مقیم تھے۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور

وں کہ وکیل شاہد عزیز نقلی ڈاڑھی لگائے پھرتا تھا اور شیر علی کی قبر میں انہی کا ہم شکل
کا مجسمہ دفن کیا گیا تھا۔‘‘

دفعتاً شاہدہ داہنی جانب دیکھ کر چیخی۔ ’’بابا.....!‘‘

جس تنگ سے درے سے گزر کر وہ دونوں کچھ دیر پہلے یہاں پہنچے تھے اسی سے ایک
آدمی برآمد ہوا تھا۔ قابل رشک حد تک توانا اور صحت مند تھا۔ شاہدہ اس کی طرف تیزی
بڑھی تھی اور اسکے شانے سے لگ کر کسی ننھی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

حمید نے اس موقع پر خود کو بڑی مشکل سے سنبھالا۔ ورنہ شائد ٹامی گن اس کے ہاتھ
چھوٹ پڑی ہوتی۔

’’اچھا تو خود..... یہی حضرت تھے۔‘‘ شمشاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ’’کرنل صاحب
ری شیر علی خان سے ملئے..... اور ان سے پوچھئے کہ یہ ڈرامہ کیوں اسٹیج کیا گیا تھا۔‘‘

بوڑھے نے اسے قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے شاہدہ کو الگ ہٹایا اور پُر وقار انداز
چلتا ہوا قریب آ گیا۔

’’ہاں..... کرنل کی گاڑی میں ہی لے نکلا تھا۔‘‘ اس نے گونجیلی آواز میں کہا۔ ’’اس لئے
میں اس طرف ان کی رہنمائی کرنا چاہتا تھا۔‘‘

’’میں کہتا ہوں اس شخص کو قابو میں کیجئے۔‘‘ شمشاد نے فریدی سے کہا۔ ’’ورنہ ہم سب
ا زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں گی۔‘‘

’’خوب.....!‘‘ بوڑھا دفعتاً مسکرا کر بولا۔ ’’ایسی سینہ زوری کی مثال شائد کہیں نہ مل سکے۔‘‘

’’اب مجھ سے صاف صاف سنئے۔‘‘ شمشاد نے غصیلے لہجے میں فریدی سے کہا۔ ’’میرا
جر عاقل خان بھی اس کے ساتھیوں میں سے ہے۔‘‘

’’ہے نہیں بلکہ تھا۔ شمشاد صاحب۔‘‘ بوڑھے نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ’’اور سچ وہ میرا
ساتھی تھا۔ اسی نے تمہاری غیر قانونی حرکتوں کی اطلاع مجھ تک پہنچائی تھی..... لیکن بیچارہ۔‘‘

’’آپ سن رہے ہیں۔‘‘ شمشاد نے پھر فریدی کو مخاطب کیا۔

بوڑھے نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکالی اور حمید کے قریب پہنچ کر بولا۔ ’’ذرا اسے تو
یکھنا کیا تم اسے پہچانتے ہو۔‘‘

حمید چونک پڑا۔ یہ تصویر اس آدمی کی تھی جس کی لاش اس نے شمشاد کی
دیکھی تھی اور جسے بعد میں جلا کر ناقابل شناخت بنا دیا گیا تھا۔

''یہ وہی ہے جس کی لاش میں نے شمشاد کی حویلی میں دیکھی تھی۔''

''یہ عاقل خان کی تصویر ہے......!'' بوڑھے نے کہا۔

اچانک شمشاد نے ان دونوں پر چھلانگ لگائی لیکن فریدی غافل نہیں تھا۔ اس
درمیان ہی سے روک کر دوسری طرف اچھال دیا تھا۔

وہ دوبارہ اٹھا اور دیوانوں کے سے انداز میں فریدی پر ٹوٹ پڑا۔

''تم دونوں اپنی جگہ سے ہلے بھی تو دھجیاں اڑ جائیں گی۔'' حمید نے
ساتھیوں کو وارننگ دی۔

شمشاد پاگلوں کی طرح لڑ رہا تھا۔ بھیڑیئے کی طرح غرا رہا تھا۔ جسمانی قوت
نہیں معلوم ہوتا تھا اور اب حمید کو اندازہ ہوا کہ اپنی حویلی میں اس نے محض اداکاری
ظاہر کیا تھا کہ وہ لڑائی بھڑائی والے آدمیوں میں سے نہیں ہے اس لئے اتنی آسانی
ہوگیا تھا۔ اچانک وہ اپنی رائفل پر جا گرا۔ پھر اُٹھا تو رائفل اس کے ہاتھ میں تھی۔

''رائفل زمین پر ڈال دو۔'' حمید دہاڑا۔

لیکن اس نے تو رائفل لٹھ کی طرح چلائی تھی۔ فریدی اچھل کر پیچھے ہٹا اور شاید
ہی زور میں رائفل سمیت منہ کے بل زمین پر چلا آیا۔

پھر دوبارہ اٹھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ فریدی نے گرتے ہی سر پر ٹھوکر بھی رسید
اس کے دونوں ساتھیوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ وہ بالکل خاموش

''آپ کو اپنی پوزیشن صاف کرنی ہے چودھری صاحب۔'' فریدی نے شیر علی
دیکھ کر کہا۔

''یقیناً میں آپ کو مطمئن کردوں گا۔''

حمید نے ٹامی گن فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے ناخوشگوار لہجے میں کہا
سنبھالئے...... میں چلا۔''

''کہاں......؟''

''افق کے اس پار...... جہاں اس قسم کے فراڈ نہ ہوتے ہوں......اور اس لڑکی سے تو خدا
ے گا۔'' بوڑھے نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا ہی تھا کہ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''بس
کچھ نہ فرمایئے گا۔''

''کیوں برخوردار......!''

''شیر علی خان کی کہانی آپ نے کس سے سنی تھی؟''

''اچھا...... سمجھا۔ یقین کرو کہ تم میرے بھانجے ہو اور میرے مرنے کے بعد ہی تمہیں
اطلاع ملتی اگر اس فتنے کا خاتمہ نہ کرنا ہوتا۔ اب آؤ...... میرے سے لگ جاؤ میرے بچے۔''

''لاحول ولا قوۃ......!'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''کیا میں کوئی روایتی فلم دیکھ رہا ہوں۔''

نے ٹامی گن فریدی کو تھمائی تھی اور بیہوش شمشاد کے پاس جا بیٹھا تھا کیونکہ اسے اس کے
میں جنبش سی نظر آئی تھی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شمشاد
بیٹھا۔ حمید اس کا داہنا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے چیخا۔ ''یہ کچھ کھا لینے کی
ش کر رہا تھا۔''

حمید سے اپنا ہاتھ چھڑانے کیلئے وہ بائیں ہاتھ سے اس پر گھونسے برسائے جا رہا تھا۔

فریدی تیزی سے آگے بڑھا اور ٹامی گن ایک طرف پھینک کر شمشاد کی مٹھی کھولنے لگا۔
ا سے سفید رنگ کی ایک ٹکیہ برآمد ہوئی تھی۔ شمشاد ایک بار پھر فریدی سے لپٹ پڑا اور حمید
، جھپٹ کر ٹامی گن اٹھالی۔

''فائر کردینے کی دھمکی کارگر نہیں ہوگی۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''یہ اب مرنا ہی تو چاہتا ہے۔''

پھر بڑی دشواری سے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے گئے تھے۔ وہ بالکل خاموش
اور بڑی خونخوار نظروں سے ایک ایک کو دیکھے جا رہا تھا۔

پھر چودھری شیر علی خان ان قیدیوں سمیت انہیں اپنی ایک کمین گاہ تک لے گیا۔ یہاں
اس کے دو مسلح آدمی موجود تھے۔ قیدیوں کو ان کی تحویل میں دیتے ہوئے اس نے شاہدہ سے
کہا۔ ''تم بھی یہیں ٹھہرو گی۔''

''لل...... لیکن......!''

''ضد نہیں...... جو کہہ رہا ہوں وہی کرو۔''

شاہدہ بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہوگئی۔ پھر اس کے بعد وہ فریدی اور حمید کو
اس جگہ پہنچا جہاں شمشاد کی جیپ کھڑی تھی۔ یہاں سے وہ مغرب کی جانب
ہوئے۔ ہموار راستہ اتنا کشادہ نہیں تھا کہ اس پر گاڑی چل سکتی۔

چودھری شیر علی فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ''شمشاد ذی اثر آدمی ہے۔ اگر م
خلاف شبہ بھی ظاہر کرتا تو خود کسی بڑی مصیبت میں پڑ جاتا۔ لہٰذا میں نے یہ طریقہ
شاہد عزیز نے اس کے خلاف ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی تھی اسی دوران م
شروع ہوگئے۔ شاہد عزیز نے اسی وجہ سے اپنی ڈاڑھی مونچھیں صاف کرادی تھیں ا
کے میک اپ میں رہنے لگا تھا۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ پہلے تو شمشاد پڑوسی ملک
اسمگلنگ کا کاروبار کرتا رہا تھا لیکن پھر جب اس نے اس ملک کے لئے جاسوسی شرو
اس کا منیجر عاقل خان اس سے بددل ہوگیا اس سلسلے میں اس نے مجھے اور شاہد عزیز
بنایا۔ شاہد عزیز نے اسی کی مدد سے وہ فلم تیار کی تھی جو آپ نے میری زیرزمین تجر
پروجیکٹر پر دیکھی تھی اور اب میں آپ کو اسی راستے پر لے چل رہا ہوں۔''

''کیا آپ کو علم تھا کہ وہ لاش عاقل خان ہی کی تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں..... آپ نے شادو کا کیمرہ لے کر اس میں سے جو ریل نکالی تھی اسے
ہی میں تو ڈیولپ کیا تھا اور خشک ہونے کے لئے اسے وہیں چھوڑ گئے تھے۔ پھر ج
اوپر چلے گئے تھے تو میں نے لاش والی تصویر کا انلارجمنٹ تیار کیا تھا اس طرح مجھے معلو
وہ عاقل خان ہی کی لاش تھی۔ میرا خیال ہے کہ شمشاد نے عاقل خان پر تشدد کرکے
معلوم کی ہوگی کہ شاہد عزیز نے کوئی فلم تیار کی ہے۔ اس کے بعد اسے مار ڈالا ہوگا۔''

''لیکن لڑکا کہہ رہا تھا کہ عاقل خان.....!'' حمید بولا ہی تھا کہ شیر علی نے بات
کہا۔ ''سنتے جاؤ! ادھر ہی آرہا ہوں۔ ہوسکتا ہے عاقل خان نے اسے میری حویلی کی
آمادہ کیا ہو۔ لیکن غلط فہمی کی بناء پر وہ میرے ہی ہاتھوں زخمی ہوگیا۔ بہرحال شمشاد کی
سن کر کہ وہ ان واقعات کا ذمہ دار عاقل خان کو ٹھہرا رہا ہے میں نے ہینڈ گرنیڈ
دھماکہ کیا اور آپ کی گاڑی لے بھاگا..... میں جانتا تھا کہ آپ لوگ میرے پیچھے دوڑ
اور شمشاد آپ کا ساتھ دے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ لوگوں پر حملہ کرنے کی کوشش بھی

گا۔ اس طرح رنگے ہاتھوں پکڑلیا جائے گا۔''

''پیارے ماموں جان..... مجھے بھی کچھ عرض کرنے دیجئے۔'' دفعتاً حمید بولا۔

''کہو کیا کہنا چاہتے ہو.....؟''

''اگر وہ ہم دونوں کو ٹھکانے لگا ہی دیتا تو کیا ہوتا۔''

''برخوردار میں غافل تو نہیں تھا۔ میں تو اتنی بلندی پر تھا کہ تم سب مجھے صاف
نظر آرہے تھے لیکن جب کرنل چیخ مار کر لڑھکتے ہوئے نیچے آئے تھے میں یہی سمجھا کہ
خدانخواستہ..... بخدا میں نے ایسی کامیاب اداکاری کبھی نہیں دیکھی.....!''

''لیکن آپ کو اس کا حق کیسے پہنچتا ہے کہ ہینڈ گرنیڈ وغیرہ رکھ سکیں۔''

''بیٹے میں ایکس ملٹری آفیسر بھی ہوں اور سرحد کی حفاظت کے لئے بہت کچھ اپنے
ساتھ رکھ سکتا ہوں۔ باقاعدہ اجازت نامہ موجود ہے میرے پاس۔''

''فضول باتوں میں نہ الجھاؤ۔'' فریدی نے حمید کو ٹوکا۔

''خیر خیر..... اب میں اس کا طریق کار آپ کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کروں گا۔''
شیر علی نے فریدی سے کہا۔ ''ڈیڑھ سو سال گزرے ان اطراف میں ایک ڈاکو زین خان ہوا
کرتا تھا۔ دن میں ذی حیثیت لوگوں کو لوٹتا تھا اور رات کے اندھیرے میں مفلوک الحال افراد
کی مدد کیا کرتا تھا۔ اس لئے غریبوں میں رات کا دیوتا کہلانے لگا تھا۔ جب انگریزوں کے
ہاتھوں شکست کھا کر مارا گیا تو ان اطراف کے غریبوں نے برسوں اس کا سوگ منایا تھا۔ پھر
کسی بت تراش نے ایک بہت بڑی چٹان سے اس کا بت تراشا..... وہ بت آپ شاہد عزیز
والی فلم میں دیکھ چکے ہیں۔ اسی بت کے نیچے سے ایک خفیہ راستہ پڑوسی ملک تک جاتا ہے۔
آج کل اس کا علم شمشاد کے گروہ کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں۔ ہاں تو اسی رات کے دیوتا کے
مقابل انہوں نے ''ریت کا دیوتا'' تخلیق کیا، جو ''پاسورڈ'' کی حیثیت سے بھی استعمال ہوتا
ہے۔ عاقل خان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ گروہ میں شمشاد کی کیا حیثیت ہے.....
ہاں..... بس ادھر آجایئے بائیں جانب۔''

ہموار راستہ چھوڑ کر وہ بائیں جانب والی ایک پتلی سی دراڑ میں داخل ہوئے جس کا
اختتام ایک غار کے دہانے پر ہوا تھا۔ شیر علی خاں نے دیا سلائی کھینچی اور ہلکی سی روشنی آس

پاس پھیل گئی۔ پھر اس نے دو موم شمعیں روشن کی تھیں۔ یہاں انہیں واٹر کول انجن والی موٹر سائیکلیں نظر آئیں۔ اس کے بعد کسی گوشے سے اس نے خاکی رنگ کی کچھ ٹوپیاں نکال کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''اپنے سائز کی منتخب کر لیجئے۔'' تھوڑی دیر بعد دونوں موٹر سائیکلیں دھکیلتے ہوئے مسطح راستے کی طرف چلے جا رہے تھے۔ خاکی ٹوپیوں نے ان کے چہرے بھی ڈھک لئے تھے۔ صرف آنکھیں سوراخوں سے جھانک رہی تھیں۔ راستے پر پہنچ کر وہ موٹر سائیکلوں پر بیٹھے اور سفر پھر شروع ہوگیا۔ یہ راستہ اتنا کشادہ بھی نہیں تھا کہ دو موٹر سائیکلیں برابر سے چل سکتیں۔

چودھری شیر علی کی گاڑی آگے تھی۔ پندرہ یا بیس منٹ چلنے کے بعد اچانک ایک جگہ ایک آدمی رائفل تانے ہوئے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''ریت کا دیوتا'' شیر علی نے بدلی ہوئی آواز میں چیخ کر کہا اور اس نے ایک طرف ہٹ کر انہیں سلامی دی۔ موٹر سائیکلیں آگے نکل چلی گئیں۔

اسی طرح مزید دو جگہ روکے گئے اور پاسورڈ ''ریت کا دیوتا'' انہیں آگے بڑھاتا رہا۔ حتیٰ کہ ''رات کے دیوتا'' کے بت تک آ پہنچے۔ موٹر سائیکلیں روکی گئیں اور شیر علی خان نے اس جگہ تک ان کی رہنمائی کی جہاں سے خفیہ راستہ دوسرے ملک تک جاتا تھا۔

یہاں ایک بڑے غار میں انہیں بہت سا تجارتی سامان دکھائی دیا جس کی نگرانی چار آدمی کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''ایک زندہ مال بھی ہے صاحب۔''

''لاؤ.....؟'' شیر علی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس پر ایک آدمی اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ شیر علی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

''کاغذات.....!'' باہر نکل کر اس نے اجنبی سے کہا اور اجنبی نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

واپسی کے سفر میں اجنبی اس کی موٹر سائیکل کے کیریئر پر بیٹھا تھا۔

دن رہے ہی وہ اس جگہ واپس آ گئے جہاں شمشاد اور اس کے ساتھی قیدیوں کی حیثیت سے بندھے پڑے تھے۔

''ثبوت مکمل ہو چکا ہے شمشاد صاحب۔'' شیر علی نے زہر آلود لہجے میں کہا۔ ''یہ دیکھیے

زندہ مال بھی ہاتھ لگا ہے۔''

شمشاد حلق پھاڑ پھاڑ کر اسے گالیاں دینے لگا۔ اسی دوران میں اس زندہ مال کے ہاتھ بھی باندھ دیئے گئے۔

''ہاں تو کرنل صاحب۔'' شیر علی نے فریدی سے کہا۔ ''یہ زندہ مال اسی ملک کا جاسوس ہے جو شمشاد صاحب کے ذریعے ہمارے یہاں کھپایا جاتا۔ اس کا طریقہ شمشاد صاحب ہی بتائیں گے۔ اب تک تقریباً سوا سو جاسوس اس وطن فروش کے توسط سے اندرون ملک پہنچ چکے ہیں۔ یہ لیجئے اس کے کاغذات جو یہ شمشاد کے لئے لایا تھا۔''

دوسرے دن جب فورس کے ساتھ اس جگہ پر چھاپا مارا گیا تو شاہدہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ وہاں سے پندرہ آدمی گرفتار کئے گئے اور لاکھوں کا مال ہاتھ آیا جو پڑوسی ملک سے اسمگل کیا گیا تھا۔

شاہدہ نے حمید سے کہا۔ ''آپ تو شدت سے بور ہو رہے ہوں گے لاکھوں کی جائیداد کے مالک ہوتے ہوتے رہ گئے۔''

فریدی حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور حمید تڑ سے بولا۔ ''آخر کس کس کی جائیدادیں سمیٹتا پھروں گا۔ کرنل صاحب اسی ڈر سے شادی نہیں کرتے کہ اگر کوئی وارث پیدا ہوگیا تو بیچارہ حمید ان کی جائیداد کا مالک کیسے بنے گا..... اور میرے ساتھ یہ پرابلم ہے کہ میں اپنا وارث کسے بناؤں گا کیونکہ ابھی تک لاولد ہوں اور مرتے دم تک لاولد رہنے کا ارادہ ہے۔''

''کیوں بکواس کر رہا ہے۔'' شیر علی آنکھیں نکال کر بولا۔

حویلی میں واپس آ کر جب وہ شام کی چائے پی رہے تھے شیر علی نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔ ''آپ نے مجھے تہہ خانے میں ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔''

''تلاش کر کے نظر انداز کر دیا تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اسلئے کہ میں آپ کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ آپ نے تہہ خانے کے نیچے بھی تہہ خانے بنوائے ہیں۔ کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں۔ بہرحال آپ کو عدالت میں جواب دہی کرنی پڑے گی کہ آپ نے براہِ راست انتظامیہ کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کرنے کی بجائے یہ ڈرامہ کیوں کیا؟''

''میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر کہتا ہوں کہ اگر میں باضابطہ طور

پر کوئی کارروائی کرتا تو آپ لوگ شمشاد پر ہاتھ نہ ڈال سکتے۔"

"عاقل خان کے علاوہ اور کسی کے پاس اس کے خلاف ثبوت نہ تھا اور آپ خ
کہ اس نے اسے کس طرح ٹھکانے لگادیا۔ نہ صرف ٹھکانے لگا دیا بلکہ آپ لوگوں کو
پر ڈالنے کی کوششیں کر ڈالیں کہ آپ زندگی بھر عاقل خان کو تلاش کرتے ہی رہ جاتے۔"

"پلیز..... پلیز.....!" شاہدہ ہاتھ اُٹھا کر بولی۔ "اس مہم کو سر کرنے کا سہرا صرف م
سر ہے..... اگر میں اس لاش کی تصویر نہ لے لیتی تو آپ عاقل خان کو تلاش ہی کر
جاتے۔"

"یہ بات تو ہے.....!" فریدی نے اعتراف کیا۔

"ایک بار پھر مرد بن کر دکھا دو۔" حمید گھگھیایا اور شیر علی خان شاہدہ کی طرف
ہنس پڑا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 114

سانپوں کا مسیحا

(مکمل ناول)

پیشرس

''سانپوں کا مسیحا'' حاضر ہے۔ بہت دنوں کے بعد فریدی، حمید اور قاسم سے آپ کی ملاقات ہو رہی ہے۔ انور کی بھی ایک جھلک دیکھ لیجئے اور شکایت کیجئے کہ فریدی بھی محض ایک جھلک ہی بن کر رہ گیا ہے اور پھر یہ کہئے کہ کہانی مزید پھیلاؤ چاہتی ہے اور میں عرض کروں کہ کاغذ.....؟

چلئے نہیں روتا کاغذ کا رونا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس وقت جب میں سطور لکھ رہا ہوں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس کتاب کے لئے کاغذ بھی فراہم کر سکوں گا یا نہیں یا پھر فراہم شدہ کاغذ کی قیمت کتاب کی قیمت کا قیمہ کرتی ہے یا؟ خیر جانے دیجئے۔ اللہ مالک ہے۔ یہ کتاب تو بہر حال اسی قیمت پر آپ تک پہنچے گی۔

ایک صاحب رقم طراز ہیں کہ آپ خود ہی نیوز پرنٹ کا ایک کارخانہ کیوں نہیں قائم کر دیتے؟ تجویز معقول ہے لیکن دشواری یہ ہے کہ آج کل افیون پرمٹ کے بغیر نہیں ملتی ورنہ ضرور قائم کر دیتا۔ بس چھ ماشے یومیہ کافی ہوتی۔

ایک صاحب نے کویت سے لکھا تھا کہ پاکستان میں بہت سا کاغذ پرائمری اسکولوں کے ذریعے ضائع کرا دیا جاتا ہے۔ اگر ابتدائی تعلیم کے لئے کاغذ کی بجائے سلیٹ اور بتی سے کام چلایا جائے تو کاغذ کی کتنی بچت ہوگی۔

یہ تجویز بھی معقول ہے لیکن اس میں ایک دشواری ہے، اگر قوم کے بچے سلیٹ اور بتی کے عادی ہو گئے تو پھر یونیورسٹی پہنچ کر بھی سلیٹ اور بتی ہی پر مصر رہیں گے۔ کہ نہایت وضعدار بچے ہیں۔ ماشاءاللہ۔

بہر حال ان صاحب نے کاغذ کی بچت کے سلسلے میں جو شماریاتی نقشہ بھیجا تھا اس کے متحمل یہ دو صفحات نہ ہو سکیں گے۔ ورنہ اُسے بھی پیش کر دیتا۔

اُف فوہ..... کہا تھا کہ کاغذ کی بات نہیں ہوگی، لیکن پھر وہی کاغذ۔ ابتداء کاغذ اور انتہا کاغذ کہ کرنسی نوٹ بھی کاغذ ہی پر چھپتے ہیں اور اسی کاغذ کی وجہ سے کاغذ کے دام چڑھتے جا رہے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ کاغذ جیبوں میں پہنچے اور پبلشرز کاغذ کی ناؤ پر سوار اس جہاز کی تلاش میں سرگرداں ہیں، جو کسی دوسرے ملک سے سستا کاغذ لانے والا ہے، اپنے ملک میں بننے والا کاغذ تو کم قیمت کتابیں چھاپنے والے پبلشرز کی قوت خرید سے باہر ہو چکا ہے اور کیوں نہ ہو جائے جب کہ جواہرات اور ریشم کی لگدی سے تیار کیا جاتا ہے۔

والسلام

ابن صفی

۲۳/۰۲/۱۹

سانپ اور لومڑی

بہت بڑا ٹرک تھا اور اس پر بہت بڑے بڑے سربند ڈرم لدے ہوئے تھے، ان ڈرموں کو رسیوں سے اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے کھسک نہ سکیں۔ ڈرائیور کے علاوہ ایک اور آدمی بھی ٹرک پر موجود تھا۔

ٹرک کی رفتار زیادہ تیز نہ تھی۔ غالباً احتیاط مدِ نظر تھی، ورنہ سڑک پر تو سناٹا تھا۔ ڈرائیور کو تیز رفتاری کے کمالات دکھانے سے کون باز رکھ سکتا۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ ہوا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔

ڈرائیور کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔ ”اب یہی دیکھو! ہمیں معلوم نہیں کہ یہ ڈرم کہاں جائیں گے اور ان کا مصرف کیا ہے۔“

”جاننے کی ضرورت بھی کیا ہے چودھری! ہمیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ ہاں تو تم مجھے غیر ملکی جاسوسوں کے قصے سنا رہے تھے۔“

ارے ہاں..... میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھیں تو انہیں بہت آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے۔ یہ باہر سے آتے ہیں اور ہمارے یہاں کے حالات سے پوری طرح

واقف نہیں ہوتے۔ اس لئے کبھی کبھی بہت ہی معمولی قسم کے لوگ انہیں پکڑ لیتے ہیں۔ کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے، ایک آدمی شکروال کے ریلوے اسٹیشن پر بیٹھا ایک مسافر سے کہہ رہا تھا کہ وہ کمرانوالہ کا رہنے والا ہے اور وہیں جا رہا ہے، لیکن جب بکنگ شروع ہوئی اور کھڑکی پر ٹکٹ لینے پہنچا تو بکنگ کلرک کو کمرانوالہ کے ایک ٹکٹ کے لئے دو روپے دیئے۔ تم جانتے ہو شکروال سے کمرانوالہ تک کے لئے صرف پچھتر پیسے لگتے ہیں۔ بکنگ کلرک نے ایک روپیہ پچیس پیسے اُسے واپس کردیئے۔ لیکن وہ مسافر جو اس کے پیچھے کھڑا تھا کھٹک گیا کیونکہ وہ اسے بتا چکا تھا کہ وہ کمرانوالہ کا رہنے والا ہے۔ گاڑی آنے میں ابھی دیر تھی۔ شبہے میں مبتلا ہو جانے والے مسافر نے ڈیوٹی کانسٹیبل سے اپنے شبہے کا اظہار کردیا۔ بس بھائی دھر لئے گئے..... پوچھ گچھ ہوئی تو اعتراف کرنا پڑا کہ فوجوں کی نقل و حرکت کی جاسوسی کرنے کے لئے سرحد پار سے تشریف لائے تھے۔ تم نے دیکھا کہ بکنگ کلرک نے اس پر توجہ نہیں دی تھی کہ اس نے کمرانوالہ کے ایک ٹکٹ کے لئے دو روپے دیئے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ جلدی میں رہا ہو لیکن ایک مسافر نے اس کی غلطی کی بناء پر اُسے گھر تک پہنچا دیا۔“

”ہاں چودھری..... ہمیں ہر وقت چوکس رہنا چاہئے۔“

”ہوں..... مگر چوکس رہنے کے لئے بھی عقل چاہئے۔ اب یہی دیکھو کہ ہم نہیں جانتے آخر یہ ڈرم حقیقتاً کہاں جائیں گے۔“

”بھلا اس کا اس بات سے کیا تعلق چودھری۔“

”بالکل تعلق ہے استاد۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔“

”کس پر.....؟“

”اسی پر کہ تم ان ڈرموں کو ایک ویران جگہ پر اتارتے ہو اور وہیں سے واپس چلے جاتے ہو۔ کس کے لئے لاتے ہو، تم نہیں جانتے۔ دور دور تک کسی کا پتہ نہیں ہوتا۔“

”کمپنی جانے، میری بلا سے۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ ادھر کے پھیرے پر بھتہ بھی ڈبل ملتا ہے۔“

”دیکھو استاد! یہ سرحدی علاقوں کے جنگل ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ ڈرم سرحد پار اسمگل ہوجاتے ہوں۔ تم پر صرف تمہارے خاندان ہی کی ذمہ داری نہیں۔ ملک و قوم کا بھی حق ہے تم

پر۔ پھیرے لگا لگا کر بھتہ بھی بناتے رہو اور یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ ان
مصرف کیا ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... میں سمجھ گیا۔ لیکن منیجر صاحب کا حکم ہے کہ ڈرم اُتار کر فو
چل دوں۔''

''مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ کبھی ٹرک اسٹارٹ ہی نہ ہو سکے۔ مطلب یہ کہ جب
اتار چکو۔''

''لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

''پھر وہی بے عقلی کی بات۔ بھلا کس طرح چوکس رہو گے۔''

''میں نہیں سمجھا چودھری۔''

''ڈرم اتار دینے کے بعد یہ ظاہر کرو کہ ٹرک اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہا۔ ڈسٹری بیوٹر
کھول ڈالو۔''

''ہاں..... یہ ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر آج ہی..... کم از کم آدھے گھنٹے تک رک کر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔''

''وہاں سانپ بہت ہیں چودھری۔''

''ہاتھی تو نہیں ہیں، جنہیں ہم پیروں سے کچل نہ سکیں۔''

''رات ہو جائے گی۔''

''پرواہ نہ کرو۔'' چودھری بولا۔ ''ہم اُجالے ہی اجالے وہاں پہنچیں گے اور ظاہر
آدھے گھنٹے میں رات نہیں ہو جائے گی۔''

''اچھا دیکھیں گے۔'' ڈرائیور نے طویل سانس لی۔

کچھ دیر بعد ٹرک ایک کچے راستے پر مڑ گیا جس کے دونوں اطراف میں قد آدم
جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا۔ ادھر شیشم کے درختوں کی بہتات تھی۔

''بھلا بتاؤ..... سرحد یہاں سے کتنی دور ہے؟'' چودھری بڑبڑایا۔

ڈرائیور کچھ نہ بولا۔ بالآخر وہ اس جگہ جا پہنچے جہاں ڈرم اتارنے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کام کیلئے قریباً سو مربع گز کا ٹکڑا خاص طور پر صاف کیا گیا

38

دونوں نیچے اترے اور ڈرائیور بار برداری والے حصے پر چڑھ کر رسیاں کھولنے لگا۔
چودھری جھاڑیوں کے قریب کھڑا تھا۔ ڈرائیور نے ڈرم نیچے لڑھکانے شروع کئے جن
کی آوازوں سے جنگل کا سناٹا لرزنے لگا تھا۔

دفعتاً ڈرائیور نے چودھری کی چیخ سنی اور خود گرتے گرتے بچا۔ چودھری اپنی داہنی
پنڈلی ہاتھوں سے دبائے بیچاری کی طرح چیخ رہا تھا۔

''کک..... کیا ہوا چودھری؟''

''کک..... کاٹ لیا..... ہائے سانپ..... اب تک..... کیا ہو گا۔''

''کک..... کاٹ لیا؟'' ڈرائیور پر مزید بوکھلاہٹ طاری ہو گئی۔

وہ چودھری کے گرد ناچ رہا تھا۔

''ارے..... کچھ کرو..... ہائے میں مرا۔''

''کک..... کیا کروں..... مم..... میں کیا کروں۔

چودھری نے پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا۔ ''بچاؤ..... بچاؤ۔''

''کون ہے؟ کہاں ہے..... کیا ہے؟'' کسی قدر فاصلے سے آواز آئی۔

''سانپ..... سانپ.....!'' ڈرائیور حلق پھاڑ کر چیخا۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے بائیں جانب والی جھاڑیوں میں بھونچال آ گیا ہو۔

''کیا ہوا.....؟'' جھاڑیوں سے ایک چہرہ برآمد ہوا۔

''سس..... سانپ نے ڈس لیا۔'' ڈرائیور چودھری کی طرف ہاتھ اُٹھا کر چیخا۔

اجنبی جھاڑیوں سے باہر آ گیا تھا۔ ادھیڑ عمر کا ایک تنومند آدمی تھا۔ خاکی کوٹ اور خاکی
پتلون میں ملبوس تھا۔ پنڈلیوں تک چرمی رائیڈنگ بوٹ چڑھے ہوئے تھے۔

وہ چودھری پر جھپٹ پڑا۔

[illegible] پنڈلی پر پھوٹ آنے والی خون کی بوند اجنبی کی انگلی پر منتقل ہو چکی تھی۔ اس
[illegible] سے انگوٹھے [illegible] سونگھا اور ہنس پڑا۔

[illegible] چودھری بھی چونک کر اُسے گھورنے لگا تھا۔

''[illegible] گیا ہوتا [illegible]'' اجنبی چہکا۔ ''وہ سانپ اتنی دیر میں مر چکا ہوتا۔ تم

نہیں مر سکتے۔ بے فکر رہو۔ تم اس سانپ سے بھی زیادہ زہریلے ہو۔ تمہیں ڈس کر
ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔''

''صاحب یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔'' ڈرائیور روہانسا ہو کر بولا۔

''میں مذاق نہیں کر رہا۔'' اجنبی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''اسے ثابت کر
سانپ نے ڈسا نہیں بلکہ وہ بیچارہ خود ہی ڈسا گیا ہے۔ اسے تم سیدھے کھڑے
اُٹھو...... ''

اس نے چودھری کو کھینچ کھانچ کر زبردستی کھڑا کر دیا۔ ڈرائیور کی زبان گنگ ہو کر رہ

''یقین کرو میرے دوست تمہیں کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' اجنبی نے چودھری کا
ہوئے کہا۔ ''لیکن نہیں..... ٹھہرو..... میں اسے تلاش کرتا ہوں۔ وہ زیادہ دور نہ جا سکا

پھر اس نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ چودھری کو آرام سے ٹرک پر بٹھا دے۔ اس
ڈرائیور ہی کی مدد سے اس نے سانپ کی تلاش شروع کی تھی۔

''کیا وہ یہاں کھڑا تھا.....؟'' اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

''جج..... جی ہاں..... اسی جگہ۔''

''ٹھیک! تو تم یہیں ٹھہرو..... میں جھاڑیوں میں گھستا ہوں۔ تم مت آنا..... کہیں
نہ ڈسے جاؤ۔ اس قسم کے جوتے میں اسی لئے پہنتا ہوں۔''

اجنبی جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور نے اس کا قہقہہ سنا تھا۔
وہ جھاڑیوں سے برآمد ہوا تو اس کے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا مردہ سانپ تھا۔ ''لو
یہ دیکھو..... یہ رہا تمہارا شکار۔''

اس نے مارگزیدہ چودھری کو مخاطب کیا۔

چودھری خوفزدہ نظروں سے سانپ اور اجنبی کو دیکھے جا رہا تھا۔

''میری شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ نیچے اُترو۔'' اجنبی نے چودھری سے کہا۔

چودھری نے سہمے ہوئے انداز میں اس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

''اب اسے اپنے ہاتھ سے دور پھینک دو۔'' اجنبی نے مردہ سانپ اس کی
بڑھاتے ہوئے کہا۔

چودھری بوکھلاہٹ میں پیچھے ہٹ گیا۔

''ڈر لگتا ہے صاحب۔'' ڈرائیور بولا۔ ''آپ ہی پھینک دیجئے۔''

''خیر..... خیر.....!'' اجنبی نے سانپ کو ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اسے
ہمیشہ یاد رکھنا کہ تم بے حد زہریلے ہو۔ تمہارے خون کا ایک قطرہ کسی بھی جاندار کو پل بھر میں
موت کے گھاٹ اُتار سکتا ہے لیکن افسوس کہ میں صرف سانپوں کا معالج ہوں۔ تمہاری کوئی
مدد نہیں کر سکتا۔''

''صص..... صاحب..... کہیں کچھ دیر بعد نہ کوئی گڑبڑ ہو جائے۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''کچھ بھی نہ ہوگا..... یہ زندہ رہیں گے۔ ویسے اگر تم ڈر رہے ہو تو میری قیام گاہ پر چل
سکتے ہو۔ رات وہیں گزارنا۔''

''آپ کہاں رہتے ہیں؟''

''ریلوے اسٹیشن کے قریب۔ یہاں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر۔ میری گاڑی
کھڑی ہے۔ میری دانست میں یہی مناسب ہوگا کہ میں انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔''

''چلے جاؤ چودھری۔'' ڈرائیور نے کہا۔ ''صبح والی گاڑی سے واپس چلے آنا۔''

''اچھا..... مگر صاحب کو بڑی تکلیف ہوگی۔'' چودھری نے نحیف آواز میں کہا۔

''نہیں مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔'' اجنبی بولا۔ ''تم بے تکلفی سے چلو۔ بہت سے لوگ
محض گھبراہٹ کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ ہر سانپ زہریلا نہیں ہوتا۔''

''لل..... لیکن..... میرا زہر۔''

''اس کی تدبیر بھی ہو جائے گی۔ تم فکر نہ کرو۔''

اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ڈرائیور نے چودھری کو اجنبی کی گاڑی تک پہنچنے میں مدد دی۔

''چودھری.....!'' اس نے رخصت ہوتے وقت کہا۔ ''صاحب بہت اچھے آدمی معلوم
ہوتے ہیں۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔''

کیپٹن حمید نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں کتے کی طرح بھ
کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

آدھے گھنٹے بعد دسویں بار اس نے یہ حرکت کی تھی اور یہ فون قاسم کا تھا۔

قاسم گھر پر موجود نہیں تھا۔ اس کی بیوی بھی کہیں گئی ہوئی تھی۔ حمید نے ملازموں
تھا کہ وہ وہیں ٹھہر کر قاسم کا انتظار کرنا چاہتا ہے۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ حمید
کے لئے اجنبی تو تھا نہیں کہ وہ اس کی نگرانی کی غرض سے بار بار ڈرائنگ روم میں آتے۔

بہرحال حمید نے اب تک ہر تین منٹ کے بعد کسی نامعلوم آدمی کے نمبر ڈائیل
تھے اور بڑے سلیقے سے بھونکتا رہا تھا۔

پھر ایسا ہوا کہ قاسم اور ٹیلی فون کے محکمے کا ایک آفیسر ساتھ ہی ساتھ وہاں آپہنچا
کمپاؤنڈ میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوگیا۔

''آپ کا فون کاٹ دیا جائے گا۔'' آفیسر نے سخت لہجے میں کہا۔

''ذرا کاٹ کر تو دیکھو..... پورے محکمے کو اُلٹ دوں غا۔''

حمید نے یہ آوازیں سنیں اور باہر نکل آیا۔ قاسم مزید کچھ کہنے والا تھا لیکن حمید کو دیکھ
منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''کیا قصہ ہے؟'' اس نے ان کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''تم یہاں کب سے ہو؟'' قاسم نے اسے گھورتے ہوئے الٹا سوال جڑ دیا۔

''بہت دیر سے تمہارا انتظار کررہا ہوں۔ تمہاری مسز بھی تشریف نہیں رکھتیں۔''

''اب میں قچھ نہیں کہہ سکتا۔'' قاسم نے آفیسر کی طرف مڑ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''بہرحال۔ یہ تحریری وارننگ رکھئے۔'' آفیسر نے قاسم کی طرف ایک لفافہ بڑھاتے
ہوئے کہا۔ ''دوسری شکایت پر فون کاٹ دیا جائے گا۔''

''بات کیا ہے؟'' حمید نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''بھائی فرماتے ہیں کہ میرے فون پر کتا بھونکتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ فون پر تمہاری آواز ایسی ہی لگتی ہو۔''

''دیکھو..... میں قہتا ہوں..... مجھے غصہ نہ دلاؤ۔''

''کیوں صاحب؟ آپ ہی کچھ بتایئے۔'' حمید نے آفیسر کو مخاطب کیا۔

''آپ ہی سے پوچھ لیجئے۔'' کہتا ہوا آفیسر اپنے اسکوٹر کی طرف بڑھ گیا۔

قاسم حمید کی طرف مڑا اور اُسے اس طرح گھورتا رہا جیسے مار ہی بیٹھے گا۔

''اگر یہ بات ہے تو میں واپس جارہا ہوں۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''نہیں! قیا جرورت ہے۔ ہمیشہ کیلئے یہیں ڈیرہ ڈال دو اور میری ناک کاٹتے رہو۔''

''اے..... کیا تم مجھ پر ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہو۔'' حمید نے بھی آنکھیں نکالیں۔

''تو پھر تون بھونک رہا تھا فون پر۔ قوئی میرے یہاں کتے پلے ہوتے ہیں۔''

''اوہ..... اب سمجھا..... تو یہ ٹیلی فون کے محکمے کا کوئی آدمی تھا۔''

''جھینگے کا آدمی تھا۔'' کہتا ہوا قاسم آگے بڑھ گیا۔

''اچھی بات ہے..... میں جارہا ہوں۔''

''تم نہیں جاسکتے..... تمہیں بتانا پڑے گا۔'' قاسم پلٹ پڑا۔

''کس لونڈیا کے باپ پر بھونک رہے تھے۔''

''واقعی تمہارا دماغ چل گیا ہے۔''

''پھر وہ خامخاہ آیا تھا۔''

''کبھی کبھی غلط فہمی بھی ہوجاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کسی اور کے فون سے یہ حرکت ہوئی ہو۔''

''تم قیوں آئے تھے؟''

''میں ایک فلم بنانا چاہتا ہوں۔ لیکن بزنس تمہارے نام سے ہوگا۔''

''قیا مطلب.....؟''

''سرکاری ملازم ہوں نا..... اس لئے اپنے نام سے بزنس نہیں کرسکتا۔''

''ڈیری فارم کیوں نہیں کھول لیتے۔ فلم بنا کر قیا قرو گے۔ فلاپ ہوغئی تو۔ بھینس دودھ نہ
دے گی تو ذبح کر کے کھائی جائے غی۔''

''بے حد عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔ مگر میں فلم ہی بنانا چاہتا ہوں۔''

''آخر قیوں.....؟''

''ایک لڑکی کو ہیروئن بنانا ہے۔''

''میرا کیا فائدہ ہوگا۔''

''مفت کی تفریح۔''

''نہیں چلے گی۔ میں نے آج تک قوئی لمبی تڑنگی اور موٹی تازی ہیروئن نہیں دیکھی۔''

''ہیروئن کے علاوہ اور بھی تو کردار ہوتے ہیں۔ ہیروئن کی ماں لمبی تڑنگی، ہیرو کی بہن خو تگڑی سی، ہیروئن کی بہن بھی تمہارے ہی معیار کی۔ ان سب کرداروں کیلئے تم ہی انتخاب کرنا۔''

''نہیں بیٹا..... ہمیشہ میں ہی مارا جاتا ہوں۔ اپنی ایسی کی تیسی میں جائے۔ میں تو چپاتی بیغم کے ساتھ مل قر اب سوشل ورک کروں غا..... اس میں بھی تو لونڈیوں سے ملاقا ہوتی ہے۔''

''ہے ہے..... شکل دیکھئے گا جناب کی۔ چپاتی بیغم کے ساتھ لونڈیاں دیکھیں گے۔''

''ہاں..... ہاں..... دیخیں گے۔ چلتے پھرتے نجر آؤ۔''

''اچھا..... ٹاٹا.....!'' حمید نے کہا اور اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

لیکن ابھی انجن بھی اسٹارٹ نہ کر پایا تھا کہ ایک لمبی سی سیاہ گاڑی کمپاؤنڈ میں داخ ہوئی اور سیدھی پورچ میں چلی گئی۔ قاسم پورچ کے قریب پہنچ چکا تھا اور سیاہ گاڑی سے ''چپا بیغم'' اتری تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گاڑی کی بجائے بچ مچ جلتے توے پر سے اُتری ہوں۔

حمید نے گاڑی اسٹارٹ کی اور سیدھا پورچ کی طرف لیتا چلا گیا۔

''لو..... دیخو بیٹا۔'' قاسم غصیلے لہجے میں دہاڑا۔ ''تم مجھے زندہ رہنے دو غے یا نہیں۔''

''بکواس بند کرو۔'' اس کی بیوی دہاڑی۔ ''تمہیں اس حرکت کا مقصد بتانا پڑے گا۔''

''کیا قصہ ہے.....؟'' حمید گاڑی سے اُترتا ہوا بولا۔

''قصہ ان کے والد صاحب کے کان میں بھونک رہا تھا۔ سالے بیٹا!'' قاسم جلے لہجے میں بولا۔

''یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہمارے ہی فون سے کالیں ہوتی رہی تھیں۔'' اسکی بیوی غرائی۔

''میں گھر پر نہیں تھا اور یہ دگا باز یہاں میرا انتظار کر رہا تھا۔'' قاسم نے حمید کو گھونسہ دکھا کر کہا۔

وہ قہر آلود نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ کتنا بڑا کمینہ پن ہے۔'' حمید قاسم کو مخاطب کر کے بولا۔ ''تم مجھے محض اس لئے دے رہے ہو کہ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ لعنت ہے اگر اب کبھی تمہاری طرف رخ تھوکوں بھی۔''

''آپ کہاں تھے۔'' قاسم کی بیوی نے پوچھا۔

''ڈرائنگ روم میں۔''

''ہمارے یہاں تین انسٹرومنٹ ہیں۔ پھر یہ کسی نوکر کی حرکت ہوگی۔''

''نوکر تمہارے باوا کا کیا لگتا ہے کہ قان میں بھونکے غا۔''

''زبان بند کیجئے اپنی۔''

''بہرحال میں جا رہا ہوں۔ اب کبھی نہ آؤں گا۔'' حمید نے کہا اور گاڑی موڑ دی۔ قاسم بوی اسے آوازیں ہی دیتی رہ گئی تھی۔

پھاٹک سے گزر کر اس نے ایک جگہ گاڑی روکی اور جیبی ٹرانسمیٹر نکال کر کسی کو کال نے لگا، جواب ملنے پر بولا۔ ''زیٹو اسپیکنگ، تھری ناٹ، فور سکس فائیو ایٹ پر تین تین ٹ کے وقفے سے دس بار بھونکو.....!''

''اوکے سر.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید نے ٹرانسمیٹر ڈیش بورڈ کے نے میں رکھ دیا۔ اب پھر وہ اپنی گاڑی قاسم کی کوٹھی کی طرف موڑ رہا تھا۔

قاسم کی بیوی ڈرائنگ روم ہی میں موجود تھی اور قاسم بھی منہ پھلائے ایک طرف بیٹھا آیا۔ حمید کی واپسی پر بھی اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

''حقیقتاً میں نہیں سمجھ سکا کہ بات کیا تھی۔'' حمید نے قاسم کی بیوی سے کہا۔

''بیٹھ جائیے..... میں بتاتی ہوں۔ ابا جان کے فون پر کوئی کال کرتا تھا اور کتے کی طرح ونکنے لگتا تھا۔ انہوں نے دوسری لائن پر ایکسچینج کو مطلع کیا تھا۔ پھر پندرہ منٹ کے اندر اندر وفون ڈسکنکٹ کر لیا گیا جس سے کال آ رہی تھی۔''

''اور فون آپ کا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''اور اس دوران میں یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔''

''غلط نہ سمجھئے۔ میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ یہاں تین انسٹرومنٹ ہیں اور
ابا جان سے کیوں مذاق کرنے لگے۔''

''کوئی.....نوقر بھی قرسکتا۔'' قاسم دہاڑا۔ ''نہ وہ آپکے ابا جان کا سالا ہے اور نہ بہ

''اپنا پھوپھا کہیے۔ ان کا بہنوئی نہ کہیے۔'' قاسم کی بیوی جل کر بولی۔

''چلو یہی سہی۔''

پھر وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ قاسم کی بیوی نے لپک کر ریسیور اٹھا

''ہیلو.....اوہ..... یو شٹ اپ.....!'' اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور تیز
باہر نکل گئی۔

قاسم ہونقوں کی طرح حمید کو دیکھے جا رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اب وہ کتا کہیں اور سے بھونک رہا ہے۔'' حمید نے خشک لہجے میں ک

''تو پھر کوئی نوقر ہی ہوسکتا ہے۔'' قاسم بولا اور پھر دہاڑتا ہوا کھڑا ہوگیا۔ اتنے میں
کی بیوی بھی آ گئی۔ اس کے پیچھے ایک ملازم بھی تھا جس کے ہاتھوں میں عمارت کے
دونوں انسٹرومنٹ تھے۔

فون کی گھنٹی پھر بجی اور اس بار سم نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیو.....اچھا.....اچھا.....سالے بھونکے جاؤ..... میں تمہیں دیخ لوں غا.....ابے
سالے تو اب قیا قر رہا ہے، میرے پاس تو بھیج دیا تھا نوٹس۔''

''چھوڑو..... مجھے دو.....ریسیور.....!'' حمید اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

''اب کھاموش ہے۔''

حمید نے فوراً ہی ایکسچینج کے نمبر ڈائیل کئے اور شکایت درج کرا کے ریسیور رکھ دیا
بار پھر کتا بھونکا تھا اور چوتھی بار ایکسچینج سے اطلاع ملی تھی کہ اس کے لئے شہر کا ایک پبلک
فون بوتھ استعمال کیا گیا تھا۔

''آخر کیا چکر ہے؟'' قاسم کی بیوی نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

''اب تو پڑ گئی قلیجے میں ٹھنڈک۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''جو تمہارے ابا جان کے قان
میں بھونک رہا تھا، اب وہی میرا مغز چاٹ رہا ہے۔''

''بہرحال.....اب میں چلا.....اور کبھی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا۔''

''ٹھہر جاؤ.....سوشل ورق تی ایسی کی تیسی۔ میں تمہارے ساتھ فلم بناؤں غا۔''

فون کی گھنٹی پھر بجی..... قاسم اور اس کی بیوی صرف دیکھ کر رہ گئے۔ حمید نے ریسیور
اٹھایا۔ دوسری طرف سے کتے کی آواز سنائی دی تھی۔

''یار جو کوئی بھی ہو اب معاف ہی کردو۔'' اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''واقعی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

غالباً حمید کی آواز دوسری طرف پہچان لی گئی تھی۔ حمید نے ''واقعی'' کا جواب دیئے بغیر
ریسیور رکھ دیا۔

میز پر رکھے ہوئے انسٹرومنٹس میں سے ایک کی گھنٹی بجی اور فریدی نے فائیل سے توجہ
ہٹائے بغیر ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

''انفارمر ون تھرٹی سکس آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''روم نمبر گیارہ میں بٹھاؤ۔'' فریدی بولا۔

''وہ سول ہسپتال میں ہے جناب۔ چل پھر نہیں سکتا۔''

''تھرٹی سکس کے بارے میں تفصیل۔''

''اُسے آپ نے اسٹار آئرن ورکس کی سپلائیز کے بارے میں.....!''

''ٹھیک ہے۔'' فریدی بات کاٹ کر بولا۔ ''ہسپتال کے کس وارڈ میں ہے۔''

''ایمرجنسی وارڈ میں۔''

''اچھا.....!'' کہہ کر فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

سول ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں بستر نمبر سات کا مریض بے سدھ پڑا تھا۔

''چودھری.....!'' فریدی نے اسکے سرہانے جھک کر نرم لہجے میں آہستہ سے آواز دی۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھنا چاہا۔

''لیٹے رہو۔'' وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''تمہیں کیا ہوا، بالکل پیلے پڑ گئے ہو۔ پرسوں ہی تو ہم ملے تھے۔''

''بس زندگی تھی..... بچ گیا کرنل صاحب۔'' مریض نے گلوگیر آواز میں کہا اور پھر چودھری نے اپنی کہانی شروع کر دی۔

''ذرا ایک منٹ۔'' فریدی نے ایک مرحلے پر ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ ''کیا اس اجنبی نے ٹرک ان لوڈ کئے جانے سے متعلق بھی کوئی سوال کیا تھا۔''

''جی نہیں..... بالکل نہیں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' چودھری نے کہا اور پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''وہ مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر اس جگہ لے گیا تھا جہاں وہ بیمار سانپوں کا علاج کرتا ہے۔ رات گئے تک مجھے سمجھاتا رہا تھا کہ میں نہیں مروں گا۔ پھر اس نے مجھے کوئی دوا پلائی تھی۔ اسکے بعد مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ بہرحال آج صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں نے ایسا محسوس کیا جیسے چھ ماہ سے بیمار پڑا رہا ہوں۔ زبان ہلانے سے چکر آتے تھے۔''

''شہر کس طرح پہنچے؟'' فریدی نے سوال کیا۔

''اس کے ایک آدمی نے ٹرین پر سوار کرا دیا تھا۔ یہاں اسٹیشن پر اُترا تو دو قدم بھی نہ چل سکا۔ شاید مجھ پر غشی طاری ہوگئی تھی۔ دوبارہ ہوش میں آیا تو خود کو اس ہسپتال میں پایا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رات بھر میں صحت اس طرح کیسے گر سکتی ہے۔''

''فکر نہ کرو..... تمہارے گروپ کا خون فراہم کر لیا گیا ہے۔''

''اوہ..... تو کیا خون چڑھایا جائے گا۔''

''ہاں..... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ خون غیر معمولی طور پر ضائع ہوا ہے۔''

''لیکن..... دو یا تین قطروں سے زیادہ خون نہیں نکلا تھا۔'' چودھری نے بھرائی ہوئی

از میں کہا۔

''ہوں..... ذرا اپنا ہاتھ ادھر لاؤ۔'' فریدی نے کہا۔

پھر وہ اس کی دونوں کلائیاں دیکھتا رہا۔

''کرنل صاحب! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ سانپ کسی آدمی کو کاٹے اور خود مر جائے۔''

''فکر نہ کرو..... سب دیکھ لیا جائے گا۔ میں رات کو پھر آؤں گا۔''

پھر فریدی ڈاکٹر کے کمرے میں آیا تھا۔

''جی ہاں..... میرا خیال ہے کہ اس کے جسم سے سائنٹیفک طور پر خون نکالا گیا ہے۔''

''میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''لیکن اس کے خون میں کسی قسم کے بھی ہر کا سراغ نہیں مل سکا۔''

''براہِ کرم خون کے تجزیئے کی رپورٹ میرے محکمے کو بھجوا دیجئے گا۔''

''بہت بہتر جناب۔''

فریدی ہسپتال سے نکلا تو پانچ بج رہے تھے۔ اس کی گاڑی اب گھر یا دفتر کی بجائے نیاگرا ہوٹل کی طرف جا رہی تھی۔ شہری آبادی سے کچھ دور نکل آنے پر اس نے گاڑی ایک جگہ روکی اور ڈیش بورڈ کے بائیں جانب والے خانے سے لاسلکی فون کا ریسیور نکالا۔

''ہیلو.....!'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''میں فریدی بول رہا ہوں۔ دیکھو..... سول ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں بیڈ نمبر سات کے مریض پر کڑی نظر رکھو۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس سے متعلق ہسپتال کے عملے سے کسی قسم کی پوچھ گچھ تو نہیں کی جا رہی۔''

ڈیش بورڈ کے خانے میں ریسیور رکھ کر اُس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کیا اور نیاگرا ہوٹل کی طرف بڑھتا رہا۔ اُس کی آنکھوں سے گہرے تفکر کا اظہار ہو رہا تھا۔

حمید اور قاسم نیاگرا کی ایک میز پر اس طرح قابض ہو گئے تھے جیسے اسی پر شب بسری کا

بھی ارادہ رکھتے ہوں۔

قاسم چہک رہا تھا اور حمید کے قہقہے رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

''دیکھا... اسے کہتے ہیں مقدر...!'' اس نے قاسم کے چہرے کے قریب ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''کسی بھونکنے والے نے ہمیں اس قدر قریب کر دیا ہے کہ ہم اس وقت... وقت... کیا معلوم ہو رہے ہیں؟''

''ایک دوسرے کے والد صاحب۔'' قاسم کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

''میں نے تمہیں ایک بڑی مصیبت سے بچا لیا ہے۔''

''قیا مطلب...؟''

''تمہاری چپاتی بیگم بہت چالاک ہوتی جا رہی ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''سوشل ورک کی تجویز کس کی تھی؟''

''اسی قی۔''

''ہوں... اور تم سمجھے تھے کہ سچ مچ عیش کرو گے۔''

''ابے ہاں... بہت لونڈیاں ہوتی ہیں۔''

''ہوتی ہوں گی... لیکن تم اپنی چپاتی بیگم کی موجودگی میں کچھ نہیں کر سکتے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ ہر وقت تمہارے سر پر مسلط رہے۔''

''یہ بات تو ہے... اسی قی وجہ سے قسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ ابے جاؤ بھائی وہ واقعی اُلو بنا رہی ہے مجھے۔''

''لیکن جب تک میں زندہ ہوں تم اُلو نہیں بن سکتے۔'' حمید اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

''مگر یہ فلم ولم کا قیا چکر ہے۔ پیسہ قون لگائے گا۔''

''اپنے کرنل صاحب۔''

''نہیں... جھوٹ۔''

''کیوں؟''

''یکین نہیں آتا... قرنل صاحب اور فلم۔''

''تمہیں یقین کرنا پڑے گا... نوابزادوں کو انڈسٹری کی سوجھتی ہے تو فلم انڈسٹری کے علاوہ اور کچھ نہیں سجھائی دیتا۔''

''قیوں مذاک اڑا رہے ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ قرنل صاحب۔''

''شاید وہ نئے چہروں کی تلاش میں اس وقت بھی یہیں موجود ہوں۔''

''ٹھینگے سے... جلدی کچھ اور منگواؤ... بھوخ لگ رہی ہے۔''

''تین بجے سے اس وقت تک چار بار کھا چکے ہو۔''

''بس اسی بات پر تم سے بڈی جلتی ہے میری۔ میرے خانے میں نجر نہ لغایا قرو۔''

حمید نے ویٹر کو بلا کر ایک بار پھر قاسم کے لئے آرڈر پلیس کیا۔

''ہوں... یار سچ بتاؤ کیا چقر ہے۔'' قاسم اسے بے اعتباری سے دیکھتا ہوا بولا۔

''کیسا چکر...؟''

''تم آخر اتنی خاطر قیوں کر رہے ہو۔''

''واقعی بڑے ذلیل ہو۔ یہ میرے خلوص کی توہین ہے۔ اچھا میں چلا... پانچوں آرڈر کے بل تم ہی ادا کرنا۔''

حمید نے اٹھنا چاہا لیکن قاسم نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ''پچاس بار قربان اور میں واری صدقے... ایسا بھی قیا... تم کب سے لونڈیوں کیطرح بدکنے لگے۔''

حمید برا سا منہ بناتے ہوئے بیٹھ گیا۔ ویسے قاسم کے اس طرز تخاطب پر ہنسی آتے آتے رہ گئی تھی۔

''نہیں... جب مجھ پر اعتبار نہیں تو وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔'' اس نے ناخوشگوار موڈ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا... تو پوچھوں قرنل صاحب سے؟'' قاسم کی آنکھوں میں شرارت آمیز مسکراہٹ سی رقصاں تھی۔

''اجازت ہے۔''

ٹھیک اسی وقت فریدی بھی ڈائننگ ہال کے صدر دروازے میں دکھائی دیا۔

''وہ دیکھو...!'' حمید نے اشارہ کیا۔ ''آ گئے۔''

''اوہ.....ہو.....واقعی۔'' قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ فریدی
ایک مشہور فلم ڈائریکٹر بھی تھا۔

''یہ.....تت.....تو.....واقعی.....فلم۔'' قاسم دوبارہ ہکلا کر رہ گیا۔

فریدی ان کی طرف توجہ دیئے بغیر بال روم کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

''نہیں دیکھا۔'' قاسم نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

''بہر حال اب تو تمہیں یقین آ گیا۔'' حمید بولا۔

''بلقل.....بلقل.....!'' قاسم کے لہجے میں تشویش تھی۔

حمید پھر اُسے گھورنے لگا۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

''میں تمہیں فکر مند دیکھ رہا ہوں۔''

''ہاں.....ہے ہی فکر والی بات.....وہ میرا دقیانوس باپ۔''

''اوہو.....کسی کو پتہ ہی نہ چلے گا.....سب کاغذی باتیں ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ کاغذات تمہارے نام سے ہوں گے اور بس۔ اعلان نہیں کیا جائے گا
ایک موٹے کا مزید موٹا بیٹا فلم انڈسٹری سے منسلک ہوگیا ہے۔''

''دیکھو.....دیکھو.....جبان سنبھال کے.....ہاں۔''

''تم باتیں ہی ایسی کرتے ہو کہ مجھے غصہ آ جاتا ہے۔''

''ٹھینگے سے.....ہاں تو کیسی فلم بنے گی۔''

''جنگل فلم.....سرمایہ دار کی لڑکی اور غریب لڑکا دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئی ہیں

''غریب کی لڑکی اور سرمایہ دار کا لڑکا بھی تو ہوتا ہے۔''

''ہاں.....ہاں.....بہر حال بوریت ہی ہے۔ لڑکا اور لڑکی ہی سرے سے بوریت ہے

''ہائے.....تو کیا اب فرشتہ اور فرشتی پر فلم بناؤ گے۔''

''بکرا اور بکری پر بھی ایسی فلم دے سکتا ہوں کہ یہاں سے بالی وڈ تک دھوم مچ جائے

❖

کرنل فریدی نے ہاتھ اُٹھا کر حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور سامنے پھیلے ہوئے نقشے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ اس پر پنسل سے نشانات لگاتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد نقشے کو رول کر کے ایک طرف رکھ دیا اور حمید کی جانب دیکھے بغیر کہا۔ ''ہاں.....اب ہو.....کیا کہہ رہے تھے۔''

''سب سے پہلے تو یہ عرض کروں گا کہ آپ کئی دن سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر رہے۔''

حمید اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''اس کے بعد۔''

''پہلے اس رویئے کی وجہ معلوم کرنا چاہوں گا۔''

''اس رویئے کی وجہ.....بہتر ہوگا کہ اس سلسلے میں کچھ نہ پوچھو۔''

''ہوسکتا ہے اس ناراضگی کی وجہ کوئی غلط فہمی ہو۔''

''نہیں.....غلط فہمی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''تو پھر [illegible]''

''مت پوچھو.....ورنہ پھر تمہیں سزا بھگتنی پڑے گی۔''

''میرے لیے اس سے بڑی سزا اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ آپ دن میں کم از کم ایک بار بھی مسکرا کر میری طرف نہ دیکھیں۔''

فریدی اسے تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''یہ بھی گوارا ہے شعر سنئے۔''

وہ مسکرائے تو جاتے ہیں عذر پیہم پر
پر اس ادا میں بھی جھلکیاں عتاب کی ہیں

''کیا پر پراگا رکھی ہے۔ یہ بھی کوئی شعر ہوا۔ اظہار خیال کے لئے محض الفاظ کا انتخاب ہی کافی نہیں ہوتا۔ مناسب نشست الفاظ کے بغیر اچھے سے اچھا خیال بھی مسخ ہوکر رہ جاتا ہے۔''

''اے صنعت.....!''

"بس...!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم ادب کے پروفیسر نہیں ہو اور میں شعر کے موڈ میں کبھی نہیں ہوتا۔ تمہیں اس سلسلے میں جوابدہی کرنی ہے کہ تم نے اپنے کسی ذاتی مقصد کے حصول کے لئے ایک آدمی کو کیوں استعمال کیا...؟"

"مم.... میں نہیں سمجھا۔"

"پروڈیوسر کو فون پر جو کہنے کے لئے تم نے ہی تو کہا تھا۔"

"وہ ذاتی نوعیت کا کام نہیں تھا۔"

"ہوں.... تو پھر...؟"

"قاسم اس کے بغیر ہاتھ نہ آتا۔ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہونا ضروری تھا۔"

"میں نے اس کا نام یونہی لیا تھا، ضروری نہیں تھا کہ تم اس کیلئے جھگڑا کرانے بیٹھ جاتے۔"

"بہرحال.... میں یہی سمجھا تھا کہ آپ خصوصیت سے اسکے بارے میں سوچ رہے ہیں۔"

"خیر.... پروڈیوسر کی حیثیت سے وہ بھی بُرا نہ رہے گا۔ لیکن اسے سمجھا دینا کہ کچھ دنوں کے لئے گھر چھوڑنا پڑے گا۔"

"آخر چکر کیا ہے؟ کیا آپ مجھے کونفیڈنس میں نہیں لیں گے۔"

"فلم بنائیں گے بھئی۔"

"آپ....!" حمید طنزیہ انداز میں ہنسا۔

"فضول باتوں میں مت پڑو۔"

"لیکن آپ تو اصل فلم بنانے کے لئے کہہ رہے تھے۔"

"تم نے کس سے سنا ہے کہ میں رانجھا بنا رہا ہوں۔"

"لیکن آپ کے ساتھ جو ڈائریکٹر تھا وہ تو صرف پریم کہانیاں ہی فلماتا ہے۔"

"حمید صاحب! وہ صرف تکنیکی مشین کی حیثیت سے کام کرے گا۔ فلم تو آپ ڈائریکٹ فرمائیں گے۔"

"اسکرپٹ کون لکھے گا....؟"

"اس کی فکر نہ کرو۔"

"اچھی بات ہے۔ آپ فی الحال ہیروئن کو میرے حوالے کر دیجئے۔"

"ہاں.... یہ میں کر سکتا ہوں۔"

"کون ہے...؟"

"بس دیکھ لینا.... نام نہیں بتاؤں گا۔"

"کب دیکھ لوں گا....؟"

"ابھی چلو....!" فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

دونوں آفس سے نکل کر پارکنگ شیڈ میں آئے تھے اور لنکن شہر کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔

"قاسم کا کیا قصہ تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں.... بیوی نے راہ پر لگانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے ساتھ سوشل ورک کرتا پھر رہا تھا۔ میں نے سوچا دونوں میں جھگڑا کرائے بغیر کام نہیں چلے گا۔"

"ہوں....!"

"کیا ہوں....؟" حمید بھنا کر بولا۔

"آج کل اتنے چڑچڑے کیوں ہو رہے ہو۔"

"اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

"ہمیشہ یکساں روش۔"

"میں یکسانیت کو موت سمجھتا ہوں۔"

"تم صرف بکواس کرتے ہو۔ یکسانیت کو ناپسند کرنے والے تو سمندر میں چھلانگ لگا دیا کرتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں تنہا سمندر میں چھلانگ نہیں لگا سکوں گا۔"

"فلم کی ہیروئن بھی تمہارے ساتھ ہوگی۔"

"اوہ....! مجھے دلچسپی نہیں۔ خواہ مخواہ اشتیاق بڑھانے کی کوشش نہ کیجئے۔"

"کچھ بھی کہو.... ابھی نام نہیں بتاؤں گا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ خود ہی اس موضوع پر گفتگو کرنے سے احتراز کر رہا ہو۔

گاڑی کچھ دیر بعد ان کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور حمید پھر بھنا کر بولا۔

''یہاں آپ مجھے ہیروئن دکھائیں گے۔''

''کئی دن سے یہیں مقیم ہے۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ مزاحاً بھی جھوٹ نہیں بولتے۔''

''قدر افزائی کا شکریہ حمید صاحب..... ہاں میں مزاحاً بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اتریئے گاڑی سے۔ ہیروئن خود چل کر آپ تک نہیں آئے گی۔''

گاڑی سے اُتر کر وہ اُسے عقبی پارک کی طرف لے چلا تھا اور پھر وہاں پہنچ کر حمید جھلاہٹ اپنی آخری حدیں چھونے لگی۔

وہ ایک بڑے سے پنجرے کے قریب کھڑے تھے جس میں ایک لومڑی بند تھی۔

حمید اوپری ہونٹ بھینچے اُسے دیکھتا رہا۔

''کسی جنگل فلم کی ہیروئن صرف لومڑی ہی ہوسکتی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ہوسکتا ہے۔'' حمید نے سرد لہجے میں کہا اور دوسری طرف منہ کر کے کھڑا ہوگیا۔

فلم یونٹ

قاسم نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا ''ہیلو..... میں قاسم بول رہا ہوں۔ کھوسٹ بھائی..... تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ کتنی اکسٹرا لونڈیاں سپلائی کرئے ہو۔ بارہ..... ٹھیک ہے۔ قام بن جائے غا..... اور دیخو..... فرسٹ کلاس ہونی چاہئیں۔ ٹھیخ ہے۔''

ریسیور رکھ کر مڑا تو بیوی کی شکل نظر آئی۔ وہ اس کے پیچھے کھڑی دانت پیس رہی تھی۔

قاسم اس کی پرواہ کئے بغیر وہاں سے ہٹ گیا۔ لیکن بیوی پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھی۔ برآمدے ہی میں جالیا۔

''آپ گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتے۔''

''ارے واہ..... جرا شکل تو دیکھو۔''

''میں کہتی ہوں اگر آپ گھر سے باہر نکلے تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''قیا اچھا نہیں ہوغا..... اب نہیں چلے گی۔ بہت دن ڈرلیا ابا جان سے۔ جب چاہیں نہ ہوجائے۔''

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔''

''چرس پی رکھی ہے..... پھر.....؟'' قاسم آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

''پھر چلائے آپ میرے اوپر.....!''

''اچھا تو قیا توئی معاہدہ ہوا تھا کہ نہیں چلاؤں غا.....!''

''میں کچھ نہیں جانتی..... آپ گھر سے باہر نہیں جاسکتے۔''

''تم قیا کرلوغی؟''

''اپنی جان دے دوں گی۔''

''وہ قس طرح.....؟''

''جس طرح میرا دل چاہے گا۔''

''نہیں..... میں بتاتا ہوں..... اپنی امی جان سے قہو اسی طرح تمہارا مغز چاٹیں جس طرح ہمارے باوا کا چاٹتی ہیں۔ تمہارا قام تمام ہوجائے غا..... باوا جان تو بے حیا ہوگئے ہیں۔''

''خبردار جوان کا نام لیا۔''

''ہائے..... تو پھر قس کا نام لوں۔''

''خاموش رہئے۔''

''سامنے سے ہٹ جاؤ۔''

''باہر نہیں جاسکتے۔''

''اچھا تو پھر یہیں بلواتا ہوں ایکسٹرا لونڈیوں کو۔''

''ضرور..... ضرور..... یہیں فلم بنا کر رکھ دوں گی۔ ضرور بلوائیے۔''

''دیخو..... غصہ نہ دلاؤ..... ورنہ بلوا ہی لوں گا۔''

''بلوائیے..... مجھے منظور ہے۔''

قاسم بھنا کر مڑا اور سیدھا ڈرائینگ روم میں چلا آیا۔

اب وہ پھر فون پر ایکسٹرا اسپلائر کھوسٹ بھائی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ ''ہیلو!
قون ہے..... میں کھوسٹ بھائی سے بات قرنا چاہتا ہوں..... نہیں ہیں..... جہنم میں جا
پھر اتنے زور سے ریسیور کریڈل پر پٹخا کہ کمرہ گونج اٹھا۔

''توڑ ڈالو..... توڑ ڈالو'' عقب سے بیوی کی آواز آئی۔

قاسم جھلا کر مڑا۔ چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتا رہا پھر نرم لہجے میں بولا ''
بتاؤ۔''

''دس پوچھیے۔'' جواب ملا۔

''صرف ایک بات..... وہ یہ کہ کس ترقیب سے میرا پیچھا چھوڑو گی۔''

''مجھے زہر دے دیجئے۔''

''تل کر نہ کھا جاؤں..... اتی سی کو زہر کیا دوں غا'' وہ کلمے کی انگلی کے پاس
انگوٹھا رکھ کر بولا۔

''کھا نہیں سکے اسی کا تو افسوس ہے۔''

''الاقسم..... بڑی کچ کچ ہوغی..... اتی دبلی پتلی ہو کہ بڑی کُرکُری تلی جاؤ غی۔
مُرر..... چُرر..... مُرر..... ہائے ہائے۔'' وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ پھر پچ سے تھوک کر
قالین پر ماری۔

''ارے..... ارے..... قالین پر تھوک دیا، حواس ٹھکانے ہیں یا نہیں۔''

''سوچ قر منہ میں پانی آغیا'' وہ اپنی آنکھیں نشیلی بنا کر اُسے دیکھتا ہوا بولا۔
پسواؤں مرچ مسالا۔''

''آپ کچھ بھی کریں، اِس وقت گھر سے باہر نہیں جاسکتے۔''

''اور اغر..... میں تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں تو.....؟''

اس کا جواب دینے ہی والی تھی کہ ایک ملازم کسی کا ملاقاتی کارڈ لے کر کمرے م
ہوا۔

''قون آمرا.....!'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

اس کی بیوی نے کارڈ ملازم سے لے لیا اور باہر نکلی چلی آئی۔

برآمدے میں حمید کھڑا نظر آیا۔

''آپ سے بھی خدا ہی سمجھے حمید بھائی۔'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کیا ہوا.....؟''

''آپ نہیں جانتے؟''

''جانتا ہوں لیکن قاسم نہیں جانتا۔''

''قیا نہیں جانتا قاسم.....؟'' پشت سے آواز آئی اور حمید اس کی طرف مڑے بغیر بولا۔

ے غلط فہمی ہوئی تھی۔''

''کچھ بھی ہو۔'' قاسم کی بیوی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''آپ انہیں فلمسازی کے چکر
نہیں ڈال سکیں گے۔''

''یہ بھی میری والدہ صاحبہ ہوگئی ہیں۔'' قاسم طنزیہ انداز میں بولا۔ ''آج ہی قی بات ہے۔

''فضول باتیں نہ کیجئے۔''

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ سرمایہ قاسم کا نہیں لگے گا۔''

''لگے تو ٹھینگے سے نہ لگے تو ٹھینگے سے..... میں تو فلم پروڈیوسر ضرور بنوں گا۔''

''بات نہ بڑھاؤ'' حمید بولا۔

''اچھا تو یہ میرا قیا کر لیں غی.....؟''

''دو چپاتیاں اور پرہیزی شوربہ مقرر کر دیں گی۔''

''بس کھاموش..... زبان قو لگام دو..... تم سالے اور شہ دیتے ہو۔''

''سالا جو ٹھہرا اور تم پھر گالیوں پر اُتر آئے۔ کچھ دنوں پہلے کی بات ہے تم نے کہا تھا کہ
سالا کی بجائے برادران لا کہا کرو گے۔''

''ایق دن مہتر کو کہہ دیا تھا تو یہ بُرا مان گئی تھیں۔''

''خیر چھوڑو..... میں تو تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔''

''کس بات کی غلط فہمی؟''

''مطلب یہ کہ جنگل فلم کا وہ مطلب نہیں تھا جو ہم دونوں سمجھے تھے۔''

''قیا سمجھے تھے ہم دونوں۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"یہی کہ اس میں لڑکیاں وڑکیاں بھی ہوں گی۔"

"اچھا تو پھر.....؟"

"اس فلم کی ہیروئن ایک لومڑی ہے۔"

قاسم کی بیوی نے قہقہہ لگایا اور قاسم پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔ "تم جھو رہے ہو۔"

"کرنل صاحب گھر ہی پر ہیں۔ فون کر کے معلوم کر سکتے ہو۔"

"ابے میں نے تو ایکسٹرا لونڈیوں کا بھی انتظام قر لیا ہے۔" قاسم آپے سے باہر ہو بولا۔

"تو تم الگ سے ایک فلم بنا ڈالو۔"

قاسم کی بیوی مسلسل ہنسے جا رہی تھی۔

"چوپ رہو۔" قاسم اس پر الٹ پڑا۔

"میں تو پہلے ہی جانتی تھی۔"

"کیا جانتی تھی.....؟"

"دن رات لوگ آپ کو بیوقوف بناتے رہتے ہیں۔"

"تمہارے باوا جان بھی انہی میں شامل ہیں۔"

"پھر آپ نے ان لوگوں کا نام لیا۔"

حمید نے بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کی اور قاسم پھر اُسی کے سر ہو گیا۔

"سب تمہاری وجہ سے ہوتا ہے۔ اچھا تم ہی میرا پیچھا چھوڑ دو۔ دفان ہو جاؤ اور ا کبھی اپنی شکل نہ دکھانا اور فلم تو میں اکیلے ہی بناؤں غا..... اس گانے کا ضرور جواب د غا..... جسے سن سن کر میری ہڈیاں سلگتی ہیں۔"

"کون سا گانا پیارے بھائی۔"

"جواب دوں گا..... جواب اس گانے قا..... ہوگا سالا رنگ رنگیلا تم قیوں، ناچو گی۔"

قاسم کی بیوی پیٹ دبائے دوہری ہو گئی۔ کیونکہ قاسم نے جھلاہٹ میں گا کر ہی جواب دیا تھا۔

"ہاں..... ہاں..... تم بھی جلاؤ۔" وہ اُسے گھونسا دکھا کر بولا۔

"اگر اب یہ ریکارڈ بجایا تو ریڈیوگرام کی ایسی تیسی قر کے رکھ دوں غا۔"

"اس کا بابو رنگ رنگیلا ہے تو آپ کو کیوں جلن لگتی ہے۔" وہ ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"میرے ٹھینگے سے۔"

"اب ختم کرو یہ بکواس اور چلو میرے ساتھ۔" حمید نے کہا۔

"جی نہیں..... معاف کیجئے..... اللہ آپ سے بچائے ہی رکھے۔"

"تو پہلے کیوں وعدہ کر لیا تھا۔ اب تو کاغذات بھی تیار ہو گئے ہیں۔"

"آپ آخر مجھے کیوں نہیں بتاتے کہ کیا بات ہے۔" قاسم کی بیوی نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"کچھ جانوروں پر ایک تجرباتی فلم ہے۔ جنگل میں فلمائیں گے۔"

"تو اس میں ان کا کیا کام۔" قاسم کی بیوی نے مضحکہ اُڑانے کے سے انداز میں سوال کیا۔

"اچھا..... اچھا.....!" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "خوب بے وقوف بنا لو تم لوغ۔ میں بھی سمجھ لوں گا۔"

"پروڈیوسر کی حیثیت سے کاغذات پر ان کا نام رہے گا۔ ہم اپنے نام سے کاروباری نوعیت کی کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔" حمید قاسم کی طرف توجہ دیئے بغیر بولا۔

"کرنل صاحب بھی شریک ہیں؟"

"بالکل..... ورنہ مجھے ان باتوں سے کیا سروکار۔"

"اگر کرنل صاحب بھی شریک ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"اے سبحان اللہ۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "گویا میں آپ کی اولاد ہوں کہ آپ قو قوئی اعتراض نہیں۔"

"فضول بکواس نہ کیجئے۔" بیوی کو پھر غصہ آ گیا۔

"اے..... تم ابھی تک گئے نہیں۔" قاسم نے حمید کو للکارا۔

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔ کرنل صاحب منتظر ہو"

''ان سے کہہ دینا کہ لومڑی وومڑی کا پروڈیوسر نہیں بن سکتا.....کوئی اور ڈھونڈھ لیں...''

بیوی کی نظر بچا کر حمید نے اُسے آنکھ ماری۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اس کی بیوی سے غلط بیانی کرتا رہا ہو۔

قاسم نے پہلے تو بُرا سا منہ بنایا پھر سنبھالا لے کر بولا۔ ''اچھا.....اچھا.....چلو.....ہوں۔ لیکن میں صاف کہہ دوں غا.....!''

''تم خود ہی جو مناسب سمجھنا عذر پیش کر دینا۔ میری اب وہ نہیں سنیں گے۔''

قاسم کی بیوی اندر چلی گئی اور قاسم حمید کو بے اعتباری سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''پتا نہیں... چکر ہے۔''

''کیا تم کچھ دنوں گھر سے باہر رہ کر زندگی میں نیا پن پیدا نہیں کرنا چاہتے۔''

''لونڈیوں کے بغیر تفریح نہیں..... بیگار ہوتی ہے۔''

حمید اُسے گھر سے تو نکال لایا تھا لیکن وہ حمید کی گاڑی میں نہیں بیٹھا تھا۔ گیراج ... اپنی بیوک نکالی تھی۔ پھر دونوں آگے پیچھے نیاگرا پہنچے تھے۔

''اے تم یہ قیا قرتے پھر رہے ہو۔'' قاسم نے نیاگرا کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے وقت حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''راوی عیش لکھتا ہے۔''

''قیا مطلب.....؟''

''آج رات بھر جشن آزادی منائیں گے۔''

''ابے ابھی پچھلے ہی مہینے تو منا چکے ہیں جشن آزادی۔''

''یہ ملک کی نہیں..... میری آزادی کی رات ہے۔ کل سے میری ایک ماہ کی چھٹیاں شروع ہو رہی ہیں۔''

''ہم سالے سرمایہ دار غالیاں کھاتے ہیں اور تمہیں قوئی کچھ نہیں قہتا۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو۔'' حمید چلتے چلتے رک کر اُسے گھورنے لگا۔

''اور قیا..... خود فلم بنانی ہوگی تو اسسٹنٹ کو ایک ماہ کی چھٹی دلوا دیں گے۔ کیا یہ قانونی بات ہے کہ سرکاری ملازم فلم بنانے بیٹھیں۔''

''فلم تم بنا رہے ہو۔ چلو آگے بڑھو۔''

''ہاں..... ہاں..... یہی ہوتا ہے۔ خیر اب تو پھنس ہی گیا ہوں۔ مگر بیٹا وہ ڈائریکٹر قفقنر ... اس دن قرنل صاحب کے ساتھ تھا وہ تو چوما چاٹی والی فلمیں بناتا ہے۔''

''اسی لئے تو اسے لومڑی کے پلے باندھ رہے ہیں۔ ساری چوکڑی بھول جائے گا۔''

انہوں نے ایک ایسی میز پر قبضہ کیا جسکے قریب والی میز تین مہ رُخوں سے آباد تھی۔

قاسم نے بغور ان کا جائزہ لیا اور صورت پر یتیمی طاری کر کے ٹھنڈی سانس لی۔ پھر ...ائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''پتہ نہیں کس کے مقدر کی ہیں۔''

''اپنے والد صاحب کا پتا بتا دو۔''

''قیوں..... قیا مطلب.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''مطلب یہ کہ تم تو اپنے مقدر کا فیصلہ کر نہیں سکتے۔ وہی کیا کرتے ہیں۔''

''دیکھو..... طعنہ نہ دو..... بس ہو غئی ایک بار۔''

''اوہو..... تو اس بار تم خود کرو گے۔''

''ہاں..... ہاں..... جب میرا جی چاہے غا۔''

''ضرور..... ضرور۔'' حمید نے بے اعتباری کا مظاہرہ کرنے کے لئے قہقہہ لگایا۔

''دیکھو..... مجھے غصہ نہ دلاؤ۔''

''غصہ غیرت مندوں کو آتا ہے۔ تم میں تو اتنی ہمت بھی نہیں ہے کہ بیوی کے مکھن لگائے بغیر دو چار دنوں ہی کے لئے شہر سے بھی باہر جا سکو۔''

''تم قیا جانو.....؟''

''میں سب کچھ جانتا ہوں۔''

''تم جھک مارتے ہو۔''

''میں غلط نہیں کہتا۔''

''بکواس ہے..... میں کسی کی پرواہ نہیں قرتا۔''

''کوئی دعویٰ ثبوت کے بغیر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔''

''قیا ثبوت چاہتے ہو.....؟''

''اپنا سوٹ کیس اور ہولڈال ابھی گھر سے یہاں لے آؤ۔ ایک ہفتے کی آؤٹنگ ہے۔ اس کے لئے صرف ایک گھنٹہ دے سکتا ہوں۔''

''اب تو جرور لاؤں غا.....یہیں بیٹھے رہنا۔''

''بالکل.....فوراً جاؤ۔''

قاسم جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتا ہوا اُٹھا اور تھلتھلاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

❖

کرنل فریدی نے آنے والے کو گھور کر دیکھا۔ پھر سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کر کے سامنے رکھے ہوئے کاغذات کی طرف متوجہ ہوگیا۔

آنے والا لباس اور رکھ رکھاؤ سے دولت مند طبقے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔ وہ چند خاموش بیٹھا فریدی کی مشغولیت کو کینہ توز نظروں سے دیکھتا رہا پھر کھنکھار کر بولا۔ ''میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا جناب۔''

''ابھی سمجھا دوں گا۔'' فریدی نے کاغذات سے نظر ہٹائے بغیر خشک لہجے میں کہا۔ ''یہ اس معاہدے کی کاپی ہے جو آپ کی کمپنی اور ایک جرمن فرم کے درمیان ہوا تھا۔''

اجنبی نے طویل سانس لی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کاغذات تہہ کر کے بائیں جانب سرکا دیئے اور اجنبی کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔

''پورے جرمنی میں اس نام کی کسی فرم کا وجود نہیں ہے۔''

''سوال تو یہ کہ آخر آپ ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟''

''ایسے معاملات کی چھان بین میرے فرائض میں داخل ہے۔ ہاں تو فرم کے سلسلے میں.....!''

''بس.....!'' اجنبی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''میں صرف اس لئے آیا تھا کہ آپ کو.....!''

''آگاہ کردوں۔'' فریدی نے اس کا جملہ پورا کردیا۔

''جی.....!''

''آگاہ کردوں کہ اس بزنس میں کچھ ذمہ دار ہستیاں بھی شامل ہیں۔''

''آپ خود سمجھدار ہیں۔''

''میں بھی آپ سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پوچھوں گا کہ اکیس نومبر کو ٹرک نمبر سی ٹونٹی فور کہاں اَن لوڈ کیا گیا تھا۔''

''میں کیا جانوں۔''

''پھر اس کا جواب کون دے سکے گا۔''

''ایڈمنسٹریٹو آفیسر.....!''

''براہِ کرم اس سے معلوم کر کے مجھے مطلع کردیجئے گا۔''

''اوہو.....تو آپ لوگ اس حد تک جا چکے ہیں۔ یعنی ہماری سپلائیز پر بھی نظر ہے۔''

''سیٹھ صاحب.....بہتری اسی میں ہے کہ آپ صحیح معلومات بہم پہنچائیں۔''

''کیا میں آپ کا فون استعمال کرسکتا ہوں۔''

''ضرور.....ضرور.....!''

اجنبی نے اُٹھ کر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تاریخ اور ٹرک کا نمبر کیا بتایا تھا.....؟''

''اکیس نومبر.....ٹرک نمبر سی ٹونٹی فور.....!'' فریدی نے سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔

اجنبی نے کسی سے گفتگو کرنے کے بعد ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور جیب سے رومال نکال کر اپنی پیشانی پر پھوٹ آنے والے قطرات خشک کرنے لگا۔

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھے جارہا تھا۔

''اس نمبر کا ٹرک پچھلے ایک ماہ سے ناقابل استعمال ہے۔'' اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو پھر غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" فریدی نرم لہجے میں کہہ کر اس طرح اٹھا جیسے اب اُسے رخصت کردینا چاہتا ہو۔

"میں پھر ایک بار عرض کروں گا۔" اجنبی اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "حالات بدل چکے ہیں۔ کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"ارے نہیں سیٹھ صاحب۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میری کھال بہت موٹی ہے۔ اس پر بدلتے ہوئے موسموں کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

اجنبی نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچے تھے اور دفتر سے باہر نکل گیا تھا۔

❖

یہ سرحدی علاقے کا آخری دیہی ریلوے اسٹیشن تھا۔ رات کو ایک ٹرین یہاں آتی تھی اور بہت سویرے اندرون ملک کے لئے روانہ ہوجاتی تھی۔ نہ یہاں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی اور نہ یہاں سے جانے والوں کی تعداد قابل ذکر ہوتی تھی۔

اس وقت بھی صرف ایک مسافر ٹرین سے اُترا تھا۔ لیکن یہ کوئی دیہاتی نہیں تھا۔ اس کے جسم پر جدید ترین تراش کا لباس تھا۔ ہاتھ میں ایک وزنی سفری بیگ لٹکائے وہ پھاٹک پر آیا۔ پھاٹک پر ٹکٹ وصول کرنے والا موجود نہیں تھا اس لئے اس نے پھاٹک سے گزر کر اپنا ٹکٹ بکنگ آفس کی کھڑکی پر رکھ دیا۔

بکنگ کلرک نے ہنس کر کہا۔ "آپ کو بڑی تکلیف ہوئی جناب۔ دراصل اس وقت میں یہاں بالکل اکیلا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" جواباً مسافر مسکرایا اور نیم تاریک مسافر خانے سے گزرتا ہوا باہر آ گیا۔ ابھی رات کے آٹھ ہی بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت زیادہ رات گزر گئی ہو۔ جیسے ہی مسافر باہر نکلا نزدیک اور دور سے بے شمار کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آنے لگیں۔

سردی بڑھ گئی تھی۔ مسافر نے سفری بیگ زمین پر رکھ دیا اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگائی اور پھر بیگ اُٹھا کر اندھیرے میں چلنے لگا۔ انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہاں پہلی بار نہ آیا ہو۔ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر تاریک راستوں سے گزرتا ہوا بالآخر ایک بڑی عمارت کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

عمارت کی متعدد کھڑکیوں میں تیز قسم کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ یہ ڈاکٹر چنگیزی کی تجربہ گاہ تھی۔ اس علاقے کے لوگ اُسے حیرت اور خوف سے دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ کم از کم رات کے اندھیرے میں کوئی مقامی آدمی اس عمارت کے قریب سے بھی گزرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

ڈاکٹر چنگیزی ان اطراف میں سانپوں کا مسیحا کہلاتا تھا اور اس کی تجربہ گاہ سانپوں کے ہسپتال کے نام سے مشہور تھی۔

عمارت کی کمپاؤنڈ میں دن رات درجنوں سانپ سرسراتے پھرتے۔ عمارت سے ایک فرلانگ کے دائرے میں جگہ جگہ ایسے بورڈ نصب کردیئے گئے تھے جن پر خطرے کی علامات بنی ہوئی تھیں۔ بہرحال اس سلسلے میں پوری پوری احتیاط برتی گئی تھی کہ کوئی اجنبی اچانک کسی خطرے سے دوچار نہ ہوسکے، لیکن یہ مسافر اتنی خود اعتمادی کے ساتھ اس عمارت تک پہنچا تھا جیسے اسے سارے حالات کا علم پہلے ہی سے ہو۔

اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی سیٹی نکالی اور اسے غالباً کسی مخصوص انداز میں بجانے لگا۔ پھر ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ پوری کمپاؤنڈ روشن ہوگئی اور ایک آدمی برآمدے سے پھاٹک کی طرف آتا دکھائی دیا۔

اس پورے علاقے میں بجلی کی روشنی اس عمارت کے علاوہ اور کہیں نہیں دکھائی دیتی تھی۔ برقی قوت پیدا کرنیوالا ایک جنریٹر اس تجربہ گاہ کیلئے حکومت کی طرف سے مہیا کیا گیا تھا۔

عمارت کے اندر سے آنے والے نے مسافر کو ایک محفوظ راستے سے گزار کر اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں دیواروں پر بڑے بڑے سانپوں کی کھالیں آویزاں تھیں۔

وہ ایک صوفے پر اس طرح نیم دراز ہوگیا جیسے بہت تھک گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر چنگیزی شب خوابی کے لبادے میں ملبوس پائپ سلگاتا ہوا کمرے

میں داخل ہوا۔ مسافر اُسے دیکھ کر احتراماً اُٹھا تھا۔

''اوہو...تم...کہو کیسے آئے؟'' ڈاکٹر چنگیزی نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ضرورت.....ڈاکٹر.....!''

''جلدی سے کہہ جاؤ.....میں آرام کررہا تھا۔''

''مرکزی محکمہ سراغ رسانی نے چھان بین شروع کردی ہے۔ مجھے سیٹھ اکرم نے بھیجا ہے۔''

''کیوں بھیجا ہے.....اور اس اطلاع کا مجھ سے کیا تعلق۔'' ڈاکٹر اسے گھورتا ہوا بولا۔

''دراصل ڈرموں کی سپلائی کا علم کرنل فریدی کو ہوگیا ہے۔''

''کیا سیٹھ اکرم بالکل گدھا ہے۔ آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔''

''میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں ڈاکٹر۔''

''میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم لوگ یہاں آنے کیلئے بہانے تلاش کرتے رہتے ہو۔''

''نن.....نہیں تو۔''

''بکواس مت کرو.....!'' ڈاکٹر سخت لہجے میں بولا۔

نووارد کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے اور اس نے کسی قدر تلخی سے کہا۔ ''میں اس کی وضاحت چاہوں گا ڈاکٹر۔''

''نیما کو گھورنے کے لئے آتے ہو تم لوگ۔''

''لاحول ولاقوۃ.....!'' نووارد بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا آپ مجھ پر اس قسم کا کوئی الزام عائد کریں گے۔''

''ہوں.....!'' ڈاکٹر نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''نیما بہت خوبصورت ہے۔''

''یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ مجھے تو صرف سیٹھ اکرم کا پیغام آپ تک پہنچانا تھا۔''

''اوہو.....تو کوئی پیغام بھی ہے۔'' ڈاکٹر چونک کر بولا۔

''جی ہاں.....فی الحال وہ ڈرموں کی سپلائی روک رہے ہیں۔''

''آخر کیوں؟''

''کرنل فریدی!''

''کیا بکواس ہے۔ کرنل فریدی کو اس سے کیا سروکار.....وہ کیا کرلے گا.....کیا میں

ہاں کوئی غیر قانونی کام کررہا ہوں۔''

''ڈاکٹر! میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے جو کچھ کہا گیا تھا آپکے گوش گزار کردیا۔''

''سوال تو یہ ہے کہ اس کی نوبت ہی کیوں آئی۔ کیا اسٹار آئرن فیکٹری والے کوئی غیر قانونی کام بھی کررہے ہیں۔''

''میں اس کے بارے میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔''

''اچھا.....اب تم ریلوے اسٹیشن ہی واپس جاؤ۔ ویٹنگ روم میں سو رہنا اور صبح کی گاڑی سے واپس چلے جانا۔''

''مم.....مگر.....میرے پاس بستر نہیں ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اتنی بے مروتی سے پیش آئیں گے۔''

''کیا مطلب.....؟'' ڈاکٹر کا لہجہ سرد تھا۔

''کیا میں یہاں رات نہیں گزار سکتا۔''

''جی نہیں..... یہ سرائے نہیں ہے۔ تم پہلے بھی یہاں آچکے ہو، کبھی رات بسر کی ہے۔''

''لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں۔''

''خاموش رہو.....اس سوٹ کیس میں کیا ہے؟''

''بندوق، کارتوس اور ایک عدد سلیپنگ سوٹ.....خیال تھا کہ دو دن یہاں ٹھہر کر شکار کھیلوں گا۔''

''تمہارے باس سیٹھ اکرم کی جائیداد ہے نا یہ کہ تم یہاں شکار کھیلو گے۔ خبردار اگر ایک فائر بھی کیا میرے جنگلوں میں۔''

''میں آپ کو اتنا بداخلاق نہیں سمجھتا تھا۔''

''سانپوں کی ہم نشینی نے زہریلا بنا دیا ہے۔'' ڈاکٹر کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''بہتر ہے مجھے عمارت سے باہر بھجوا دیجئے۔ کسی نہ کسی طرح رات گزار کر چلا جاؤں گا۔''

ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔ پھر سنجیدگی اختیار کرکے نرم لہجے میں بولا۔ ''بُرا مان گئے۔''

''ظاہر ہے۔''

"نہیں.....تم یہیں رات گزارو گے اور جتنے دن چاہو میرے مہمان رہ سکتے ہو۔"

نووارد کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے۔

ڈاکٹر پھر ہنس پڑا۔ اس کے بعد اس نے کسی ملازم کو آواز دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد نووارد کو اوپری منزل کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ پھر وہیں اس نے رات کا کھانا کھایا تھا۔

ساڑھے دس بجے ایک خوش شکل ملازمہ کافی لائی۔ نووارد نے اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا اور وہ اس طرح مسکرائی تھی جیسے اس کے خیالات پڑھ رہی ہو۔

"کیا نام ہے تمہارا.....؟" نووارد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"شلجم.....!" جواب ملا۔

"کیا.....؟"

"شلجم.....!"

"بہت خوب.....!" نووارد ہنس پڑا۔

لیکن ملازمہ اب بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔ اس نے کافی بنا کر پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب مجھے شلجم ہی کہتے ہیں۔"

"مگر تمہارا نام تو چنبیلی ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر کی بداخلاقی پر رونا آرہا ہے۔"

"آپ چنبیلی ہی کہئے۔"

"یقیناً..... یقیناً.....تم کھڑی کیوں ہو۔ بیٹھ جاؤ۔" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"جی نہیں شکریہ۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوگیا تو..... میں ابھی برتن لے کر واپس جاؤں گی۔"

"اچھا.....اچھا..... میں جلد ہی پئے لیتا ہوں۔"

بڑے بڑے گھونٹ لے کر اس نے کپ خالی کر دیا اور اسے لڑکی کی طرف بڑھا کر بولا۔ "یہ لو.....شکریہ.....اوہ.....ایسی تھکن محسوس ہو رہی ہے جیسے سینکڑوں میل پیدل چلا ہوں۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ ٹرے اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

نووارد کی پلکیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئی جارہی تھیں۔ وہ بستر پر لیٹ گیا اور اس طرح بار بار آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے نیند کے اس اچانک غلبے کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آرہی ہو۔

پھر وہ گہری نیند سو گیا تھا۔

ٹھیک گیارہ بجے دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے جنہوں نے ایک اسٹریچر اٹھا رکھا تھا۔ نیند میں غافل نووارد کو انہوں نے بستر سے اُٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا اور نچلی منزل پر اتار لے گئے۔

لیکن دوسری صبح وہ اپنے بستر ہی پر بیدار ہوا تھا اور بیداری کا سبب ڈاکٹر چنگیزی کی دہاڑیں تھیں۔ وہ اس کے بستر کے قریب ہی کھڑا اس لڑکی پر گرج برس رہا تھا جو پچھلی رات اس کے لئے کافی لائی تھی۔

"کتیا کی بچی.....تو یہاں کیا کر رہی تھی۔ بولتی کیوں نہیں۔ میں ابھی کوڑے مار مار کر تیری کھال گرادوں گا۔"

نووارد نے اُٹھ کر بیٹھنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہاتھ پیروں کو جنبش تک نہ دے سکے گا۔

"او ذلیل آدمی.....تم پڑے میری صورت کیا تک رہے ہو۔" دفعتاً ڈاکٹر اُسے گھونسہ دکھا کر چیخا۔ "اٹھو اور فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔"

"کک.....کیوں؟" بدقت تمام اس کی زبان سے نکل سکا اور اُسے اپنی آواز ایسی ہی معلوم ہوئی جیسے کسی گہرے کنوئیں میں بول رہا ہو۔

"ذلیل آدمی..... پوچھتے ہو کیوں۔ یہ یہاں کیا کر رہی تھی؟" ڈاکٹر ملازمہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

"میں کیا جانوں۔"

"گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا اگر جھوٹ بولا۔ ساری رات یہ کتیا اسی کمرے میں رہی ہے.....بولتی کیوں نہیں۔"

ملازمہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے سسکیاں لیتی رہی۔

"مم.....مگر.....ڈاکٹر.....میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔"

"فرشتوں کو بھلا ایسی کمینگی سے کیا سروکار..... اب تم اُٹھو اور یہاں سے نکل جاؤ،
ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں مار ہی ڈالوں۔" ڈاکٹر گھونسہ ہلا کر دہاڑا۔ پھر ملازمہ کو گردن سے پکڑ
دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں دروازے
گزرتی چلی گئی۔

پھر ڈاکٹر اسکا گریبان پکڑ کر جھٹکے کے ساتھ اٹھاتا ہوا گرجا۔ "اُٹھو..... اور فوراً نکل جاؤ"

نووارد کے پیر کانپ رہے تھے۔ سر چکرا رہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دو
بھی نہیں چل سکے گا۔

"حالت تو یہ ہے اور مرے جا رہے ہیں سُور کے بچے۔" ڈاکٹر مضحکہ اُڑانے وا
انداز میں بولا۔

"یقین کیجئے ڈاکٹر.....!" نووارد گڑگڑایا۔ "مم..... میں کچھ نہیں جانتا۔"

ڈاکٹر چنگیزی نے اسے پھر بستر پر دھکیل دیا اور دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔
"ٹھہرو! میں ابھی تمہارا انتظام کرتا ہوں۔"

وہ چلا گیا اور نووارد بستر پر بے سدھ پڑا اس طرح پلکیں جھپکاتا رہا جیسے پورے جسم
صرف پلکیں ہی حرکت کر سکتی ہوں۔ اُسے اس کے علاوہ اور کچھ نہ یاد آسکا کہ پچھلی رات کا
پی چکنے کے بعد اس پر شدید ترین نیند کا غلبہ ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر چنگیزی دو آدمیوں کے ساتھ واپس آیا۔

"سنو.....!" وہ نووارد کو مخاطب کر کے بولا۔ "دل تو یہی چاہتا ہے کہ تمہیں پولیس
حوالے کردوں، لیکن انصاف کا تقاضا ہے کہ اس کتیا کی کھال کھینچی جائے کیونکہ وہ یہاں آ
تھی۔ تم اس کے کمرے میں نہیں گئے تھے۔ بہرحال یہ دونوں تمہیں ٹرین پر بٹھائیں گے۔"

"لل..... لیکن مجھے کیا ہوگیا ہے؟"

"بس چلے جاؤ..... ورنہ کھال کھینچ لوں گا۔" ڈاکٹر چنگیزی غصیلے لہجے میں بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"سیٹھ اکرم سے کہہ دینا کہ ڈرم کی سپلائی بند کردے۔ اب کسی اور ادار
معاملات طے کرلوں گا۔ وہ شاید سمجھتا ہے کہ میں کوئی غیر قانونی کام کر رہا ہوں۔"

ڈاکٹر چنگیزی اس کے بعد وہاں نہیں ٹھہرا تھا۔

نچلی منزل کے ایک کمرے میں وہی ملازمہ کھڑی بُری طرح ہنس رہی تھی جس کی کھال
کھینچنے کے بارے میں ڈاکٹر نے نووارد سے کہا تھا۔

ڈاکٹر چنگیزی اتنی آہستگی سے اُس کے پیچھے جا کھڑا ہوا کہ اُسے خبر تک نہ ہوئی۔

"دانت بند کرو۔" وہ کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔

"یس سر..... یس سر.....!" لڑکی بوکھلا گئی۔

"جاؤ! میک اپ صاف کرو۔"

"ویری ول سر.....!" وہ دروازے کی طرف دوڑتی ہوئی بولی۔

ڈاکٹر ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہوکر اخبار دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد ایک اور لڑکی کمرے میں داخل ہوئی، جو سیاہ جیکٹ اور خاکی جین میں ملبوس
تھی۔ اخروٹ کی رنگت کے گھونگھریالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ بائیں کاندھے
پر اعشاریہ دو دو کی رائفل لٹک رہی تھی۔ خوبصورت ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بے حد
تیکھی بھی معلوم ہوتی تھی۔

"ہلو ڈاکٹر.....!" اس نے یونہی روا روی میں کہا اور بائیں جانب والے دروازے کی
طرف بڑھتی چلی گئی۔

"ٹھہرو.....!" ڈاکٹر ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

"کوئی خاص بات؟" وہ رک کر اس کی طرف مڑے بغیر بولی۔

"ادھر آؤ۔"

وہ بے حد سنجیدگی اختیار کئے ہوئے اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ لانگ بوٹ پہنے بغیر جنگل میں مت گھسا کرو۔" اس
نے نرم لہجے میں کہا۔

"میرے صبر کی داد دو ڈاکٹر کہ میں عرصے سے صرف سنتی چلی آرہی ہوں اور میں نے
کبھی نہیں کہا کہ لانگ بوٹوں سے مجھے نفرت ہے۔"

"کیا.....!"

''میں بہت تھک گئی ہوں۔'' لڑکی نے کہا اور تیزی سے مڑی۔

ڈاکٹر اُسے بے بسی سے دیکھتا رہ گیا اور وہ کمرے سے نکل چلی گئی تھی۔

پھر اچانک ڈاکٹر چنگیزی کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ دوسر
لمحے میں اس کا گھونسہ آرام کرسی کے قریب والی چھوٹی میز پر پڑا اور وہ اپنے پایوں سم
ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ اس کے بعد وہ شاید کسی اور چیز پر غصہ اتارنے کا ارادہ کر
کہ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا ہے؟'' ڈاکٹر غرایا۔

''شیشم کے جنگلوں میں ایک فلم یونٹ نے ڈیرا ڈال دیا ہے۔ آؤٹ ڈور
کررہے ہیں۔''

''کس کی اجازت سے؟''

''میری اجازت سے۔'' بائیں جانب سے آواز آئی اور ڈاکٹر جھلا کر پلٹا۔ دروا
میں نیما کھڑی تھی۔

''کیا مطلب.....؟''

''وہ کوئی جنگل فلم بنا رہے ہیں۔ میں نے بھی انہیں دیکھا تھا۔''

''تم نے کہا تھا کہ تمہاری اجازت سے۔''

''اجازت ہی سمجھئے۔ کیونکہ میں نے انہیں وہاں سے ہٹ جانے کی وارننگ نہیں دی

''تم جاؤ.....!'' ڈاکٹر نے اطلاع لانے والے کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔

وہ چپ چاپ کمرے سے باہر چلا گیا اور ڈاکٹر نیما کو گھورتا ہوا بولا۔ ''تم بہت
ہوتی جارہی ہو۔''

''قدرتی بات ہے۔'' وہ دلآویز انداز میں مسکرائی۔

''تم بعض اوقات حد سے بڑھ جاتی ہو۔''

''ٹھیک ہے تو پھر مجھے ملازمت سے برطرف کردیجئے۔''

''مجھے غصہ نہ دلاؤ۔''

''میں یہی چاہتی ہوں۔''

''کیا چاہتی ہو؟''

''کہ اپنے ہی غصے کی آگ میں جل کر آپ بھسم ہوجائیں اور ہاں آپ اس فلم یونٹ
وہاں سے نہیں ہٹائیں گے۔ میری دلچسپی کی چیز ہے۔''

''تم ہوش میں ہو یا نہیں۔''

''ڈاکٹر! مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ کسی دن چپ چاپ یہاں سے چلی جاؤں اور پھر
پ.....!''

''جو دل چاہے کرو۔'' ڈاکٹر پیر پٹخ کر چیخا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

نہ صرف کیپٹن حمید بلکہ قاسم بھی میک اپ میں تھا۔ انہوں نے شیشم کے جنگل میں اپنے
خیمے نصب کئے تھے۔ ان دونوں سمیت یہ فلم یونٹ پچیس افراد پر مشتمل تھا۔ پچھلے دن وہ یہاں
پہنچے تھے اور ابھی تک شوٹنگ کی تیاریاں ہی جاری تھیں۔

قاسم کا ذہن یقین اور بے یقینی کے درمیان ہچکولے کھا رہا تھا۔ یہ بات کسی طرح حلق
سے نہیں اترتی تھی کہ کوئی فلم عورت کے بغیر بھی بنائی جاسکتی ہے۔

''کیا عورت.....عورت کی رٹ لگا رکھی ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''شہر ہی میں کونسی نصیب ہوجاتی ہیں۔''

''اب یہاں اس جنگل میں لاقر میری توہین کرو غے۔'' قاسم نے چاروں طرف دیکھتے
ہوئے کہا۔

وہ اس وقت اپنے خیمے کے باہر بیٹھے دھوپ لے رہے تھے۔ پچھلی رات سردی نے
[illegible]ان پوچھ لئے تھے۔ قاسم کا بُرا حال تھا اور رات ہی کو حمید نے اس دشواری پر قابو پانے کی
تدبیریں سوچ لی تھیں۔

آج خیموں کے اندر بھی الاؤ روشن کرنے کے انتظامات کئے جا رہے تھے۔

"مگر بیٹا..... وہ..... ڈائریکٹر ققنس کہاں ہے؟" قاسم نے سوال کیا۔

"فضول پیسے برباد کرنے سے کیا فائدہ جبکہ میں خود فلم ڈائریکٹ کر سکتا ہوں۔"

"قیا مطلب.....؟"

"میں فلم ڈائریکٹ کروں گا اور شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تم جنگلیوں کے سردار ادا کرو گے۔"

"اب پھر شروع کی تم نے اپنی چار سو بیس۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"کیا مطلب.....؟"

"تم نے تو کہا تھا کہ میں صرف پروڈیوسر رہوں گا۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔ میں نے لفظ صرف، قطعی استعمال نہیں کیا تھا۔"

"میں نہیں بنتا جنگلیوں کا سردار۔"

"اچھی بات ہے تو پھر تمہیں اس بکرے میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا جو انگارول جائے گا۔"

"ہاں ہاں، میں تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ تم اقیلے میں جرور کمینہ پن کرو گے۔"

"اور تمہیں چھیڑوں گا بھی اکیلے میں۔"

"چھیڑ کر تو دیکھو.....!" قاسم دہاڑتا ہوا اٹھ گیا۔ "ٹانگیں چیر کر پھینک دوں غا۔"

حمید اسے آنکھ مار کر مسکرایا۔

"دیکھو! میں سمجھائے دیتا ہوں..... جان نہ جلاؤ۔"

"جنگلی سردار کی محبوبہ تو ابھی پہنچی ہی نہیں۔"

"کک..... کیا مطلب.....؟"

"وہ ایک خونخوار عورت کا رول ادا کرے گی۔"

"سالے تھوڑا تھوڑا کر کے بتاتے ہو۔" قاسم کسی قدر ڈھیلا پڑ کر بولا۔ "تم ے ایک بالشت چھوٹی ہوگی اور پھیلاؤ تم خود ہی دیکھ لینا۔"

قاسم نے بیچ سے تھوک کی پچکاری ماری اور منہ چلانے لگا۔ پھر کھسیانی سی ہنسی

ساتھ بولا۔ "تم سالے فراڈ ہو۔ یونہی بکواس قر رہے ہو تاکہ میں تمہارا ساتھ دیتا رہوں۔"

"دیکھ لینا..... تھوڑی دیر بعد پہنچ جائے گی۔"

ٹھیک اسی وقت انہوں نے کسی وزنی گاڑی کے انجن کی آواز سنی، جو لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی جارہی تھی اور پھر ایک جیپ خیموں کے درمیان آرکی۔ قاسم نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائی تھیں اور حمید اس کا بازو دبا کر آہستہ سے بولا تھا۔

"یہ کوئی اور ہے..... بدحواس نہ ہو جانا۔"

"ابے یہ تو کسی انگلش فلم کی ہیروئن معلوم ہوتی ہے حمید بھائی۔ ہائے ہائے کیا جین جیکٹ ہے۔ ارے باپ رے۔ رائفل بھی ہے۔ اس کے پاس..... ہائے۔"

لڑکی جیپ سے اتری نہیں تھی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھی گرد و پیش کا جائزہ لیتی رہی۔

"فرمائیے..... کس کی تلاش ہے۔" حمید نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے سوال کیا۔

"اوہ.....!" وہ چونک پڑی۔ پھر سنبھل کر بولی۔ "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

"ہم ایک فلم کی شوٹنگ کر رہے ہیں۔"

"میں یونٹ کے انچارج سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"فرمائیے۔"

"اوہ..... آپ ہی ہیں۔ اچھا دیکھئے۔ سب سے پہلے تو میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آپ نے غیر قانونی طور پر یہاں کھڑاگ پھیلایا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا محترمہ۔"

"آپ کو ہم سے اجازت لینی چاہئے تھی۔"

"ہمارے پاس محکمہ جنگلات کا اجازت نامہ موجود ہے۔"

"محکمہ جنگلات کا اس علاقے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اچھا تو اب آپ ہی اجازت دے دیجئے۔"

"خیر..... خیر.....!" وہ کسی قدر غصے کا اظہار کرتی ہوئی بولی۔ "یہاں سانپ بکثرت ہیں۔"

"مجھے علم ہے اور ہم نے اس سلسلے میں احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔"

"اسکے باوجود اگر مارگزیدگی کا کوئی واقعہ ہو جائے تو آپ فوراً ڈاکٹر چنگیزی کی تجربہ گاہ

سے رابطہ قائم کیجئے گا۔''

''ہم نہیں جانتے کہ ڈاکٹر صاحب کی تجربہ گاہ کہاں ہے۔''

''یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میں ان کی اسسٹنٹ نیما ہوں۔''

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''

''یہ کس قسم کی فلم ہے۔''

''جنگل فلم سمجھ لیجئے۔''

''کون ڈائریکٹ کر رہا ہے؟''

''میری پہلی فلم ہے۔'' حمید نے ایسے لہجے میں کہا جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ خود ہی اس فلم کو ڈائریکٹ کر رہا ہے۔

''کیا ابھی کام شروع نہیں کیا.....؟''

''سہ پہر سے شروع کر دیں گے۔''

نیما بار بار قاسم کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ دفعتاً اس نے سوال کیا۔ ''کیا وہ بھی اداکار ہے؟''

''جی ہاں.....وہ جنگلیوں کے سردار کا رول ادا کرے گا۔''

''شاید یہ بھی نیا ہے۔ اس سے پہلے کسی فلم میں نہیں دیکھا۔''

''جی ہاں، نیا ہی ہے۔ میں دراصل یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ باکس آفس پکچر کے لئے ضروری نہیں کہ نامور آرٹسٹ ہی کاسٹ میں شامل ہوں۔ اصل چیز تو کہانی ٹریٹمنٹ ہوتا ہے۔''

''بڑا نیک قدم ہے۔ پُرانے چہرے دیکھ دیکھ کر آنکھیں پتھرا گئیں۔ لیکن پریم کہانی یقیناً ہوگی۔''

''یہی تو خاص بات ہے کہ پوری کہانی میں آپ لفظ محبت سننے کو ترس جائیں گی۔''

''تب تو واقعی آپ قابل مبارک باد ہیں۔''

''شکریہ۔''

''چلئے.....میں آپ کو تجربہ گاہ دکھادوں تاکہ ضرورت پڑنے پر آپ ہم تک پہنچ سکیں

''بہت بہت شکریہ محترمہ.....میں ضرور چلوں گا۔''

''آیئے۔'' نیما نے اپنے برابر والی نشست کی طرف اشارہ کیا۔

حمید جیپ پر بیٹھ ہی رہا تھا کہ قاسم بھی لڑھکتا ہوا قریب آ پہنچا۔

''کہاں چلے؟'' وہ ہاتھ نچا کر بولا۔

''ابھی آیا.....تم وہیں جا کر بیٹھو جہاں بیٹھے ہوئے تھے۔''

''ہرگز نہیں۔ میں بھی ساتھ چلوں گا۔''

''چاروں ٹائر فلیٹ ہو جائیں گے۔'' حمید نے ایسے انداز میں کہا کہ نیما ہنس پڑی۔

''کیا حرج ہے۔ انہیں بھی لے چلئے۔'' اُس نے جلدی سے کہا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' حمید نے بے دلی سے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''شکریہ۔'' قاسم جیپ پر چڑھتا ہوا کراہا تھا۔

حمید نے سوچا کہ جلد از جلد قاسم کو اس سچویشن سے آگاہ کر دینا چاہئے ورنہ کہیں وہ اپنی کسی بکواس سے بھانڈا نہ پھوڑ دے۔

''یہ محترمہ نیما ہیں.....کسی ڈاکٹر چنگیزی کی اسسٹنٹ.....ہمیں اپنی تجربہ گاہ دکھانے جا رہی ہیں اور یہ مایہ ناز اداکار قاسم قراقرم والا ہیں۔ میری فلم میں جنگلی سردار کا رول ادا کریں گے۔''

''آپ نے اپنا نام ابھی تک نہیں بتایا۔'' نیما بولی اور جیپ اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

''ایس۔ ایچ۔ زیٹو.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''یہاں آ کر پچھتا رہا ہوں۔ ہالی وڈ میں بہت اچھا تھا۔''

''وہاں کیا کرتے تھے؟''

''اردو کے سرّی ادب سے آئیڈیاز پار کر کے وہاں کے فلمسازوں کے ہاتھ فروخت کر دیا کرتا تھا۔''

''تو کیا یہ کوئی اچھی بات تھی؟'' نیما نے کسی قدر ناگواری سے سوال کیا۔

''بیلنس برابر کیا کرتا تھا اس طرح آخر اردو والے بھی تو انگریزی ادب پر ہاتھ صاف کرتے رہتے ہیں۔ اب ان بیچاروں کو اردو تو آتی نہیں کہ وہ خود ہی انتقام لے سکیں۔''

''بہرحال میں اسے اچھا نہیں سمجھتی۔''

''اچھا تو میں بھی نہیں سمجھتا لیکن پیٹ کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

''لیکن آپ نے تو ابھی کہا تھا کہ یہ آپ کی پہلی فلم ہے۔''

''بحیثیت ڈائریکٹر.....اس سے پہلے کبھی کوئی فلم ڈائریکٹ نہیں کی۔''

قاسم جو اس دوران میں خاموش بیٹھا ان کی گفتگو سنتا رہا تھا دفعتاً دہاڑا۔''ارے..... رے.....کتنا بڑا سانپ ہے.....اژدھا ہے۔''

نیما ہنس پڑی اور حمید نے طویل سانس لی۔ بائیں جانب جھاڑیوں کے قریب ایک گیارہ فٹ لمبا اجگر آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا۔

''بھلا آپ جنگلی سرداروں کا رول کس طرح ادا کریں گے۔'' نیما نے قاسم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔''جبکہ سانپ دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔''

قاسم کچھ نہ بولا۔ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھے جا رہا تھا۔ اچانک پھر چیخا۔

''اے.....ایک اور.....قیا قصہ ہے۔''

اور پھر کچھ دور چلنے کے بعد نیما نے اچانک بریک لگائے۔ جیپ جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ قریباً دس گز کے فاصلے پر ایک بہت بڑا اجگر راستہ پار کر رہا تھا۔

''ارے..... ارے..... روک کیوں دیا۔'' قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا ''غاڑی سے چل دیجئے۔''

نیما ہنس پڑی اور پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔''یہ ہمارے سانپ ہیں جناب۔''

''قیا مطلب.....؟''

''ہم ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔''

''کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟'' حمید نے اپنے لہجے سے خوفزدگی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں.....اوہ.....آپ ڈر رہے ہیں۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''نن.....نہیں.....ڈر تو نہیں رہا.....لیکن.....!''

''ہم انکی فارمنگ کر رہے ہیں۔ ان کی کھالیں بیرون ملک بھیج کر زرمبادلہ کماتے ہیں۔''

''اوہ.....اچھا.....!'' حمید نے اطمینان ظاہر کرنے کی ایکٹنگ کی۔

''یہ بالکل بے ضرر ہیں۔ ان میں زہر نہیں ہوتا۔ بس گوشت خور جانور سمجھ لیجئے۔''

بولی۔''لیکن جہاں آپ لوگوں نے قیام کیا ہے، وہاں دوسری مختلف اقسام کے سانپ بھی موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ زہریلے بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔''

''لیکن میں نے سنا ہے کہ بہت زیادہ موٹے آدمیوں کو سانپ نہیں ڈستے۔'' حمید نے اونچی آواز میں کہا اور قاسم تڑک کر بولا۔''ہاں..... ہاں..... بھانجے لگتے ہیں نا موٹے آدمیوں تے.....وہاں سے اکھاڑو خیمے.....میں اب وہاں نہیں رہوں غا.....!''

نیما کو پھر ہنسی آ گئی۔

جیپ ایک بڑی سی عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ پورچ میں پہنچ کر نیما نے انجن بند کر دیا۔ ٹھیک اسی وقت صدر دروازے میں ایک قوی ہیکل آدمی کھڑا دکھائی دیا۔

''ڈاکٹر چنگیزی.....!'' نیما آہستہ سے بولی۔

''شاندار.....!'' حمید نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر چنگیزی انہیں ناخوشگوار انداز میں گھورے جا رہا تھا۔

پھر جیسے ہی قاسم جیپ سے نیچے اُترا، ڈاکٹر کی آنکھوں میں پائی جانے والی ناگواری یکلخت تحیر اور دلچسپی کے تاثر میں تبدیل ہو گئی۔

''ویل.....ویل.....!'' کہتا ہوا وہ آگے بڑھا۔

''یہ وہی لوگ ہیں ڈاکٹر۔'' نیما سپاٹ لہجے میں بولی۔

''کون لوگ.....؟''

''فلم والے۔''

''اوہ.....!'' ڈاکٹر نے پھر بُرا سا منہ بنایا۔

''ہمیں بے حد افسوس ہے ڈاکٹر۔'' حمید مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔''آپ لوگوں سے اجازت حاصل کئے بغیر ہم نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ میں ایس ایچ زیتو ہوں اور یہ قاسم قراقرم والا۔''

''دونوں نام پسند نہیں آئے۔'' ڈاکٹر نے خشک لہجے میں کہا اور نیما سے بولا۔''تم انہیں یہاں کیوں لائی ہو۔''

''تجربہ گاہ دکھانا چاہتی تھی تاکہ ضرورت پڑنے پر یہ ہم تک پہنچ سکیں۔''

''سوال یہ ہے کہ اس قسم کا خطرہ ہی کیوں مول لیا جائے۔''

''دراصل وہ جگہ ہمیں بہت مناسب نظر آئی تھی۔'' حمید بولا۔

''اب نامناسب سمجھ کر وہاں سے ہٹ جاؤ۔'' ڈاکٹر نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کر ہوئے کہا۔

''اگر محتاط رہیں گے تو کسی دشواری میں نہیں پڑیں گے۔'' نیما بول پڑی۔

ڈاکٹر نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا اور تیزی سے مڑ کر اندر چلا گیا۔

حمید کو نیما کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ نظر آئی جیسے وہ ڈاکٹر کے چڑچڑے پن محظوظ ہوئی ہو۔

''چلئے.....اندر چلئے۔'' اس نے ان دونوں سے کہا۔

''مجھے تو خوف معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر سے۔'' حمید بولا۔

''اُوہ.....کچھ نہیں.....وہ تو بس یونہی۔''

''اے ہاں.....چلو نا.....ڈرتے قیوں ہو۔'' قاسم چہک کر بولا۔ ''کوئی شیر تھوڑا ہی کہ پھاڑ کھائے گا۔''

وہ انہیں نشست کے کمرے میں لائی۔ قاسم نہ جانے کیوں بہت زیادہ خوش نظر آنے لگا تھا۔

''آپ لوگ تشریف رکھئے۔'' نیما بولی۔ ''میں کافی کے لئے کہہ آؤں۔ یا آپ چا پسند کریں گے۔''

''ارے نہیں.....اس کی تکلیف نہ کیجئے۔'' حمید نے کہا لیکن قاسم فوراً ہی بول پڑا۔ '' کافی ہی ٹھیک رہے گی۔''

نیما چلی گئی اور حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''آخر تم یک بیک اتنے خوش کیوں نظر آنے لگے ہو۔''

''جین اور جیکٹ میں بڑی اچھی لگتی ہے۔'' قاسم نے آہستہ سے کہا۔ ''ایسا معلوم ہے جیسے جین اور جیکٹ ہی کے لئے پیدا ہوئی ہو۔''

''جین اور جیکٹ پہنے ہوئے پیدا ہوئی ہوگی۔''

''مگر ڈاکٹر سالا.....کھترناک معلوم ہوتا ہے۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک اور لڑکی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے بڑی لگاوٹ کے ساتھ قاسم کو مخاطب کیا۔ ''آپ بلیک کافی پسند فرمائیں گے یا دودھ کے ساتھ؟''

''جی بس.....جیسی بھی مل جائے۔'' قاسم کے دانت نکل پڑے۔

''نہیں آپ بتائیے۔'' وہ لچک کر بولی۔ ''اتنے زبردست ہیں اور اتنی ذرا سی بات نہیں بتا سکتے۔''

''ہی ہی ہی.....اب میں قیا عرض قروں۔''

''خیر.....کچھ کھائیے گا بھی.....یا صرف کافی.....؟''

''شش.....!'' حمید قاسم کو وارننگ دینے کے سے انداز میں بولا۔ ''ذرا محتاط ہوکر..... یہ تو اس طرح پوچھ رہی ہیں جیسے ہمیں بل بھی ادا کرنا پڑے گا۔''

''جی نہیں.....ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو دراصل یہ چاہتی ہوں کہ یہ بولتے رہیں اور اور میں سنتی رہوں۔'' وہ قاسم کی طرف اشارہ کرکے اٹھلائی۔

حمید اس غیر متوقع بے تکلفی پر جز بز ہو ہی رہا تھا کہ نیما کمرے میں داخل ہوئی، لڑکی اسے دیکھتے ہی ایسی سنجیدہ بن گئی جیسے اب تک بالکل خاموش کھڑی رہی ہو۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو.....؟'' نیما نے اسے سخت لہجے میں مخاطب کیا۔

''پوچھنے آئی تھی کہ بلیک کافی یا.....!''

''جاؤ.....!'' نیما آنکھیں نکال کر بولی اور وہ لڑکی تیزی سے باہر چلی گئی۔

''کچھ افراد خاص قسم کے لوگوں کے لئے بعض کمزوریاں بھی رکھتے ہیں۔'' نیما نے معذرت طلب لہجے میں کہا۔ ''یہ لڑکی لمبے چوڑے آدمیوں کو دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہے۔''

''اجی.....میں قیا.....ہی ہی ہی۔'' قاسم نے شرما جانے کی ایکٹنگ کی تھی۔

نیما اس کی مضحکہ خیز حالت دیکھ کر ہنس پڑی اور بولی۔ ''آپ تو فلموں میں بہت لافٹر لیتے ہوں گے۔''

''اتفاق سے یہ روزمرہ زندگی میں بھی لافٹر ہی لیتے رہتے ہیں۔'' حمید بولا۔

''ہاں.....تو آپ کی فلم کی ہیروئن کون ہے؟'' نیما نے حمید کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھئے..... قصہ دراصل یہ ہے کہ ہم ایک بالکل ہی نیا تجربہ کرنے جا رہے ہیں اس
لئے کوئی معروف ہیروئن اس کے لئے تیار نہیں ہوئی۔''

''نئے تجربے سے کیا مراد ہے۔''

''کہانی عام ڈگر سے اتنی ہٹی ہوئی ہے کہ لوگوں نے ابھی سے میرا مذاق اڑانا شرو
کر دیا ہے۔''

''پھر بھی.....!''

''اس فلم کی ہیروئن دراصل ایک لومڑی ہے۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔'' پشت سے آواز آئی اور وہ چونک پڑے۔ بائیں جانب
والے دروازے میں ڈاکٹر چنگیزی کھڑا نظر آیا۔

''لومڑی کی سی شکل والی کوئی عورت..... میرا مطلب تھا.....!'' حمید نے بڑی سعادت
مندی سے کہا۔

ڈاکٹر تیزی سے چل کر ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''ہماری فلم بہت نیچرل ہوگی۔'' حمید پُرسکون لہجے میں بولا۔

''لومڑی کی کیا بات کر رہے تھے؟''

''آپ تشریف رکھئے تو عرض کروں۔''

''میں پوچھ رہا ہوں..... لومڑی کی کیا بات تھی۔''

''کہانی دراصل یوں ہے کہ ایک شکاری یعنی ہیرو ایک لومڑی کا تعاقب کرتا ہے
لومڑی ایک غار میں داخل ہو جاتی ہے اور جب ہیرو اس غار کے قریب پہنچتا ہے تو لومڑی کی
سی شکل والی ایک عورت غار سے جھانکتی نظر آتی ہے۔''

''تم بکواس کر رہے ہو۔''

''لینگویج پلیز.....!'' حمید کو بھی غصہ آ گیا۔

''لومڑی۔'' ڈاکٹر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سانپ کی طرح پھنکارا۔

''ڈاکٹر.....!'' نیما اونچی آواز میں بولی۔ ''سیریس ہونے کی ضرورت نہیں۔''

حمید نے محسوس کیا جیسے اس وارننگ پر ڈاکٹر سنبھل گیا ہو۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ

نے کہا۔ ''لیکن یہ کہانی نیچرل کس طرح کہلائے گی۔''

''اس طرح ڈاکٹر کہ ہیروئن عام طور پر بہت خوبصورت ہوتی ہے لیکن میں ایک ایسی
ی فلما رہا ہوں جس کی ہیروئن لومڑی کی شکل کی ہے۔''

''پھر لومڑی۔'' ڈاکٹر پیر پٹخ کر دہاڑا۔

''اوہ زیٹو صاحب۔'' نیما جلدی سے بولی۔ ''دراصل ڈاکٹر کو لفظ لومڑی سے نفرت ہے۔
ومڑی کو بسکٹ کہتے ہیں۔''

''اور بسکٹ کو قیا کہتے ہیں۔'' قاسم نے ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

ڈاکٹر نیما کو قہر آلود نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ پھر وہ تیزی سے مڑا اور بائیں جانب
لے دروازے سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

''ڈاکٹر صاحب میری سمجھ میں نہیں آئے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ہر جینیئس کی کوئی نہ کوئی کمزوری بھی ہوتی ہے۔'' نیما نے پُرزور آواز میں کہا۔

''میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔ کیا کبھی ڈاکٹر کی زندگی سے کوئی بہت زیادہ چالاک
عورت بھی وابستہ رہی ہے۔''

''کمال ہے۔'' نیما تحیر زدگی کے عالم میں حمید کو دیکھتی رہ گئی۔

''قیا قمال ہے۔'' قاسم چڑھ کر بولا۔

''یہ اتنی جلدی معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے۔'' نیما طویل سانس لے کر بولی۔

''دراصل نفسیات میرا محبوب ترین سبجیکٹ ہے۔'' حمید نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے
ساتھ کہا۔

قاسم نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ گڑبڑا کر رہ گیا۔ دوسری لڑکی ناشتے کی
ٹرالی دھکیلتی ہوئی کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

حمید نے واضح طور پر دیکھا تھا کہ لڑکی نے ایک بیہودہ سا اشارہ کیا تھا۔ دفعتاً نیما اٹھتی
ہوئی بولی۔ ''آپ لوگ کافی پیجئے۔ میں ابھی آئی۔''

وہ چلی گئی اور دوسری لڑکی قاسم کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''آپ تو اس طرح شرما
ہے ہیں جیسے کوئی دیہاتی لڑکی۔ یہ سینڈوچ لیجئے نا۔''

"ہی ہی ہی ہی..... جی ہاں۔" قاسم نے ہاتھ بڑھا کر ایک سینڈوچ
اورغڑاپ سے پورا کا پورا ایک ہی بار منہ میں رکھ لیا۔

حمید نے اپنے لئے کافی انڈیلی لیکن لڑکی نے اُسے سینڈوچ کھانے کی دعوت نہیں
تھی۔ وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ لڑکی ذہنی طور پر قاسم پر لدی پڑ رہی ہو۔

"سب کھا لیجئے جناب۔ تکلف کی ضرورت نہیں۔" اس بار وہ قاسم کے شانے پر
رکھ کر اٹھلائی۔

قاسم فخریہ انداز میں حمید کی طرف دیکھتا ہوا اپنی مسکراہٹ کی مٹی پلید کئے جا رہا
ظاہر ہے منہ تو سینڈوچ سے بھرا ہوا تھا اس پر سے مسکرانے کی کوشش۔

"کیا آپ مجھے اپنی تندرستی کا راز بتا سکتے ہیں؟" لڑکی نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"خوب خاؤ۔" قاسم منہ چلاتا ہوا بولا۔

حمید خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ یہ لڑکی بھی خوش شکل اور صحت مند تھی۔ قاسم
اسی نے کافی بنائی اور پیالی اسکی طرف کھسکاتی ہوئی بولی۔ "کہئے تو کھانے کو کچھ اور بھی لاؤں"

"نہیں.....!" حمید جلدی سے بولا۔ "انہیں زیادہ نہ کھلایئے۔ ابھی بہت کام پڑے ہیں"
اس پر قاسم نے اُسے غصیلی نظروں سے دیکھا تھا لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔ کافی ختم ہو
سے پہلے ہی نیما پھر کمرے میں داخل ہوئی۔

"چلئے.....اب میں آپ لوگوں کو وہاں چھوڑ آؤں۔ سہ پہر کو شوٹنگ دیکھنے آؤں گی"
اس نے کہا۔

"ضرور.....ضرور.....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

قاسم نے جلدی سے بقیہ کافی حلق میں انڈیلی تھی اور اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں بھی چلوں؟" دوسری لڑکی نے نیما سے پوچھا۔

"تم کہاں بیٹھو گی۔" نیما نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "پچھلی سیٹ پر تو صرف
سمائیں گے۔"

"میں بیٹھ جاؤں گی کسی نہ کسی طرح۔"

"ڈاکٹر سے پوچھ لو جا کر پہلے.....ورنہ بعد میں۔"

"تم چاہو تو لے جا سکتی ہو اور ڈاکٹر سے کہہ سکتی ہو کہ تم خود لے گئی تھیں۔"

"ہوں.....اچھا.....!" نیما کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "چلو۔"

پہلے قاسم بیٹھا تھا اس کے بعد لڑکی بچی ہوئی جگہ پر ٹکتی ہوئی قاسم کے کان میں آہستہ
سے بولی تھی۔ "مجھے سنبھالے رہنا ورنہ گر جاؤں گی۔"

قاسم کے دانت نکل پڑے اور اس نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

جیپ ناہموار راستوں سے گزرنے لگی تو ایک بار اس لڑکی نے قاسم پر لدتے ہوئے کہا۔

"میرا نام کلارا ہے۔"

"پپ.....پپ.....پیارا ہے۔" قاسم ہکلایا۔

"میں بھی فلم میں کام کرنا چاہتی ہوں۔"

"قریئے.....قریئے۔"

"آپ کا کیا رول ہے؟"

"مم.....میں جنگلیوں کا سردار ہوں۔"

"مجھے سردارنی بنا لو۔"

"ہی ہی ہی.....مذاخ قر رہی ہیں آپ.....!"

"تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔"

"غ.....غغ.....غغ.....!" قاسم کے حلق سے بے ہنگم آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہ نکل سکا۔

تھوڑی دیر بعد جیپ ان کے ٹھکانے پر پہنچ گئی۔ نیما نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے
حمید سے کہا۔ "مگر کیا ضروری ہے کہ آپ کو اسی وقت کوئی لومڑی مل ہی جائے جب آپ
شکاری سے اس کا تعاقب کرانا چاہتے ہوں۔"

"ہمارے پاس ایک لومڑی موجود ہے۔"

"ہائے موجود ہے۔" کلارا اٹھلائی۔ "مجھے بھی دکھایئے۔ میں نے آج تک لومڑی نہیں
دیکھی۔"

حمید اُسے چھولداری میں لایا جہاں لومڑی کا پنجرہ رکھا تھا۔

"ہائے.....کتنی پیاری لگ رہی ہے۔" کلارا چہکارتی ہوئی آواز میں بولی۔

"واقعی آپ لوگ فلمی روایات سے ہٹتے ہوئے معلوم ہو رہے ہیں۔" نیما نے کہا۔

"تو آپ سہ پہر کو آ رہی ہیں؟"

"ضرور آؤں گی۔"

"مجھے بھی لانا.....ڈاکٹر تمہاری بات نہیں ٹالتے۔" کلارا گھگھیائی۔

اُن کے چلے جانے کے بعد حمید بقیہ لوگوں سے کٹ کر اس گاڑی میں آ بیٹھا جس میں لاسلکی ٹیلیفون موجود تھا۔

"ہیلو.....!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "چینل سکس پلیز..... تھینکس۔"

پھر کسی قدر توقف کے ساتھ بولا۔ "ہیلو..... ہارڈ اسٹون۔"

"ہارڈ اسٹون.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "یور آئیڈنٹٹی.....؟"

"زیٹو.....کام بن گیا۔" حمید بولا۔ "لومڑی کے نام پر وہ بوکھلا گیا تھا اوور۔"

"گڈ.....اور کچھ۔"

"لومڑی دیکھنے کے لئے اس کی دو لڑکیاں ہمارے خیموں میں آئی تھیں۔"

"بس آنکھیں کھلی رکھو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سانپوں کی وجہ سے ساتھی پریشان ہیں۔"

"فکر نہ کرو.....میں جلد ہی پہنچوں گا.....اوور اینڈ آل۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے ریسیور ڈیش بورڈ خانے میں رکھ دیا۔

❖

شوٹنگ شروع ہونے سے قبل ہی وہ دونوں وہاں پہنچ گئی تھیں۔

"اَمے.....!" قاسم حمید کا شانہ دباتا ہوا بولا۔ "دوسری والی بھی آئی ہے۔"

"شٹ اپ.....بہت زیادہ دلچسپی ظاہر کرنے کی کوشش مت کرو۔"

"قیوں.....ہو.....ہوپ۔" قاسم نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ کیونکہ وہ قریب آ پہنچی تھیں۔

"ارے..... یہ تم ہو۔" کلارا قاسم کو دیکھ کر ہنس پڑی کیونکہ .. اس وقت جنگلیوں کے ار کے لباس میں تھا۔

"م.....میں.....دراصل.....!" قاسم ہکلا کر رہ گیا۔

"فلم کا نام کیا ہوگا.....؟" نیما نے حمید سے پوچھا۔

"یہ تم ملتے اگر.....!" حمید بولا۔

"تو پھر شروع کرائیے شوٹنگ۔"

"بڑی مصیبت ہے۔ دیکھئے اس وقت ہم شوٹنگ کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔"

"کیوں.....؟"

"بار بار بادل آ جاتے ہیں۔ رفلکٹرز سے بھی کام نہیں چل رہا۔"

"تو اس طرح تو بڑا نقصان ہوتا ہوگا۔"

"جی ہاں.....لیکن فلم دیکھنے والوں کو ان دشواریوں سے کیا سروکار، وہ تو ڈھائی گھنٹے پوری فلم دیکھ کر گالیاں دیتے ہوئے ہال سے رخصت ہو جاتے ہیں۔"

"گالیاں کھانے کا کام ہی کیوں کرتے ہیں۔" نیما بولی۔

"صاحب! اپنے یہاں کے فلم بین حضرات اب تک میری سمجھ میں نہیں آ سکے۔ فارمولا فلم بناؤ تو گالیاں کھاؤ اور نہ بناؤ تو اس سے زیادہ گالیاں کھاؤ۔ ہیرو ہیروئن کی شادی کرا دینے پر تلے بیٹھے رہتے ہیں۔ پوچھو بھائی اگر شادی ہوگئی تو تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا اور نہ ہوئی تو تم پر لعنت پھٹکار برسنے لگی۔"

"سوال یہ ہے کہ آپ فلم ہی کیوں بنانے بیٹھے ہیں۔ کوئی اور کاروبار دیکھئے۔"

"ہاں یہ سوال لاکھ کا ہے۔ لیکن ہیرا پھیری بھی آدمی کی فطرت میں شامل ہے۔ غالباً آپ سمجھ گئی ہوں گی میرا باپ فلم نہیں بناتا تھا اس کے باوجود بھی خاصا تندرست رہتا تھا۔"

"وہ کیا کرتے تھے۔" کلارا نے مضحکانہ انداز میں سوال کیا۔

"مجھے پیدا کرنے کے علاوہ انہوں نے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔"

''کیا مطلب.....؟''

''جاگیردار تھے۔'' حمید شرما کر بولا۔

''آپ بھی دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''جی ہاں..... جی ہاں..... بہت دلچسپ۔'' قاسم نے احمقانہ انداز میں تائید کی۔

''میں دراصل لومڑی والا منظر دیکھنا چاہتی تھی۔'' نیما حمید کو بغور دیکھتی ہوئی بولی۔

''میں سمجھ گیا آپ کا مطلب..... یعنی ہم کس طرح اسے کیمرے کی گرفت میں گے۔''

''جی ہاں..... میں یہی دیکھنا چاہتی ہوں۔'' نیما ہنس کر بولی۔ ''وہ تو پنجرے ہوتے ہی کسی طرف بھی بھاگ سکتی ہے۔ کوئی تربیت یافتہ کتا تو ہے نہیں کہ آپ کے ا پر چلے گا۔''

''دیکھئے گا آپ..... کس طرح میرے اشاروں پر چلتی ہے۔''

''تو پھر شروع کیجئے نا۔'' کلارا اٹھلائی۔

''اس روشنی میں آپ شوٹنگ تو نہ دیکھ سکیں گی البتہ ریہرسل۔''

''چلئے..... ریہرسل ہی سہی۔ لیکن لومڑی والا سین۔'' نیما نے کہا۔

''ریہرسل میں تو وہ نکل جائے گی ہاتھ سے۔''

نیما ہنس پڑی اور ٹھیک اسی وقت خیموں کے پیچھے سے کسی کے چیخنے کی آواز آئی بیک وقت کئی آدمی چیخے۔ ''سانپ..... سانپ..... ڈس لیا۔''

حمید اچھل کر آوازوں کی طرف جھپٹا۔ پھر سبھی اسی جانب دوڑتے چلے گئے تھے۔ کا ایک آدمی دونوں ہاتھوں سے اپنی پنڈلی پکڑے بیٹھا بری طرح چیخ رہا تھا۔

''پیچھے ہٹو..... پیچھے ہٹو..... اس کے قریب بھیڑ نہ لگاؤ۔'' نیما لوگوں کو دونوں ہاتھوں دھکیلتی ہوئی آگے بڑھی اور مارگزیدہ کے قریب پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

''ہاتھ ہٹاؤ..... مجھے زخم دیکھنے دو۔'' اس نے اس سے کہا اور پنڈلی سے اس ہٹانے لگی۔

زخم دیکھ کر اس نے طویل سانس لی اور پھر حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ ''اے جلد

لیبارٹری کی طرف لے چلئے۔''

وہ چلے گئے اور کلارا جیپ پر جگہ نہ ہونے کی بناء پر وہیں رہ گئی۔ ویسے قاسم نے اُسے گاڑی پر لے جانے کی پیش کش کی تھی۔

''کچھ دیر باہر رہنا چاہتی ہوں۔ اس عمارت میں دم گھٹنے لگا ہے۔'' کلارا نے کہا اور جلدی سے بول پڑا۔ ''بلقل..... بلقل..... آپ شہر میں ہوتیں تو خوب سیر سپاٹے قراتا۔''

''آپ مجھے اتنے بھولے اور پیارے لگتے ہیں کہ کیا بتاؤں۔''

''ارے میں کیا..... ہی ہی ہی..... بلقل بے وقوف ہوں۔''

''اسی لئے تو اتنے پیارے ہیں۔ عقلمند مرد مجھے بالکل گدھے لگتے ہیں۔''

''ہوتے ہی ہیں سالے گدھے۔ یہ بھی کوئی عقلمندی ہوئی کہ عورتوں کو اچھے نہیں لگتے۔''

''میں آپ کو کیسی لگتی ہوں؟''

''بس قیا بتاؤں..... یہی جی چاہتا ہے کہ دیکھتا رہوں۔ دن میں بھی اور رات میں بھی۔''

''رات میں کیسے دیکھ سکیں گے۔'' کلارا مایوسی سے بولی۔ ''میں کوٹھی میں ہونگی اور آپ یہاں۔''

''ڈاکٹر آپ کا قون ہے؟''

''مالک..... میں اس کی ملازمہ ہوں۔''

''لاحول والا کوت..... یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ نہیں آپ اس کی مالک ہیں۔''

''یقین کیجئے..... ڈھائی سو روپے ماہوار پر ملازم ہوں۔''

''لعنت ہے مجھ پر۔'' قاسم غصیلے لہجے میں بولا۔

''ارے آپ اپنے اوپر کیوں لعنت بھیج رہے ہیں۔''

''قیوں نہ بھیجوں۔ آپ نوکری قریں اور میں اُلو کا پٹھا دیکھتا رہوں..... چلئے میرے ساتھ..... شہر چلئے۔''

''ڈاکٹر مجھے گولی مار دے گا..... جلاد ہے۔''

''ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گا۔ آپ قیا سمجھتی ہیں مجھے۔''

تھوڑی دیر بعد نیما واپس آ گئی۔ مارگزیدہ کو تجربہ گاہ میں چھوڑ آئی تھی۔ حمید نے ایک بار کا شکریہ ادا کیا اور وہ کلارا کو جیپ میں بٹھا کر واپس چلی گئی۔

اس شب کو ڈاکٹر چنگیزی سٹنگ روم میں نیما سے اُلجھ رہا تھا۔ نیما بہت زیادہ
معلوم ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے دونوں میں کسی بات پر شدید ترین اختلاف ہو گیا
اسی وقت ایک ملازم کمرے میں داخل ہو کر بولا۔ ''اطلاعی سیٹی ہے جناب۔''

''اوہ.....اس وقت کون ہے؟'' ڈاکٹر پیر پٹخ کر دہاڑا۔

''تم دیکھو! کون ہے۔'' نیما نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے ملازم سے کہا۔ ملازم چلا

''تم حد سے زیادہ بدحواس ہوتے جا رہے ہو ڈاکٹر۔'' نیما نے سخت لہجے میں کہا۔

''بکواس مت کرو.....تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔''

''میں پھر کہتی ہوں کہ اس فلم والے کو جوں کا توں نکل جانے دو۔''

''کوئی دلیل.....؟''

''بس یونہی! ہر مار گزیدہ کے ساتھ یکساں ٹریٹمنٹ مناسب نہیں۔''

''اس سے پہلے تو کبھی تم نے اس قسم کا مشورہ نہیں دیا۔''

''اب دے رہی ہوں۔'' وہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔ ''اور اسکی کوئی خاص وجہ نہیں

''نہیں.....اس کی وجہ وہ کھلنڈرا فلم ڈائریکٹر معلوم ہوتا ہے۔''

''اگر تم نے اس قسم کا کوئی بیہودہ الزام مجھ پر لگایا تو.....!''

وہ جملہ پورا نہیں کر پائی تھی کہ ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

''کون ہے.....؟'' ڈاکٹر نے کھا جانے والے انداز میں پوچھا۔

''کوئی سیٹھ اکرام ہیں۔ فوراً ملنا چاہتے ہیں۔''

''اُوہ..... یہ مردود پاگل ہو گیا ہے۔ جاؤ بلا لاؤ۔'' ڈاکٹر غرایا اور ملازم کے جا
پر نیما سے بولا۔ ''تم اندر جاؤ۔''

نیما اُسے خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد سیٹھ اکرام ملازم کے ساتھ وہاں پہنچا تھا۔

''کیوں.....؟'' ڈاکٹر چنگیزی اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے میرے آدمی کے ساتھ اتنا بُرا برتاؤ کیوں کیا
رے کیا ہو گیا ہے۔'' سیٹھ اکرام کا لہجہ بھی اچھا نہیں تھا۔

''سوال تو یہ ہے کہ وہ آیا ہی کیوں تھا؟''

''میں نے بھیجا تھا تاکہ تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر دیا جائے۔''

''کیسا خطرہ؟ شائد تمہارا دماغ چل گیا ہے۔''

''تمہارے ڈرموں کی سپلائی کے سلسلے میں فریدی چھان بین کر رہا ہے۔''

''کرنے دو۔ کیا میں کوئی غیر قانونی کام کر رہا ہوں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے
میرے کام کے سلسلے میں حکومت سے امداد ملتی ہے۔ میں سرکاری تجربہ گاہوں کے لئے
سانپوں کا زہر اکٹھا کرتا ہوں۔ کیا سمجھے۔ اصل میں غلطی میری ہی ہے کہ تم جیسے لوگوں سے
کاروباری تعلق رکھتا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟'' سیٹھ اکرام کی بھنویں تن گئیں۔

''تم شاید اپنی ہی طرح مجھے بھی کوئی اسمگلر سمجھتے ہو۔ اسی لئے خیر خواہی جتانے دوڑے
آئے ہو۔ اے احمق سیٹھ۔ اگر میں اپنے ڈرموں کو ایک ویران جگہ پر ڈلوا دیتا ہوں تو اس کا یہ
مطلب نہیں کہ اُن ڈرموں میں کوئی چیز بھر کر سرحد پار بھجوائی جاتی ہے۔''

''مم.....میں تو یہی سمجھتا تھا۔''

''بس جاؤ.....اب میں تم سے اپنا کاروباری تعلق ختم کرتا ہوں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ تمہارا
ادارہ پولیس کی بلیک لسٹ پر ہے۔''

''جہنم میں جائے سب کچھ۔'' سیٹھ اکرام بھی گرم ہوتا ہوا بولا۔ ''تم نے میرے آدمی
پر اتنا بڑا الزام کیوں لگایا۔ کہاں ہے وہ لڑکی بلاؤ اُسے۔''

''بہت خوب! اس کے بعد بھی وہ اس چھت کے نیچے رہ سکتی تھی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اسی دن اُسے بھی نکال باہر کیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اب وہ کہاں ہو گی۔''

''میرا آدمی قریب المرگ ہے۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ اب تک مر چکا ہوگا۔'' ڈاکٹر نے لاپرواہی سے کہا۔
''وہ قسمیں کھاتا ہے۔''
''تو پھر کیا ہوا ہے اُسے؟''
''ڈاکٹر کہتے ہیں کہ خون حیرت انگیز طور پر ضائع ہوا ہے۔''
''تو پھر وہی لڑکی اس کا خون بھی پی گئی ہوگی۔ سیٹھ اکرام اب تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ''
''ورنہ کیا ہوگا.....؟''
''میں تمہیں اُٹھوا کر باہر پھنکوا دوں گا۔''
''اچھی بات ہے.....ڈاکٹر میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ جارہا ہوں۔''
''غصے میں یونہی نکلے نہ چلے جانا۔'' ڈاکٹر چنگیزی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں
کہا۔ ''ورنہ ڈسے جاؤ گے۔ کسی ملازم کے ساتھ کمپاؤنڈ پار کرنا۔''
سیٹھ اکرام کمرے سے نکل گیا۔ ڈاکٹر چنگیزی کے ہونٹوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ تھی
اکرام کے جاتے ہی نیما اس طرح کمرے میں داخل ہوئی تھی جیسے قریب ہی کہیں
ہوئی اُن کی گفتگو سنتی رہی ہو۔
''میں نہیں سمجھ سکتی کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔'' وہ ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی
''اپنے کام سے کام رکھو۔'' ڈاکٹر غرایا۔
''اچھی بات ہے.....میں جارہی ہوں۔''
''کہاں.....؟'' ڈاکٹر چونک پڑا۔
''کہیں بھی جاؤں.....لیکن اب تم سے کوئی تعلق نہ رکھوں گی۔''
''اُوہ.....سمجھنے کی کوشش کرو نیما۔'' ڈاکٹر بے بسی سے بولا۔
''سیٹھ اکرام سے تمہارا برتاؤ نامناسب تھا۔''
''اچھا.....تو پھر کیا میں اس کی پوجا کرتا۔''
''نہیں.....کسی دوسری طرح اُسے مطمئن کرکے یہاں سے رخصت کرتے۔''
''تم نہیں سمجھ سکتیں۔ اگر میں ذرا بھی ڈھیلا پڑتا تو وہ میرے سر پر سوار ہوجاتا اور
اس سے ہمارا تعلق ہی کیا۔''

نیما کچھ نہ بولی۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''یہ بات اچھی
طرح ذہن نشین کرلو کہ کرنل فریدی چونک پڑا ہے۔''
''اونہہ.....اُسے بھی دیکھوں گا.....تم فکر نہ کرو۔''
''فلم والے کے بارے میں کیا سوچا.....؟''
''اگر تم اس پر رضامند نہیں ہو تو وہ صبح کو یہاں سے صحیح وسلامت رخصت ہوجائے گا۔
سانپ زہریلا نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کسی اجگر کے بچے نے کاٹا ہو۔''
''شکریہ.....میں یہی چاہتی ہوں، جب تک فریدی کا خطرہ ٹل نہ جائے ہمیں بہت محتاط
رہنا چاہئے۔ میں یہی معلوم کرنے کی کوشش کررہی ہوں کہ یہ فلم والے کہیں پولیس سے تو
تعلق نہیں ہیں۔''
ڈاکٹر اُسے چند لمحے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ بعض
اوقات تم کارآمد ثابت ہوتی ہو۔''
''بعض اوقات نہیں ہمیشہ۔'' وہ ڈاکٹر کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''لومڑی کے ذکر پر بھی تم
محتاط نہیں ہوسکے تھے۔''
''اُوہ.....اس کا کیا ہوگا.....؟'' ڈاکٹر کے لہجے میں اضطراب کی آمیزش تھی۔
''یہی تو دیکھنا ہے۔ محض اسی کی بناء پر مجھے شبہ ہے کہ وہ فلم والے نہیں ہیں۔'' نیما نے
پُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''بہرحال اُن کی پوری طرح نگرانی ہورہی ہے۔''
''لومڑی وہاں سے غائب بھی کرائی جاسکتی ہے۔'' ڈاکٹر بولا۔
''یہ کام مشکل نہیں ہے، لیکن فی الحال صبر کرو۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی پانچویں لومڑی
ہے جو واپس نہیں آئی تھی۔''
''کیا مطلب.....؟'' ڈاکٹر بوکھلائے ہوئے انداز میں دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔
''پانچویں لومڑی۔'' نیما سخت لہجے میں بولی۔ ''کیا تم خوفزدہ ہو۔''
''بکواس مت کرو۔'' یک بیک ڈاکٹر خود پر قابو پاتا ہوا غرایا۔ ''مجھے اس کی پرواہ نہیں
ہے کہ وہ پانچویں لومڑی ہے۔ جو بھی میرے راستے میں آیا مارا جائے گا۔''

حمید نے ہیرو کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ بڑا قد آور اور سجیلا جوان تھا۔ جس انداز
سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار میں وہاں پہنچا..... نیما اور کلارا ابھی موجود تھیں۔ حمید
آگے بڑھ کر اُسے غور سے دیکھا تھا۔

''گھوڑا ٹرک پر آ رہا ہے۔'' ہیرو نے گاڑی سے اترتے ہوئے اطلاع دی۔

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''تم تھوڑی دیر آرام کر لو۔''

کلارا اور نیما دونوں ہی اُسے گھورے جا رہی تھیں۔ قاسم کبھی ہیرو کی طرف دیکھتا اور
کلارا کو دیکھنے لگتا۔ حمید ہیرو کو ساتھ لئے ہوئے ایک خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ قاسم اتنی دیر
اپنی موجودہ حیثیت کو قطعی فراموش کر بیٹھا اور جھینپے ہوئے انداز میں کلارا سے بولا۔ ''با
چگد معلوم ہوتا ہے سالا.....!''

''کون.....؟'' کلارا چونک پڑی۔

''ہو غا قوئی۔'' قاسم نے لاپروائی سے کہا۔

''آپ نہیں جانتے۔'' نیما نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں نے قوئی جاننے کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔''

''میرے خیال میں شاید یہی ہیرو ہے۔'' کلارا بولی۔

''ہونہہ..... ایسے ہوتے ہیں ہیرو۔ سالے کی نہ ناک نہ نقشہ۔''

''اُوہ..... تو آپ نہیں جانتے؟''

''ارے میں قوئی گرا پڑا ہوں کہ ایسوں ویسوں قو جانتا پھروں۔''

نیما نے قاسم کی نظر بچا کر کلارا کو آنکھ ماری اور خود وہاں سے ہٹ کر یونٹ کے دوسرے
لوگوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

''بڑے تعجب کی بات ہے قراقرم والا صاحب.....!'' کلارا بولی۔

''قون سالا ہے قراقرم والا۔''

''پھر آپ کون ہیں؟''

اس سوال پر قاسم پھر چونکا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں ہنس کر بولا۔ ''میں..... میں
ہوں..... یعنی قاسم قراقرم.....!''

''لیکن ابھی تو آپ نے.....!''

''وہ..... وہ..... بس یونہی..... وہ تو میں سب اس لئے کہتا رہا ہوں کہ آپ صرف میری
بات کریں..... وہ سالا ہیرو..... بہت زیادہ خبصورت تو نہیں ہے۔''

''ہائے..... آپ..... تو بس۔''

''ہاں..... ہاں..... قہو قہو.....!''

''اپ تو میری زندگی کے گھنٹہ گھر ہیں۔''

''مذاق اڑا رہی ہو میرا۔''

''ارے نہیں۔ کسی موٹے آدمی کو آج تک میں نے اتنا خوبصورت نہیں پایا جتنے آپ ہیں۔''

''شکریہ۔'' قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ ''آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

کلارا چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔ واقعی قاسم کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ ساتھ ہی شائد ذہنی
رو بھی بہکی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں موٹے موٹے قطرے گالوں پر ڈھلکنے لگے۔

''ارے..... ارے..... یہ کیا ہو رہا ہے۔'' کلارا بوکھلا گئی۔

''بس اب..... مم..... میرے خدا..... میں قیا قروں۔''

''کچھ بولئے نا..... یہ کیا ہو گیا آپ کو۔''

''آج آپ محوبت قی باتیں کر رہی ہیں۔ کل میں بلقل اکیلا رہ جاؤں غا۔ مجھے قوئی
منہ نہیں لگاتا۔''

کلارا کھڑی متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتی رہی۔

''مم..... مجھے..... اب مر جانا چاہئے۔'' قاسم نے پھر غوں غوں کی۔

''ارے..... یہ کیسی مایوسی کی باتیں کر رہے ہیں۔''

''میں یہاں سے واپس نہیں جانا چاہتا۔ قوئی سانپ ہی ڈس لے تو اچھا ہے۔''

''آخر آپ کو کیا ہو گیا ہے۔''

"آپ کچھ نہ پوچھئے.....ورنہ زور زور سے رونے لگوں گا۔" قاسم کی آواز کسی قدر
ہوگئی اور کلارا نے غالباً اس لئے چاروں طرف دیکھا تھا کہ کہیں کوئی ان کی طرف متوجہ
نہیں۔ پھر چپ چاپ قاسم کے پاس سے کھسک کر نیما کے قریب جا پہنچی تھی۔

اتنے میں حمید اور ہیرو ایک دوسرے پر گرجتے برستے ہوئے خیمے سے باہر نکلے۔

"ٹھیک ہے۔" حمید دہاڑ رہا تھا۔ "آپ نہیں کرنا چاہتے تو تشریف لے جایئے
ہمارے کانٹریکٹ میں ایسی کوئی شق نہیں تھی کہ آپ کا کام کوئی ڈپلیکیٹ بھی کرے گا۔"

"معاہدوں میں یہ باتیں نہیں ہوا کرتیں۔" ہیرو بھی چلایا۔ "کبھی اور بھی فلم بنائی تھی؟"

"بکواس بند کرو۔" حمید اُسے گھونسہ دکھا کر چیخا۔ "کیا میں نے تمہاری خوشامد کی تھی
میرے لئے کام کرو۔ تم خود ہی چکر لگاتے رہے تھے۔"

"گھوڑے پر ڈپلیکیٹ بیٹھے گا۔"

"ہرگز نہیں.....مجھ سے متفق نہیں ہو تو چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"اچھی بات ہے۔ میں تمہیں دیکھوں گا۔" ہیرو اپنی اسپورٹ کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"چپ چاپ چلے جاؤ، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" حمید جامے سے باہر ہوتا ہوا چیخا۔

وہ پھر پلٹ پڑا۔

"آخر بات کیا ہے؟" نیما حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"دوڑتے ہوئے گھوڑے پر خود نہیں بیٹھیں گے کوئی اور بیٹھے اور کھڑے ہوئے گھوڑے
پر ان کا کلوز اپ لیا جائے۔ اب میں اس وقت کہاں سے لاؤں ڈپلیکیٹ..... پہلے ہی کہہ دیا
ہوتا۔"

"تو اس میں اتنا گرم ہونے کی کیا بات ہے۔" ہیرو ان کے قریب پہنچ کر بولا۔

"مفت میں وقت اور پیسہ ضائع کراتے ہو تم لوگ۔" حمید غرایا۔ "نہیں صاحب! اب
میں دوسرا ہی انتظام کروں گا۔ آپ تشریف لے جایئے۔"

"میں سوٹ فائیل کردوں گا تمہارے خلاف۔"

"ضرور کردو.....اور اب چلے جاؤ۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ بات بہت زیادہ بڑھ جائے۔"

"اچھا.....اچھا..... میں دیکھوں گا۔" ہیرو نے دانت پیستے ہوئے کہا اور پھر اپنی گاڑی

کی طرف بڑھ گیا۔

"پھر اب کیا کرو گے؟" نیما نے حمید سے پوچھا۔

"پرواہ نہیں۔ یہ بھی نیا ہی چہرہ تھا۔ میں کسی کو بھی ہیرو بنا سکتا ہوں۔ میری یہ فلم کاسٹ
پر نہیں کہانی کے بل بوتے پر چلے گی۔ سب جائیں جہنم میں۔"

دفعتاً ہیرو کی گاڑی کی طرف سے کسی کے چیخنے کی آواز آئی اور وہ چونک کر اس کی
طرف متوجہ ہوگئے۔ ہیرو زمین پر پڑا چیخ رہا تھا۔ "سانپ.....سانپ کاٹ گیا۔"

ایک بڑا سا سانپ سرسراتا ہوا دوسری طرف کی جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔

"خدا کی پناہ.....کوبرا۔" نیما کہتی ہوئی ہیرو کی طرف جھپٹی۔

ہیرو نے سینڈل پہن رکھے تھے۔ سانپ نے داہنے پیر کے انگوٹھے پر منہ مارا تھا۔

"رسی لاؤ۔ جلدی سے کوئی رسی لاؤ۔" نیما دونوں ہاتھوں سے اس کی پنڈلی دباتی ہوئی
چیخی تھی۔

اس وقت پچھلے دن سے زیادہ سنسنی پھیل گئی تھی۔ کسی نے موٹی سی ڈور نیما کے ہاتھ میں
پکڑا دی اور وہ اسے مارگزیدہ ہیرو کی پنڈلی پر سختی سے لپیٹنے لگی۔

کچھ لوگ بڑے بڑے پتھر لئے جھاڑیوں میں سانپ کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ نیما
حمید کو مخاطب کرکے بولی۔ "اسے جلد از جلد تجربہ گاہ تک پہنچانے کی کوشش کرو۔"

حمید پر بھی بوکھلاہٹ سی طاری ہوگئی تھی۔ اس طرح چاروں طرف بھاگتا پھر رہا تھا جیسے
کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا ہو کہ اب کیا کرنا چاہئے۔

مارگزیدہ کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے۔ بدقت تمام اُسے نیما کی جیپ پر بٹھایا
گیا۔ حمید اسکے ساتھ بیٹھا اور جیپ تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہوگئی۔ کلارا قاسم کیساتھ وہیں کھڑی
تھی۔ فلم یونٹ کے دوسرے لوگ بہ آواز بلند کہہ رہے تھے کہ اب وہ وہاں نہیں رکیں گے۔

"میں بھی نہیں چاہتی کہ رات آپ یہاں بسر کریں۔" کلارا نے قاسم سے کہا۔

"پھر کہاں کروں؟"

"اگر آپ کو بھی سانپ ڈس لے تو میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاسکوں گی۔"

"یعنی.....یعنی.....!" قاسم ہکلایا۔

’’خدانخواستہ آپ کو سانپ ڈسے۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ ڈسے جانے کی ایکٹنگ کیجئے اور یہاں سے نکل چلئے۔‘‘

’’اُوہو..... یہ بات ہے..... اچھا..... اچھا۔‘‘

’’آپ کی ماہانہ آمدنی اندازاً کتنی ہوگی؟‘‘

’’قچھ پتا نہیں.....!‘‘ قاسم کی ذہنی رو پھر بہکنے لگی۔

’’بڑی عجیب بات ہے۔ آپ کو اپنی ماہانہ آمدنی کا علم نہیں جبکہ شاید آپ بھی پہلی بار اس فلم میں آرہے ہیں۔‘‘

’’ارے تو قیا میری قوئی فلم کی کمائی ہے۔‘‘

’’تو پھر.....!‘‘

’’فلم تو شوق کی چیز ہے۔ میرے تو بہت بڑے بڑے کارخانے اور مل ہیں۔‘‘

’’بیوقوف بنا رہے ہیں۔‘‘ وہ ہنس پڑی۔

’’نہیں الاقسم..... عاصم ملٹی انڈسٹریز کا نام تو سنا ہی ہوگا آپ نے۔‘‘

’’کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔‘‘

’’عاصم صاحب میرے والد صاحب ہیں۔‘‘

’’اوہ..... شادی ہوچکی ہے..... آپ کی؟‘‘

’’تھوڑی سی ہوئی ہے۔ جھوٹ قیوں بولوں۔‘‘

’’کیا مطلب.....؟‘‘

’’مطلب یہ کہ..... ہی ہی ہی..... قیا بتاؤں۔‘‘

’’خیر..... خیر..... کوئی بات نہیں۔ اب آپ جلدی سے ڈسے جانے کی اداکاری شروع کردیجئے۔ یہاں آپ کو نہیں رہنے دوں گی۔‘‘

’’مم..... مم..... سانپ۔‘‘

’’اچھا..... اچھا..... آپ سے نہیں بنے گا۔‘‘ کلارا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ’’میں خود ہی کوئی تدبیر کروں گی۔‘‘

’’جی ہاں..... یہی ٹھیق ہے۔ آپ ہی قوئی تدبیر قر دیجئے اور میں تو قہتا ہوں کہ لاکھ فہم و فہم پر۔ آپ میرے ساتھ شہر چلئے۔ اپنے کسی آفس میں ہزار بارہ سو پر رکھوادوں گا۔‘‘

’’اگر ایسا ہو جائے تو کیا کہنا۔ میں اس جنگل اور سانپوں سے تنگ آگئی ہوں۔‘‘

’’اچھا تو پھر ایسا ہے کہ چپ چاپ نکل چلتے ہیں۔ میری بیوک اُدھر خیموں کے پیچھے کھڑی ہے۔‘‘

’’لیکن اس طرح نکل جانے پر ڈاکٹر مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔‘‘

’’ایسی کی تیسی سالے کی۔ ٹانگیں چیر کر پھینک دوں غا۔‘‘

❖

ڈاکٹر چنگیزی کی تجربہ گاہ میں اس وقت حمید بھی موجود تھا۔ ہیرو پر غشی طاری ہوگئی تھی اور ڈاکٹر چنگیزی اس انگوٹھے کو دیکھ رہا تھا جس پر سانپ کے دانتوں کے نشان تھے۔

دفعتاً ڈاکٹر نیما کی طرف مڑ کر بولا۔ ’’تم انہیں سٹنگ روم میں بٹھا کر یہاں واپس آؤ۔‘‘

’’چلئے۔‘‘ نیما نے حمید سے کہا اور حمید زیرلب کچھ بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف مڑ گیا۔ نیما اُسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ڈاکٹر کے پاس واپس آگئی۔ ڈاکٹر نے اسے دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا تھا۔ نیما خاموشی سے بائیں جانب مڑ گئی۔ ڈاکٹر نے دوسرے کمرے میں پہنچ کر آہستگی سے دروازہ بند کیا۔ نیما ہمہ تن گوش سوالیہ نشان بنی ڈاکٹر کو دیکھے جارہی تھی۔

’’تم نے خود دیکھا تھا کوبرا.....؟‘‘

’’ہاں..... میں نے خود دیکھا تھا..... کوبرا ہی تھا۔‘‘

’’تین سال سے ان اطراف میں جھک مار رہا ہوں۔ لیکن مجھے کہیں کوبرا دکھائی نہیں دیا۔‘‘

’’آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔‘‘ نیما اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

’’کوبرا وہ اپنے ساتھ لایا تھا لہٰذا تمہیں یہ سن کر بھی حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ کوبرا زہریلا نہیں تھا اور اس شخص کی بیہوشی محض ڈھونگ ہے۔‘‘

''تت.....تو پھر.....!''

''تمہارا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ پولیس والوں ہی کی بھیڑ ہے۔ فلم یونٹ نہیں

''دیکھا.....!'' وہ خوش ہوکر بولی۔ ''میرے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے، اسی

نے کہا تھا کہ اُسے جوں کا توں واپس کردو۔''

''اب اس کا کیا حشر کیا جائے؟''

''اس کا حشر بھی کروں گی۔'' نیما جھنجھلا کر بولی۔

''کیا مطلب.....؟''

''تھری سیون کا انجکشن دے کر وہیں چھوڑ آؤں گی۔''

''اور وہ ان پر پتھراؤ شروع کردے گا۔ نہیں یہ مناسب نہیں۔''

''کیوں.....؟''

''میرا خیال ہے کہ اس فلم ڈائریکٹر کو یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی جائے کہ یہ کوئی غیر معمولی کام نہیں ہو رہا اور ہاں کلارا کہاں ہے۔ اس سے کہو کہ موٹے پر سے اپنی ہٹالے۔ اس آدمی کو اُٹھوا کر وہیں اس کے کیمپ میں بھجوادو۔ کہہ دینا کہ سانپ زہریلا نہ تھا۔ دہشت سے بیہوش ہوگیا ہے۔''

''نہیں.....اسے بھی رات بھر روکنا چاہئے۔ فوری طور پر یہ کہہ دینا مناسب نہ ہوگا سانپ زہریلا نہیں تھا۔ اسے رات بھر یہیں رکھ کر اس کی نگرانی کی جائے۔''

''کیوں.....؟'' ڈاکٹر اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ خوبصورت ہے۔'' نیما نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''یہ کیا بکواس۔'' ڈاکٹر بھنا گیا۔

''اگر ذہن کام نہ کرے تو خاموشی اختیار کیا کرو۔ اگر وہ خود ہی سانپ اپنے ساتھ تھا تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد رہا ہوگا۔''

ڈاکٹر کے چہرے سے ناگواری کے آثار زائل ہوگئے اور وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔

نیما پھر بولی۔ ''مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ اُسے یہاں رات گزارنے کا موقع دیا جا اب ہم دیکھیں گے کہ وہ رات کو یہاں کیا کرتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ اگر کرنل فریدی ادھر متوجہ ہوا ہے تو اسے مایوسی ہی ہونی چاہئے لیکن وہ لومڑی.....اس کا کیا کیا جائے۔ اگر انہیں اس کو استعمال کرنے کا موقع مل گیا

''میں آج رات کو اُسے پنجرے ہی میں ختم کرادینے کی کوشش کروں گی۔ اس ڈائریکٹر کو کیمپ پہنچا کر واپس آتی ہوں۔ کلارا وہیں رہ گئی ہے۔''

نیما حمید کو جیپ میں بٹھا کر کیمپ کی طرف روانہ ہوگئی۔ خلاف معمول وہ بہت خاموش ی۔ حمید نے ہیرو کے متعلق استفسار کیا۔

''کوشش کی جائے گی کہ وہ بچ جائے۔ سانپ زہریلا تھا۔ کوبرا آپ جانتے ہی ہوں گے کتنا زہریلا ہوتا ہے۔''

''میں بہت زیادہ متفکر ہوں۔ خواہ مخواہ جھگڑا کر بیٹھا تھا۔''

نیما کچھ نہ بولی۔ وہ کیمپ میں پہنچ گئے۔ لیکن قاسم اور کلارا کا کہیں پتا نہ تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنا سامان بیوک میں رکھ کر کلارا سمیت کہیں چلا گیا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں۔'' نیما حمید کو گھورتی ہوئی بولی۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ لڑکی کو اُس سے بے تکلف نہ ہونے دیا جائے۔''

''پھر بھی.....آخر وہ کہاں گئے۔''

حمید خود الجھن میں پڑ گیا تھا۔ فریدی نے قاسم کو ساتھ لانے کی مخالفت کی تھی۔ لیکن حمید نے محض تفریحاً اُسے اس یونٹ میں شامل کرلیا تھا اور اُسے اس پر آمادہ کرنے کے لئے خاصے پاپڑ بھی بیلے تھے۔ لیکن وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ قاسم صرف اپنی ذمہ داری پر کوئی ایسی حرکت بھی کر بیٹھے گا۔

''سنو.....!'' نیما حمید کو مخاطب کرکے سخت لہجے میں بولی۔ ''اگر ایک گھنٹے کے اندر اندر کلارا واپس نہ آئی تو تم سب بھگتو گے۔''

''کلارا دودھ پیتی بچی تو نہیں تھی۔'' حمید بھی کسی قدر گرم ہوکر بولا۔ ''جہاں بھی گئی ہوگی اپنی مرضی سے گئی ہوگی۔ تم نے یہی تو بتایا تھا کہ موٹے آدمی اس کی کمزوری ہیں۔''

''کچھ بھی ہو۔ تم اس یونٹ کے انچارج ہو۔ اگر کلارا واپس نہ آئی تو تم سے نپٹا جائے گا۔''

''میں تو تمہیں بھی یہی مشورہ دینے والا تھا کہ سانپوں کے اس جنگل سے نکل
چلو۔ ملک کی مقبول ترین ہیروئن بنادوں گا۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا۔''

''آخر ڈاکٹر کتنی تنخواہ دیتا ہے۔''

''بے تکلف ہونے کی کوشش مت کرو۔''

''کیا کوشش کے بغیر بھی بے تکلف ہونا ممکن ہے۔''

''شٹ اپ۔''

''میں بہت دکھی ہوں محترمہ نیما۔ اس وقت ہزاروں کا نقصان ہوا ہے۔ لیکن اگر
میرے ساتھ چلنے پر رضا مند ہو جائیں تو یہ زخم مندمل بھی ہو سکتا ہے۔''

''میں کہتی ہوں بکواس بند کرو اور کلارا کا پتہ بتاؤ۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ٹرک خیموں کی اس چھوٹی سی بستی کے قریب آرکا۔
پر ایک گھوڑا مع ساز و سامان موجود تھا۔ ڈرائیور کے قریب والی اگلی نشست سے ایک آدمی
اُترا اور ٹرک کے پیچھے حصے کی رکاوٹ نیچے گرا کر گھوڑے کو اس پر سے اتارنے لگا۔

''اب کیا میں گھوڑے کو اپنے کاندھے پر سوار کراؤں گا۔'' حمید ہاتھ ہلا کر دہاڑا۔

''کیوں؟ کیا ہوا جناب؟'' نووارد نے پوچھا۔

''ہیرو کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ وہ ڈاکٹر چنگیزی کے کلینک میں بیہوش پڑا ہے۔''

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔'' وہ گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''دوسری صورت میں بھی بُرا ہی ہوتا کیونکہ اچانک اس نے گھوڑ سواری کے
ڈپلیکیٹ کی بات شروع کر دی تھی اور فوری طور پر ڈپلیکیٹ مہیا کرنا دشوار تھا۔''

''دیکھئے جناب! گھوڑا تین گھنٹے سے زیادہ یہاں نہیں روکا جا سکتا کیونکہ آج ی
تاریخ میں یہ ملا دو پیازہ کی شوٹنگ کے لئے بھی بک ہے۔''

''لیکن بھائی..... میں کیا کر سکتا ہوں۔ ہیرو اسٹوری سن چکا تھا اس وقت اس نے
نہیں کہا تھا کہ سرپٹ ڈپلیکیٹ سے کرائی جائے۔''

''تو یہ کونسی بڑی بات ہے۔'' نووارد بولا۔ ''سرپٹ کے لئے میں ڈپلیکیٹ ہاؤں

کلوز اپ بعد میں کر لیجئے گا۔''

''تب تو کام بن گیا۔ ٹھیک ہے۔'' حمید خوش ہو کر بولا۔ ''تمہیں ایک لومڑی کا تعاقب
نا پڑے گا۔''

''شیر کا تعاقب کرنا ہو تب بھی فکر نہ کیجئے۔'' نووارد نے مسکرا کر کہا۔

''میں جا رہی ہوں۔'' نیما بول پڑی۔

''اوہو..... ایسی بھی کیا جلدی۔ کیا آپ نہیں دیکھنا چاہتیں کہ ہم اُس لومڑی کو کس طرح
نٹرول کرتے ہیں۔''

''نہیں.....!'' وہ تیزی سے جیپ کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ ''کلارا آدھے گھنٹے میں
پہنچی تو دیکھنا اپنا حشر۔''

پھر وہ آندھی اور طوفان کی طرح تجربہ گاہ کی طرف چل پڑی تھی۔ راستے میں اُسے
یک بڑے اجگر کو بھی کچلنا پڑا۔ اسے راہ دینے کے لئے جیپ نہیں روکی تھی۔ عمارت کی کمپاؤنڈ
میں پہنچ کر گاڑی سے اُتری اور دوڑتی ہوئی عمارت میں داخل ہوگئی۔ ڈاکٹر صدر دروازے سے
نکل ہی رہا تھا۔ اس سے ٹکراتی ٹکراتی بچی۔

''کیوں کیا ہے؟''

''بیک وقت دو دشواریاں..... کلارا موٹے کے ساتھ فرار ہوگئی۔ مجھے اس پر کبھی اعتماد
نہیں رہا تھا۔''

''فرار ہوگئی؟''

''اُسے جہنم میں جھونکو..... وہ لومڑی کو پنجرے سے نکالنے جا رہے ہیں۔ ایک آدمی
گھوڑے پر بیٹھ کر اُس کا تعاقب کرے گا۔''

''اوہ..... دیکھوں گا۔'' ڈاکٹر دانت پیس کر بولا اور تیزی سے دوسری طرف مڑ گیا۔ نیما
س کے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ بائیں جانب والے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ میز کی دراز
کھول کر عجیب وضع کا لمبا سا پستول نکالا اور اس پر سائیلنسر فٹ کرنے لگا۔

''تم یہاں اس خبیث پر نظر رکھو، جو بیہوشی کا ڈھونگ رچائے پڑا ہے۔'' ڈاکٹر نے نیما
کی طرف مڑ کر کہا۔

"میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گی۔"

"کیوں.....؟" ڈاکٹر غرایا۔

"تم چنگیزی ہو.....غصہ آتا ہے تو عقل پناہ مانگ کر تم سے دور جا کھڑی ہوتی ہے"

"خاموش رہو۔" وہ اُسے دوسری طرف دھکیل کر نکلا چلا گیا۔

نیما چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر اس کمرے کی طرف چل پڑی جہاں فلمی ہیرو بڑی سی میز پر بیہوش پڑا تھا۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی، ہیرو کراہ کر بائیں ہو گیا۔ لیکن اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

لومڑی نے پنجرے سے نکل کر خیمے کا ایک چکر لگایا اور پھر باہر نکلی چلی گئی۔ کیمرہ جیپ پر بیٹھا تھا اور نو وارد ڈپلیکیٹ گھوڑے کی پشت پر نظر آ رہا تھا۔

لومڑی نے خیمے سے نکل کر ایک سمت دوڑنا شروع کیا۔ گھوڑا بھی حرکت میں آیا جیپ اس کے پیچھے چل پڑی۔ حمید کیمرہ مین کے قریب بیٹھا اُسے بہ آواز بلند ہدایات جا رہا تھا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ لومڑی نے وہی راستہ اختیار کیا تھا جو چنگیزی کی تجربہ گاہ کی طرف جاتا تھا اور اس راستے میں کوئی ایسی رکاوٹ بھی نہیں تھی گھوڑے اور جیپ کے لئے دشواریاں پیدا کر سکتی۔

لومڑی کسی پالتو کتے کی سی رفتار سے دوڑتی چلی جا رہی تھی اور اس کے اس رویے ذرہ برابر بھی وحشت نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ نہ اُسے اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے گھوڑے کی تھی اور نہ جیپ کا شور مچانے والا انجن ہی اس پر کسی طرح اثر انداز ہو سکا تھا۔ اچانک وہ اور راستے کی بائیں جانب جا پڑی۔ اس کے بعد گھوڑا لڑکھڑایا تھا۔ اگر سوار چھلانگ لگا میں ذرا سی دیر بھی لگاتا تو گرتے ہوئے گھوڑے کے نیچے دب کر اس کی بائیں ٹانگ

کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی ہوتیں۔

پھر جیپ کا ایک ٹائر بھی دھماکے سے پھٹ گیا۔

"کور.....کور.....!" گھوڑ سوار ایک درخت کے تنے کی اوٹ لیتا ہوا چیخا۔

جیپ پر بیٹھے ہوئے چار آدمیوں نے بھی بائیں جانب چھلانگ لگائی تھی اور اس کی ں میں دبک گئے تھے۔ لومڑی بے حس و حرکت پڑی تھی اور گھوڑا تڑپ تڑپ کر بناک ازیں نکال رہا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے۔ وہ اپنے کیمپ سے خاصے فاصلے پر تھے۔ حمید جیپ کے پاس سے ر کر مردہ لومڑی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ لومڑی کے داہنے پہلو پر گولی لگی تھی۔ گھوڑ سوار کا کہیں پتا نہ تھا۔ حمید نے اُسے آوازیں بھی دی تھیں لیکن جواب ندارد۔ گھوڑا ابھی زندہ تھا اور اس کے سر سے جیتا جیتا خون اُبل رہا تھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کیونکہ ایسے کسی موقع کے لئے کوئی یت فریدی کی طرف سے نہیں ملی تھی۔ وہ دوبارہ جیپ کی طرف واپس جا ہی رہا تھا کہ محدود رہ کار والے جیبی ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ اُس نے ٹرانسمیٹر نکال کر منہ کے قریب تے ہوئے کہا۔ "ہیلو.....!"

دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ "جہاں ہو وہیں رہو۔"

"بے آواز فائر ہو رہے ہیں۔ لومڑی ماری گئی۔" حمید طویل سانس لے کر بولا۔ "گھوڑا رنے والا ہے اور ڈپلیکیٹ غائب ہو گیا۔"

"فکر نہ کرو.....اب کوئی فائر نہیں ہوگا۔ وہیں ٹھہرو۔"

حمید نے ٹرانسمیٹر جیب میں ڈال لیا۔ اس کیس کے بارے میں اُسے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم تھا کہ فریدی ایک پُراسرار آدمی ڈاکٹر چنگیزی سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ فلم یونٹ کا کھڑاگ اسی لئے پھیلایا گیا تھا۔

اس نے مردہ لومڑی کو گھورتے ہوئے سوچا اس کمبخت کا نہ جانے کیا رول تھا اس ڈرامے میں۔ دفعتاً کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی اور حمید چونک کر سامنے دیکھنے لگا۔ مخالف سمت سے ایک اسٹیشن ویگن ان کی طرف بڑھتی آ رہی تھی۔ قریب پہنچ کر رکی اور اس پر

سے ڈاکٹر چنگیزی اُترا۔ نیما اسٹیئرنگ کے سامنے ہی بیٹھی رہی۔ پچھلی نشست پر دو
بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر چنگیزی نے انہیں بھی اُترنے کا اشارہ کیا۔ پھر حمید سے بولا
ہمارے حوالے کردو۔ ورنہ انجام بُرا ہوگا۔"

"مم.....میں سمجھا نہیں ڈاکٹر۔"

"کلارا کی واپسی تک تم بطور یرغمال ہمارے پاس رہو گے۔ اگر چوبیس گھنٹے
کلارا واپس نہ آئی تو تمہیں پولیس کے حوالے کردیں گے۔"

ڈاکٹر کے دونوں آدمیوں نے رائفلیں سیدھی کررکھی تھیں۔ حمید نے کنکھیوں سے
دیکھا اور ڈاکٹر سے بولا۔ "ذرا اُدھر دیکھئے۔ میرا تو دیوالہ ہی نکل جائے گا۔ وہ لومڑی
پڑی ہے اور اُدھر وہ گھوڑا دم توڑ رہا ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔"

"کسی نے بے آواز فائر کئے تھے اور یہ دیکھئے ایک گولی جیپ کے ٹائر کو بیکار کرگئی

"گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔" ڈاکٹر غرایا اور اس کے آدمی نے بڑھ کر رائفل کی نال
کی کمر سے لگادی۔

"آپ دیکھ رہی ہیں۔" حمید نے نیما کو مخاطب کیا اور اس نے ناگواری سے اپنا منہ پھیرلیا

"اچھی بات ہے۔" حمید اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "موٹے نے ہمیں دشواری میں ڈال
دیا ہے۔ تم لوگ اسے تلاش کرنے کی کوشش کرو، ورنہ کم از کم مجھے تو جیل جانا ہی پڑے گا۔"

اس کے تینوں ساتھی کچھ نہ بولے۔ وہ چپ چاپ اسٹیشن ویگن میں بیٹھ گیا۔ اُس
دونوں طرف مسلح آدمی بیٹھے تھے۔ نیما نے گاڑی بیک کرکے دوسری طرف موڑی۔ نیما
ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ چہرے سے ناگواری مترشح تھی۔

"کیا بکواس کررہے ہو.....؟" ڈاکٹر اگلی سیٹ سے غرایا۔

"ان مردود لڑکیوں کی جان کو رورہا ہوں جو فلمی اداکاروں پر مردہ چھپکلیوں کی طرح
گرتی ہیں۔ آخر اس موٹے تھل تھل میں کیا رکھا تھا۔"

"تم اس یونٹ کے انچارج ہو۔ تم پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔" ڈاکٹر بولا

"کیا فائدہ ایسے انچارج ہونے سے۔ مجھے تو اب وہ موٹا ہی انچارج معلوم ہورہا

"کیا مطلب.....؟"

"مطلب واضح ہے۔ اگر مجھے انچارج سمجھتی تو اس کے ساتھ کیوں جاتی۔"

"اس بیہودہ بکواس کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا۔"

"عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ مجھے بطور یرغمال نہ رکھئے ورنہ آپ کو ان محترمہ سے بھی
ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"

"شٹ اپ.....!" اس بار نیما کی آواز سنائی دی۔

"اللہ مالک ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

عمارت کی کمپاؤنڈ میں پہنچ کر اُسے گاڑی سے اتارا گیا اور دونوں اُسے رائفل دکھاتے
ہوئے اندر لے چلے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس کے پاس سے ریوالور بھی برآمد ہوگا اور جیبی
ٹرانسمیٹر بھی اور پھر ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر چنگیزی اب تک ان سے متعلق حقیقتاً اندھیرے میں نہ
رہا ہو۔ اندر پہنچ کر ڈاکٹر نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "اسے بھی لے جاکر وہیں باندھ دو۔"

"باندھ دو کا کیا مطلب؟" حمید نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں سوال کیا۔

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ نیما البتہ اب بھی ان کے ساتھ تھی۔

"میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آرہا۔" اس نے مسمی صورت بنا کر نیما کو مخاطب کیا۔

وہ اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھے جارہی تھی۔ رائفل کی نال سے اسے پھر دھکیلا گیا اور
ایک ایسے دالان میں لایا گیا جہاں مارگزیدہ ہیرو ایک ستون سے بندھا کھڑا تھا۔ نیما نے
دوسرے ستون کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھہرو۔" حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "اس بیچارے کو کیوں باندھ رکھا ہے۔"

"تم سب فراڈ ہو۔" نیما نے جھنجھلا کر کہا۔

"کیا مطلب.....؟"

"یہ کون ہے؟" نیما ہیرو کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بولی۔

"ہیرو بننے کے خواب دیکھنے والا ایک بیوقوف نوجوان۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ زندگی بھر
ہیرو نہیں بن سکے گا۔ پہلی ہی فلم میں جھگڑا کھڑا کر کے اس حال کو پہنچا۔"

"تم لوگ کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ باندھ دو۔" نیما نے دونوں مسلح آدمیوں کو للکارا پھر

حمید سے بولی۔ ''یہ اسٹار کا کرائم رپورٹر انور ہے۔''

''میں نے کب کہا کہ نہیں ہے۔'' حمید ڈھٹائی سے بولا اور خود ہی اُس ستو
قریب جا کھڑا ہوا جس کی طرف نیما نے اشارہ کیا تھا۔

''اس کا مطلب.....؟''

''سوال یہ ہے کہ تمہیں کسی رپورٹر کے اداکار بن جانے پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔''

نیما کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ڈاکٹر چنگیزی آ گیا۔

''پتا نہیں سب کہاں مر گئے۔'' وہ دہاڑتا ہوا آگے بڑھا اور رائفل والوں میں سے
اس کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ حمید نے اس کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا۔ پھر اسی رائفل کا
اس کے سر پر پڑا تھا اور دوسرے کے سنبھلنے سے پہلے ہی رائفل اس کے ہاتھ سے بھی نکل
اس کے بائیں پہلو پر حمید کی لات پڑی تھی۔

''خبردار کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔'' حمید نے ڈاکٹر چنگیزی کے دل کا نشانہ
ہوئے کہا۔

ڈاکٹر چنگیزی کے ہاتھ اوپر اُٹھ گئے۔ دوسری رائفل انور کے پیروں کے پاس جا
تھی۔ اسکے پیر آزاد تھے۔ اُس نے اُسے کچھ اور قریب کھسکا کر دونوں پیروں کے نیچے دبالیا۔

''اب تم دونوں اُٹھو اور اسی ستون سے ڈاکٹر چنگیزی کو باندھ دو۔'' حمید نے سرد لہجے میں کہا

نیما ہکا بکا کھڑی کبھی حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی ڈاکٹر چنگیزی کی طرف۔ دفعتاً
کی پشت سے آواز آئی۔ ''رائفل زمین پر گرادو۔ ورنہ چھلنی ہوکر رہ جاؤ گے۔'' ساتھ ہی
گن کی باڑھ سامنے والی دیوار پر پڑی اور اس میں بڑا سا سوراخ ہوگیا۔ حمید نے رائفل
پر ڈال دی۔

''اور اب چپ چاپ ستون کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔''

دونوں نہتے آدمیوں نے جھپٹ کر اپنی اپنی رائفلیں اٹھالی تھیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے
حمید کو بھی ستون سے باندھ دیا گیا۔

''کرنل فریدی.....اُدھر بیہوش پڑا ہے۔'' آنے والے نے کہا۔

''لل.....لیکن تم.....!'' ڈاکٹر چنگیزی ہکلایا۔

''بی راؤ۔''

''اوہ.....فریدی کہاں ہے؟''

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ دوسری طرف مڑتا ہوا بولا۔ ڈاکٹر چنگیزی کسی پالتو کتے کی
طرح اس کے پیچھے چلنے لگا تھا۔

''تم بھی جاؤ۔'' نیما نے ان کے چلے جانے کے بعد دونوں مسلح آدمیوں سے کہا اور پھر
جب وہ بھی چلے گئے تو اس نے انور کو مخاطب کر کے کہا۔ ''تم اپنے اخبار کے لئے کسی سنسنی خیز
کہانی کی توقع پر بہت دور نکل آئے ہو۔''

''بعض پیشے ایسے ہی خطرناک ہوتے ہیں۔'' انور نے خشک لہجے میں کہا۔

''لیکن یہاں سے تو واپسی ناممکن ہوگی۔''

''ارے کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے کہ مسلسل اسی سے بات کئے جا رہی ہو۔''
حمید نے ہانک لگائی۔

''نہیں! تمہیں بھی لالہ زار بناؤں گی۔'' وہ اس کی طرف مڑ کر مسکرائی اور پھر ایک بڑا
سا چاقو نکالا۔

''پہلے میری رسیاں کاٹنا۔'' حمید چہکا۔

''ضرور.....!'' وہ چاقو کھولتی ہوئی سرد لہجے میں بولی۔ ''پہلے تم ہی نوازے جاؤ گے۔
لیکن کیا تم مرنے سے پہلے اپنی اصلیت سے آگاہ نہیں کرو گے؟''

''ٹھہرو.....!'' دفعتاً ڈاکٹر کی آواز آئی۔ ''ایک اور بھی ہے۔''

حمید نے دیکھا کہ گھوڑ سوار ڈپلیکیٹ آہستہ آہستہ ان کی طرف چلا آرہا ہے۔ اُس کے
ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور بی راؤ کی ٹامی گن اس کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر
کے مسلح آدمیوں نے ڈپلیکیٹ کو تیسرے ستون سے باندھ دیا۔

''اب تم دونوں جاؤ۔'' ڈاکٹر چنگیزی نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''چھت پر چڑھ کر
چاروں طرف نظر رکھو۔''

وہ چلے گئے اور ڈاکٹر نے ڈپلیکیٹ کی طرف اشارہ کر کے نیما سے کہا۔ ''یہ کرنل فریدی ہے۔''
ڈپلیکیٹ کا سر جھکا ہوا تھا۔ نیما آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب پہنچی اور ڈاکٹر کی

طرف دیکھ کر بولی۔ ''تو پھر میں پہلے اسی کے پہلو میں چاقو اتاروں۔''

''نہیں۔'' بی راؤ سخت لہجے میں بولا۔ ''میں اس قسم کی تفریح کی اجازت نہیں دوں گا۔
صحت مند ہیں۔ انہیں ایک ایک کرکے آپریشن تھیٹر میں پہنچاؤ۔ پہلے فریدی ہی کو لے چلو۔

ڈاکٹر چنگیزی نے ڈپلیکیٹ کو دوبارہ ستون سے کھولا اور وہ دونوں اُسے وہاں سے
اور لے گئے۔ نیما پھر ان قیدیوں کے ساتھ تنہا رہ گئی۔

''یہ بی راؤ کون صاحب ہیں؟'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''جن کے
چنگیزی صاحب دم ہلاتے پھر رہے ہیں۔''

''تمہیں اس سے کیا سروکار۔ تم اپنی خیر مناؤ۔'' نیما سرد لہجے میں بولی۔ ''ڈاکٹر چنگ
میرے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔''

''تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔''

''خاموش رہو۔'' نیما غرائی۔ ''تمہاری زندگی ہی میں تمہارے جسموں سے سارا خون
لیا جائے گا۔''

''اُوہو..... کیا مطلب؟'' اس بار انور بولا۔

''تمہارے لئے بڑی شاندار کہانی ہوتی مسٹر کرائم رپورٹر۔ لیکن افسوس کہ میں تم
زندہ نہیں رہنے دوں گی۔ جب تمہارے جسموں سے خون نچوڑا جا چکے گا تو میں تمہارے
میں چاقو اتار دوں گی۔''

''مگر ہلدا خون تمہارے کس کام آئے گا۔''

''ایک بہت ہی خاص قسم کی فیڈ تیار کی جائے گی جسے سانپ کھا کر اپنی کھال
کریں گے اور لومڑیاں سدھائے ہوئے کتوں کی طرح ہمارے کام آئیں گی۔''

''بھلا لومڑیوں سے کیا کام لیا جا سکتا ہے؟'' انور کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

''میں نہیں جانتی اور اب تم لوگ خاموش رہو۔'' نیما نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔
انور کو گھورے جا رہا تھا۔ آخر اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''آپ کس مرض کی دوا ہیں۔

''کتوں کی طرح چہل قدمی کرنے والی لومڑی میری ہی دریافت تھی اور میں نے
اُسے پکڑوا کر کرنل صاحب کے حوالے کیا تھا۔''

''تو یہ مصیبت تمہاری ہی لائی ہوئی ہے۔''

''اور جس وقت وہ لومڑی پکڑی گئی تھی اس کے جسم سے ایک چھوٹا سا خودکار مووی
کیمرہ بندھا ہوا تھا جس میں آٹھ ملی میٹر کی فلم چل رہی تھی۔''

''کہاں ملی تھی وہ لومڑی؟''

''انہی اطراف کے ایک ممنوعہ علاقے میں، جہاں ریڈار اسٹیشن بنایا جا رہا ہے۔''

''کب سے یہ چکر چل رہا تھا؟''

''قریباً ایک ماہ سے۔''

''اس وقت مجھے تمہاری شکل لومڑی ہی کی سی لگ رہی ہے۔'' حمید انور کو گھورتا ہوا بولا۔

اتنے میں نیما پھر آئی۔ اس بار بی راؤ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے ٹامی گن بغل میں دبا
رکھی تھی۔ نیما نے ان دونوں کو کھول دیا اور بی راؤ نے انہیں کور کیے ہوئے آگے چلنے کو کہا۔
وہ آپریشن تھیٹر میں آئے۔ ڈپلیکیٹ ایک میز پر چت پڑا نظر آیا۔ اس کا جسم چمڑے
کے تسموں سے جکڑا ہوا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' بی راؤ نے دو کرسیوں کی طرف اشارہ کرکے کہا جو قریب ہی پڑی ہوئی
تھیں۔ پھر اس نے نیما سے کہا تھا کہ وہ دوسری میز بھی تیار کرے۔ ڈاکٹر چنگیزی ڈپلیکیٹ کے
جسم سے خون نکالنے کی تیاری کر رہا تھا۔ بی راؤ نے اسے رک جانے کا اشارہ کیا۔ نیما دوسری
میز تیار کر چکی تو اس نے حمید اور انور کو مخاطب کرکے کہا۔ ''اب تم دونوں! ڈاکٹر چنگیزی کو اس
میز پر لٹا کر اس کا جسم تسموں سے کس دو۔''

''کیا مطلب.....؟'' ڈاکٹر پلٹ کر غرایا۔

''ظاہر ہے کہ اب تم بی راؤ کے لئے بیکار ہو چکے ہو کیونکہ پولیس تم پر شبہ کرنے لگی
ہے۔ اس لئے آخری کھیپ کچھ زیادہ ہی ہونی چاہئے۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔''

''کیا تم دونوں نے نہیں سنا۔'' بی راؤ ٹامی گن کو جنبش دے کر بولا۔

وہ دونوں اٹھے ہی تھے کہ نیما بولی۔ ''ڈاکٹر ہوشیار۔ یہ بی راؤ نہیں معلوم ہوتا۔''

''تمہارا خیال درست ہے لڑکی۔'' بی راؤ مسکرایا۔ ''اس وقت کرنل فریدی غداروں سے

مخاطب ہے۔"

"اوہ.....!" ڈاکٹر چنگیزی مٹھیاں بھینچ کر غرایا اور ٹامی گن کی پرواہ کئے بغیر فریدی پر چھلانگ لگا دی۔ لیکن اس سے قبل ہی انور ان کے درمیان آچکا تھا۔ نیما کا چاقو ایک بار پھر اٹھ آیا۔ اس نے حمید پر حملہ کیا تھا۔ حمید غافل نہیں تھا ورنہ جچا تلا ہاتھ دل ہی پر پڑا ہوتا۔ اُس نے نیما کی کلائی پکڑلی اور نیما نے اچھل کر بائیں ہاتھ سے اس کے بالوں پر جھپٹا مارا۔

ڈاکٹر نے انور کو فریدی پر دھکیل کر دروازے میں چھلانگ لگائی تھی۔ پھر انور اور فریدی تو اس کے پیچھے جھپٹے تھے اور نیما حمید سے گتھی رہ گئی تھی۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل گیا لیکن وہ کسی ہزار پا کی طرح حمید سے چمٹی ہوئی تھی۔

"شکریہ.....شکریہ۔" حمید ہولے ہولے کراہتا ہوا بولا۔ "جسم میں بڑا درد ہے۔"

"میں.....تمہیں پیس کر رکھ دوں گی۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ "کیا سمجھتے ہو۔"

"میں تمہیں بہت عقل مند سمجھتا ہوں۔ تم سرکاری گواہ بن کر بھی اپنی جان بچا سکتی ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بچالوں گا۔"

دفعتاً نیما کی گرفت ڈھیلی پڑگئی اور اس نے ہسٹریائی انداز میں چیخ چیخ کر رونا شروع کردیا۔

"ارے.....ارے بالکل احمق ہو۔ میں کہتا ہوں، سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں نے تو اس سے پہلے بھی کہا تھا کہ ڈاکٹر پر لعنت بھیجو اور چلو میرے ساتھ۔"

اچانک عمارت کے کسی حصے سے دھماکے کی آواز آئی اور پھر ایسا محسوس ہوا جیسے پوری عمارت گرہی جائے گی۔

"بھاگو.....!" نیما چیختی ہوئی دروازے کی طرف جھپٹی۔ "وہ ڈائنامائیٹ سے سب کچھ تباہ کررہا ہے۔"

جیسے ہی وہ باہر نکلے ایک دھماکہ پھر ہوا اور عمارت کا مزید کچھ حصہ ڈھیر ہوگیا۔ گرد و غبار اور دھوئیں کی وجہ سے دم گھٹنے لگے تھے۔ اس وقت حمید نے یہی مناسب سمجھا کہ صرف نیما کو نظر میں رکھے۔ کیونکہ وہ بہرحال جان بچانے کے لئے باہر ہی نکل جانے کی کوشش کرتی۔ ظاہر تھا کہ اُسے کسی غیر مخدوش راستے کا علم ضرور ہوگا، لیکن اس وقت اسے وہ ڈپلیکیٹ یاد آگیا جسے بحالت اضطرار بھول ہی گیا تھا۔ پھر وہ بے تحاشہ اسی کمرے کی طرف پلٹ پڑا۔

ڈپلیکیٹ خود کو تسموں سے آزاد کرلینے کے لئے جدوجہد میں مصروف نظر آیا۔ حمید نے بڑی پھرتی سے نیما کا چاقو اٹھایا جو وہیں فرش پر پڑا رہ گیا تھا۔ پھر جھپٹ کر وہ اس کے قریب پہنچا اور تسمے کاٹنے لگا۔

پھر ایک اور دھماکہ ہوا اور قبل اس کے حمید سنبھل سکتا اسی کمرے کی چھت نیچے آرہی۔

اس کا ذہن غبار اور دھوئیں کی یلغار کی نذر ہوتا چلا گیا اور پھر..... مکمل تاریکی۔

درندہ

حمید کو ہوش آیا تو اپنے ہی کراہنے کی آواز کانوں میں گونجتی محسوس ہوئی۔ پورا جسم ایک دکھتا ہوا پھوڑا لگ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے پڑا کراہتا رہا۔ فوری طور پر آنکھیں کھول دینے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ اُسے یاد آیا کہ اُس نے ڈپلیکیٹ کے تسمے کاٹتے وقت کمرے کی چھت گرتے دیکھی تھی اور اس کے بعد.....اس کے بعد.....لیکن اب تو گھٹن کا احساس بھی نہیں تھا۔ تو کیا؟ تو کیا؟ اس نے یکلخت آنکھیں کھول دیں۔

چاروں طرف زرد رنگ کی دھند چھائی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ دھند چھٹتی گئی اور در و دیوار صاف نظر آنے لگے۔ وہ شائد کسی ہسپتال کے پرائیویٹ وارڈ میں تھا۔ اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے کیونکہ اب ذہن پر پوری طرح قابو پاچکا تھا۔ کراہیں تو نیم بیداری کی حالت میں نکلتی رہی تھیں۔ پھر تین چار منٹ کے اندر ہی اندر اس کے گرد نرسوں اور ڈاکٹروں کی بھیڑ لگ گئی تھی اور اُسے معلوم ہوا کہ وہ دو دن تک بیہوش رہا تھا۔ لیکن آس پاس کوئی ایسا نظر نہ آیا جس سے وہ اپنی بیہوشی کے بعد کے واقعات معلوم کرسکتا۔ اس نے ایک نرس سے کہا۔ "یہاں بستر کے قریب فون بھی ہونا چاہئے۔"

"بہت اچھا جناب۔" اس نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

فون آنے پر اس نے سب سے پہلے فریدی کو تلاش کرنا چاہا تھا۔ لیکن ناکامی ہوئی تھی۔

پھر انور سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ بھی نہ اپنے آفس میں موجود تھا اور نہ
میں۔ محکمے کے کسی دوسرے فرد سے اس سلسلے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تھک ہار کر قا
نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے اسی کی آواز آئی اور پھر حمید کی آواز پہچان کر چہکا تھا۔

''الا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔ میں تمہیں پہلے ہی معاف قر چکا ہوں۔''

''کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ اچھا وہ لڑکی کہاں ہے کلارا؟''

''کباڑا ہوگیا..... اسے راستے ہی میں قرنل صاحب نے دھر لیا تھا اور لونڈیا کو ساتھ لے گئے تھے۔''

''وہ کہاں مل گئے تھے؟''

''اسی ٹرک پر تو تھے جس پر گھوڑا آ رہا تھا۔ کل مجھ سے ملے تھے۔ کہنے لگے تم پر اغوا کیس قائم ہوجائے گا۔ اس لئے چپ چاپ رہو۔ قوئی یکین نہیں کرے گا کہ وہ لڑکی خود تمہیں بھگا لائی تھی۔ وہی یہ بھی بتا رہے تھے کہ تم گھوڑے پر سے گر کر بیہوش ہوگئے ہو۔ لیکن اسپتال کا پتا نہیں بتایا تھا۔''

حمید نے اندازہ کرلیا کہ فریدی نے قاسم کو ہسپتال تک کا پتہ بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے اس نے مزید کچھ کہے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ ویسے اس گفتگو کے بعد وہ مطمئن ہوگیا تھا کہ فریدی بخیر و عافیت ہے۔ لیکن وہ..... ڈپلیکیٹ..... وہ بیچارہ..... پتہ نہیں اس کا حشر ہوا ہو۔ اس کے سارے تسمے بھی تو وہ نہیں کاٹ سکا تھا۔ آخر اُسے اس طرح بندھوا دینے کی کیا ضرورت تھی۔ سوچتے سوچتے اس کا سر چکرانے لگا اور وہ ایک بار پھر گہری نیند سوگیا۔

وہ ڈھائی گھنٹے بعد خود ہی جاگا تھا اور سب سے پہلے کرنل فریدی پر نظر پڑی تھی۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم اب خطرے سے باہر ہو۔'' فریدی بولا۔

''لیکن وہ ڈپلیکیٹ۔''

''تمہیں سن کر حیرت ہوگی کہ اس کے جسم پر معمولی سی خراش بھی نہیں آئی۔ اسی نے کہا تھا کہ تم اسے بچانے کے سلسلے میں زخمی ہوئے تھے۔''

حمید نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔ اب وہ کچھ بھی معلوم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ فریدی نے بھی کیس سے متعلق کوئی ذکر نہ چھیڑا۔

تین دن بعد جب وہ کسی حد تک چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو ذہن میں پھر وہی خلش بیدار ہونے لگی اور اس کے استفسار پر فریدی نے کہا۔ ''اگر تم قاسم کو ساتھ نہ لے جاتے تو بات میرے قابو سے باہر ہوجاتے۔ وہ محض اتفاق نہیں تھا کہ کلارا قاسم کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ دراصل وہ اُس سے ہم لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی اور چنگیزی ہی کی ہدایت پر اس نے یہ قدم اٹھایا تھا لیکن میں نے انہیں راستے ہی میں روک لیا۔ لڑکی جلد ہی نروس ہوگئی تھی اور سب کچھ اگلنا شروع کردیا تھا۔ اس نے کسی بی راؤ کا ذکر کیا، جو ڈاکٹر چنگیزی سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کیا کرتا تھا لیکن چنگیزی سے کبھی ملا نہیں تھا۔ اس کے پیغامات سرحد پار سے آتے تھے۔''

''چنگیزی نے اُسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں..... اسی لئے مجھے بی راؤ بننے میں آسانی ہوئی تھی۔''

''چکر کیا تھا.....؟''

''انسانی خون کی اسمگلنگ..... یوں سمجھ لو کہ انسانی خون سے ایک ایسی غذا تیار کی جاتی تھی جسے کھا کر سانپ اپنی کھال موٹی کرتے تھے اور لومڑیاں اپنا مزاج بدل دیتی تھیں۔ یعنی پالتو کتوں کی طرح سراغ رسانی کرسکتی تھیں۔ جب انور کے ہاتھ ایک ایسی لومڑی لگی تو مجھے نازی جرمنی کے ایک سائنٹسٹ کا کارنامہ یاد آ گیا جس نے یہودیوں کے خون سے ایسی ہی ایک چیز تیار کی تھی۔ بہرحال اُس لومڑی کی دریافت کے بعد ہی میرے ایک انفارمر نے مجھے اطلاع دی کہ اسٹار آئرن فیکٹری سے لوہے کے ڈرموں کی کھیپیں نکلتی ہیں اور سرحد کے ایک قریبی علاقے میں ڈلوادی جاتی ہیں۔ اسی انفارمر کی مارگزیدگی کے بارے میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں اور اب یہ بات پوری طرح کھل گئی ہے کہ ڈاکٹر چنگیزی دیہاتیوں کو اپنے سانپوں سے ڈسواتا تھا، جو زہریلے نہیں ہوتے تھے۔ پھر انہیں علاج کے بہانے اپنی تجربہ گاہ میں اٹھوا لے جاتا، اور بیہوش کر کے اُن کے جسموں کا زیادہ تر خون نچوڑ لیا کرتا تھا۔ بہرحال اس نے چند لومڑیوں پر اس کا تجربہ کیا تھا۔ انور کے ہاتھ لگنے والی لومڑی انہی میں سے ایک تھی اور اس نے کیمپ کے پنجرے سے نکل کر چنگیزی کی تجربہ گاہ ہی کا رخ کیا تھا۔ اسی لئے وہ تباہ کردی گئی۔''

''تو وہ مردود ہمارا خون سرحد پار کی لومڑیوں کے لئے بھجواتا رہا تھا۔''

''ہاں..... حمید صاحب! آدمی جب درندگی پر اُتر آتا ہے تو جانوروں سے بھی [illegible] ہوجاتا ہے۔ کیا تم نے کبھی کسی کتے کو دوسرے کتے کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔''

''چنگیزی کا کیا ہوا.....؟''

''اپنے پورے کاروبار سمیت فنا ہوگیا۔ ملبے سے اس کی کچلی ہوئی لاش برآمد [illegible] ہے۔ صرف نیا اور کلارا ہی ہاتھ لگ سکیں۔ دوسرے ملازمین اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جا[illegible] تھے کہ ڈاکٹر چنگیزی سانپوں کا زہر نکالتا ہے اور اُن کی کھالیں ایکسپورٹ کرتا ہے۔ حکو[illegible] سے ایڈ لیتا تھا اور اتنا ذی اثر تھا کہ معمولی حالات میں اس پر ہاتھ ڈالنا دشوار ہوجاتا۔ [illegible] لئے اتنے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ میرا اپنا ایک کوبرا بھی ضائع ہوگیا، جوانور اس لئے ساتھ [illegible] گیا تھا کہ ڈاکٹر کی تجربہ گاہ میں بحیثیت مارگزیدہ کچھ وقت گزار سکے۔ لیکن حقیقت یہ [illegible] مشکل آسان ہونے میں قاسم ہی کی حماقت کام آئی تھی۔ کلارا کا بروقت ہاتھ آجانا بے حد [illegible] مند ثابت ہوا۔''

''سیٹھ اکرام کا کیا قصہ تھا.....؟''

''کچھ بھی نہیں..... وہ صرف اسمگلر ہے اور کئی قسم کے ادارے غیر قانونی طور پر [illegible] کر رکھے ہیں۔ دو چار دن بعد وہ بھی جیل ہی میں نظر آئے گا۔''

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''کم از کم دو ماہ کی چھٹی [illegible] درخواست کردوں گا۔ کیا خیال ہے۔''

''ضرور..... ضرور..... میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں کچھ دنوں کے لئے ملک سے [illegible] بھجوادوں۔''

حمید نے مسکرانے کی کوشش کی تھی، لیکن بائیں جبڑے پر چڑھے ہوئے پلاسٹر نے [illegible] کی اجازت نہ دی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 115

ٹھنڈا جہنم

(مکمل ناول)

پیشرس

یہ کتاب آدھی سے زیادہ لکھی جا چکی تھی کہ بخار کا حملہ ہوا اور اسی بخار
کے عالم میں ریڈیو پر کسی ڈاکٹر صاحب کی تقریر سنی جو کہہ رہے تھے کہ ایک
سگریٹ میں اتنا نکوٹین ہوتا ہے، جو ایک چوہے کی زندگی کو ختم کردینے کے
لیے کافی ہوتا ہے۔ سخت افسوس ہوا اپنی اس نامعقولیت پر کہ روزانہ پچاس
پچپن چوہے اپنے اندر مار ڈالتا ہوں لہٰذا سگریٹ نوشی ترک کر دینی
چاہیے...!...! اس سے قبل ایک ذمہ دار آدمی کا یہ قول بھی نظر سے گزر چکا تھا کہ
لوگ زیادہ قیمت ادا کر سکتے ہیں، اس لیے گرانی بڑھتی ہے......! میں نے تہیہ
کر لیا چونکہ سگریٹ اس قیمت سے زائد پر فروخت ہو رہے ہیں جو پیکٹوں
پر درج ہوتی ہے اسلئے مجھے سگریٹ نوشی نہیں کرنی چاہیے... بھلا چوہوں کے
مرنے جینے کی کون پرواہ کرتا ہے وہ تو جملہ معترضہ تھا۔

لیکن میں کاغذ ہر قیمت پر خریدوں گا کیونکہ میری روٹی کپڑا اور مکان
کاغذ ہی سے وابستہ ہے۔ ویسے کہنے کو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر مہنگا
کاغذ مہنگا ہے تو سستی کتابیں کرنسی نوٹ والے کاغذ پر کیوں نہیں چھاپی جاتیں
وہ تو ملک میں بہ افراط موجود ہے! روٹی نصیب نہ ہو تو کیک کھا لینے میں کیا
قباحت ہے......!

لاحول ولا قوۃ پھر میں نے آپ کو کاغذ کے مسئلے پر بور کیا۔ کہہ رہا تھا کہ
سگریٹ ترک کر دینے کے بعد دوبارہ حواس بجا ہونے میں بھی کچھ وقت لگا
تھا۔ اس لیے کتاب پھر تاخیر ہی سے آپ تک پہنچ رہی ہے۔

اگر کبھی آپ کو سالہا سال پرانی سگریٹ نوشی کی عادت ترک کرنے کا
اتفاق ہوا ہو تو آپ میری ذہنی کیفیت کا اندازہ بخوبی کر سکیں گے۔ بہرحال خدا
کا شکر ہے کہ اب اس ذہنی انتشار کے دور سے گزر چکا ہوں۔ انشاء اللہ آئندہ
کتاب کے لیے آپ کو معمول سے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا۔

اور ہاں آپ بھی سگریٹ ترک کر دیجیے۔ اس کی بجائے پان کھائیے،
نسوار سے شوق فرمائیے، حقہ پیجئے کہ یہ اپنے ہی ''قومی نشے'' ہیں۔

۲۹-۶-۷۳

وہ لڑکی

وہ بھاگ نکلا تھا......! گاڑی کی ٹنکی پٹرول سے لبریز تھی اور ڈکے میں بھی دس
پٹرول موجود تھا۔

کئی ہفتوں سے یہی ہو رہا تھا..... ہر سنیچر کی شام کو اس پر اس قسم کی آوارہ گردی کا
پڑتا تھا۔ واپسی اتوار کے اختتام پر ہوتی۔

ویرانوں میں بسیرا ہوتا تھا۔ ہفتے میں پورے چھتیس گھنٹے شہر کے ہنگاموں سے دور
بسر کرنے کی یہ عادت اسے کدھر لیے جا رہی تھی......؟ اس پر اس نے ابھی تک غور نہیں
تھا۔ اس سلسلے میں ذہن کو کریدنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔

ذہن کو کریدنے سے فائدہ بھی کیا؟..... مرض کی وجہ بھی معلوم ہو گئی تو تم کیا کر
گے.....؟ کس کے پاس علاج ہے.....؟

بس لہرا اٹھو اور بہہ جاؤ..... اپنے گرد یکسانیت کے جال کیوں بن رکھے ہیں؟
میں دوڑ لگانے کی سکت پیدا کرو۔

آنکھیں بند کرو اور دوڑ جاؤ...... ہو سکتا ہے کوئی اندھا کنواں تمہیں اس اذیت
نجات دلا دے......!

بہرحال اب سر پر نیلا آسمان تھا اور نیچے کولتار کی سیاہ سڑک!
گاڑی ساٹھ میل کی رفتاری سے اڑی جا رہی تھی..... شام کے چار بجے تھے۔

شہری آبادی بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ دو رویہ اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان سڑک حد نظر تک سنسان دکھائی دیتی تھی۔

گاڑی فراٹے بھرتی رہی۔

ابھی چٹانوں پر بکھری ہوئی دھوپ میں خاصی تمازت باقی تھی لیکن وہ جانتا تھا جیسے ہی سورج غروب ہوگا خنک ہواؤں کی بھیگی بھیگی سی نرمی جسم کے مسامات میں گھلنے لگے گی۔

اس لذت کے تصور میں چمکیلی دھوپ آنکھوں پر زیادہ گراں نہیں گزر رہی تھی۔

دفعتاً اونگھتے ہوئے ذہن کو جھٹکا سا لگا......! سامنے کچھ فاصلے پر ایک گاڑی سڑک کے وسط میں اس طرح ترچھی کھڑی دکھائی دی کہ اسے فوری طور پر اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دینی پڑی......! پھر بریک لگائے۔

گاڑی آگے نکال لے جانے کے لیے جگہ نہیں تھی......! انجن بند کیے بغیر وہ اتر گیا۔

سامنے والی گاڑی خالی تھی۔

پھر چھٹی حس خطرے کا اعلان کیوں نہ کرتی......! ہاتھ بغلی ہولسٹر پر پہنچا ہی تھا کہ نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔ پھر آواز آئی۔ ''اب تو رکو گے ظالمو......!''

بائیں جانب ایک پتھر کی اوٹ سے گویا چاند طلوع ہو رہا تھا..... اس کا ہاتھ بغلی ہولسٹر سے ہٹ گیا۔

ایسا دمکتا ہوا چہرہ تھا کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی..... بالآخر وہ ہنستی ہوئی سڑک پر آ گئی۔

''رکتے ہی نہیں سؤر کے بچے......! نکلے چلے جاتے ہیں!'' وہ اس کے قریب پہنچ کر بولی۔

''کیا مطلب......!'' وہ محویت سے چونک کر اسے از سر نو گھورنے لگا۔

''ایک گھنٹے سے گاڑی سڑک کے کنارے لگا رکھی تھی۔ کئی گاڑیوں کو رکوانا چاہا لیکن فراعنہ کی اولادیں نکلی چلی گئیں......! آخر کسی نہ کسی طرح اپنی گاڑی کو اس پوزیشن میں لے آئی کہ......!''

''مجھے رکنا پڑا......!'' اس نے جملہ پورا کر دیا لیکن لہجے میں پھاڑ کھانے کا سا انداز تھا۔

''تم کسی تھانیدار کی اولاد معلوم ہوتے ہو!'' لڑکی اسے گھورتی ہوئی بولی۔

''بکواس مت کرو......!'' گاڑی اس طرح کیوں کھڑی کی ہے......!''

''خواتین سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے!'' لڑکی کا موڈ بدل گیا۔

''میں اوّل درجے کا گدھا ہوں..... پھر.....!''

''میری گاڑی کا پٹرول ختم ہوگیا ہے!'' وہ یک بیک روہانسی ہوگئی۔

''میں پٹرول پمپ تو نہیں ہوں.....!''

''اسپیئر ہو تو اتنا دے دو کہ میں اگلے پٹرول پمپ تک پہنچ سکوں۔''

''گاڑی تو بڑی شاندار ہے تمہاری.....!''

''بھکارن تو نہیں ہوں..... پٹرول کی جو قیمت طلب کرو گے دوں گی!''

''چلو پہلے گاڑی سڑک کے کنارے لگاؤ.....!'' اس نے درشت لہجے میں کہا۔

دونوں نے گاڑی کو دھکا دے کر سڑک کے کنارے لگا دیا۔ اس نے پہلے ہی اپنی بائیں کنارے پر روکی تھی۔

دوسری گاڑیوں کے لیے سڑک صاف ہوگئی۔

''روانگی سے پہلے فیول کیوں نہیں چیک کیا تھا۔''

''میٹر خراب ہوگیا ہے.....!''

''کہاں رہتی ہو.....!''

''جنت میں.....!''

''مبارک ہو!'' کہتا ہوا وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

وہ اسکے پیچھے چل پڑی تھی لیکن وہ ڈکے کھولنے کے بجائے اسٹیرنگ کے سامنے جا بیٹھا۔

''میں نے کہا تھا.... پٹرول.....!''

''میری گاڑی میں بیٹھ جاؤ... پہنچا دوں گا.....!''

''جہنم میں.....!'' وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔

''جنت سے اسی لیے نکالے گئے تھے کہ جہنم بھی آباد ہو سکے اور تم تو سیدھی جنت سے چلی آرہی ہو.....!''

''ذہنی طور پر بیمار لگتے ہو!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''تم پہلی لڑکی ہو جس نے میرے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی ہے۔''

''تو دے دو نا پٹرول.....!''

''کتنے سے کام چل جائے گا!''

''بس اتنا ہی کہ اگلے پٹرول پمپ تک پہنچ جاؤں۔''

وہ گاڑی سے اتر آیا۔ ڈکے کھولی اور ایک گیلن کا ڈبہ نکال کر اس کے حوالے کیا۔

''اوہو..... اتنا اسپیئر.....!'' وہ بقیہ ڈبوں کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''کہاں جاؤ گے!''

''میں کسی پُرسکون جھیل کی تلاش میں نکلا ہوں.....!''

''میری جھیل اگلے پٹرول پمپ سے زیادہ دور نہیں ہے!''

''تمہاری جھیل.....!''

''ہاں.... آں..... کیوں نہیں..... جب کہ میں نے ہی اسے دریافت کیا ہے! میں نے اپنے علاوہ وہاں اور کسی کو نہیں دیکھا!''

''اگر وہ ایسی ہی ویران جگہ ہے تو میرے لیے موزوں رہے گی.....!''

لڑکی نے اسے غور سے دیکھا اور ٹن اٹھائے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف چل پڑی۔

وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا..... لڑکی کی چال بھی بڑی دلکش تھی! ایسا لگتا تھا جیسے پھولوں سے لدی ہوئی چمبیلی کی کوئی شاخ ہوا کے نرم رو جھونکوں میں ہلکورے لے رہی ہو.....!

اپنی گاڑی میں پٹرول ڈال کر خالی ٹن واپس کرنے اس کے پاس پلٹ آئی۔

''تم جیسے لوگوں کا دم غنیمت ہے دنیا میں.....!'' لڑکی بولی۔

''میرا تمہاری دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے!''

''کیا مطلب.....!''

''میں مریخ سے آیا ہوں!''

''مگر تمہارے کان گدھوں کے سے تو نہیں ہیں!''

''ٹانگیں گدھوں کی سی ہیں..... اب چلتی پھرتی نظر آؤ ورنہ دولتی رسید کر دوں گا۔''

''بدتمیز ہو.....!''

''رومانی گفتگو سے اب جی بھر گیا ہے! لڑکیوں سے اب ایسی ہی باتیں کرتا ہوں!''

''بہت زیادہ رہے ہو لڑکیوں میں.....!''

"اسی لیے اب صحراؤں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں.....!"

"پتہ نہیں کیوں تم پر رحم آ رہا ہے.....!"

"شکریہ.....! میں قابل رحم نہیں ہوں.....!"

"زندگی سے بیزار معلوم ہوتے ہو! اچھا چلو میں تمہیں وہ جھیل دکھادوں گی۔ اور میٹھا پانی ہے..... میں اس میں گھنٹوں تیرتی رہتی ہوں!"

پھر وہ اپنی گاڑی میں جا بیٹھی تھی..... دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں

پندرہ منٹ بعد وہ پٹرول پمپ تک پہنچے تھے۔ لڑکی نے اپنی گاڑی میں فلنگ سفر پھر شروع ہو گیا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے اپنی گاڑی بائیں جانب والے ایک ناہموار راستے پر موڑ وہ اس کا تعاقب کرتا رہا اور پھر وہ سچ مچ بڑی جگہ پر پہنچ گئے۔

چاروں طرف بکھری ہوئی چٹانوں کے درمیان ایک چھوٹی سی شفاف جھیل تھی جگہ سرسبز جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

"واقعی بڑی خوبصورت جگہ ہے!" اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

"ہے نا!" لڑکی چہکی۔ "اب میں کچھ دیر تیراکی کیے بغیر یہاں سے واپس نہیں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرے پاس نہانے کا لباس نہیں ہے!"

لڑکی خاموشی سے اپنے کپڑے اتارنے لگی۔ تیراکی کا لباس اس نے کپڑوں کے پہلے ہی سے پہن رکھا تھا۔

وہ متحیر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

پھر لڑکی نے لمبی دوڑ لگا کر جھیل میں چھلانگ لگائی تھی۔

پہلے بھی بے شمار لڑکیوں سے واسطہ پڑ چکا تھا لیکن یہ لڑکی اپنی تمام رعنائیوں کے اسے نہ جانے کیوں کوئی خبیث روح لگ رہی تھی۔

اس نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ اور پائپ نکالا اور پُرتفکر نظروں سے اسے تیرتے دیکھ کبھی کبھی وہ پانی میں غوطہ لگا کر نظروں سے اوجھل ہو جاتی۔

اس نے پائپ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ رات اسی جھیل کے کنارے گزاری جائے۔ وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر بہت سے آبی پرندے تیرتے پھر رہے تھے۔ ان میں سے ایک ہی رات کے کھانے کے لیے کافی ہوتا۔

لیکن یہ لڑکی..... کتنی نڈر ہے ایک اجنبی کے ساتھ یہاں تک چلی آئی اور اب بڑی بے فکری سے اشنان کر رہی ہے۔

دفعتاً اسے خیال آیا کہ کسی معاملہ میں الجھایا تو نہیں جا رہا..... اس سے پہلے بھی متعدد بار ایسا ہو چکا تھا..... لڑکیوں نے اسے دشواریوں میں مبتلا کیا تھا.....!

تو پھر اب اسے کیا کرنا چاہیے.....! یا پھر ہو سکتا ہے کہ کسی متمول گھرانے کی کوئی اوباش لڑکی ہو.....! اجنبیوں کو اسی طرح اپنی طرف متوجہ کر کے ان کے ساتھ وقت گزارتی ہو.....!

اس نے گاڑی کے ایک پوشیدہ خانے سے چار سو دس بور کی چھوٹی سی دونالی بندوق نکالی اور اسے لوڈ کر کے جھیل کے اس حصے کی طرف بڑھنے لگا جہاں آبی پرندے تیر رہے تھے۔

دفعتاً لڑکی زور سے چیخی اور وہ چونک کر آواز کی طرف پلٹ پڑا۔ لڑکی پانی کے باہر کھڑی نظر آئی۔

اس نے دیکھا کہ وہ کنارے سے گیلی مٹی اٹھا اٹھا کر اپنے جسم پر پلاسٹر کر رہی ہے۔ ساتھ ہی فلمی ریڈ انڈین اسٹائل میں چیخیں بھی مارتی جا رہی تھی۔

وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ ادھر لڑکی بالکل بھوتنی بن کر رہ گئی تھی۔ پھر وہ اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ وہ شور مچاتی ہوئی چٹانوں کی طرف بھاگ نکلی۔

"کیا بلا ہے یہ.....؟" وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔

لڑکی چٹانوں میں غائب ہو گئی اور وہ پھر اپنی گاڑی کے قریب آ کھڑا ہوا۔

دس منٹ گزر گئے..... لیکن اس کی واپسی نہ ہوئی..... اس نے ایک بار پھر بُرا سا منہ بنایا اور اس طرف چل پڑا جدھر لڑکی گئی تھی۔

اس کے جسم سے گرنے والی مٹی رہنمائی کرتی رہی..... تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مٹی گرتی گئی تھی۔

بالآخر وہ ایک تنگ سے درے میں داخل ہوا اور پھر اچانک اسے رک سنبھلنا پڑا۔

سامنے ہی کوئی اوندھا پڑا تھا لیکن یہ تو کوئی مرد تھا اور اس کے جسم پر پورا لباس موجود تھا۔

وہ چند لمحے ساکت وصامت کھڑا اسے گھورتا رہا..... پھر آگے بڑھا اور پھر جیسے ہی اس نے اسے سیدھا کیا حلق سے تحیر زدہ سی آواز نکل گئی۔

وہ تو ایک لاش تھی اور چہرہ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا.....!

دفعتاً وہ پلٹ کر اپنی گاڑی کی طرف بھاگا۔ یہاں سے گاڑی کا فاصلہ ایک یا ڈیڑھ فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا لیکن وہاں لڑکی کی گاڑی نظر نہ آئی۔

نکل گئی..... اس نے سوچا اور گاڑی کے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ٹرانسمیٹر نکالا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ایس پی ہومی سائیڈ کو کال کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد جواب ملا۔

''یور آئیڈنٹیٹی پلیز.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کیپٹن حمید..... مرکزی محکمۂ سراغرسانی.....!''

''کہیے کیا بات ہے.....!''

''مفرور ملزم سرفراز کی لاش مل گئی ہے.....!''

''کون سرفراز.....!''

''کیفے دارا کا منیجر.....!''

''اوہ..... آپ کہاں ہیں؟''

''ایک جھیل کے کنارے..... ہائی وے کے اکہترویں میل پر جو پٹرول پمپ ہے وہاں پہنچ جائیے.....!''

''کیا آپ وہیں ملیں گے.....!''

''جی ہاں..... اوور اینڈ آل.....!''

ٹرانسمیٹر ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ کر اس نے طویل سانس لی اور پھر گاڑی سے اتر آیا۔

لڑکی نے جہاں اپنی گاڑی کھڑی کی تھی وہاں گاڑی موڑنے کے نشانات موجود تھے۔ شاید وہ اسے لاش کے راستے پر لگا کر خود صاف نکل گئی تھی۔

حمید پھر اپنی گاڑی کی طرف پلٹ آیا اور اب اس کی نظر اس وزیٹنگ کارڈ پر پڑی جو

گاڑی کی پچھلی نشست پر رکھا ہوا تھا۔ یہ کسی یاسمیں فریدوں کا کارڈ تھا، جو سارہ بائی بلڈنگ کے پندرہویں فلیٹ میں مقیم تھی۔

کارڈ کی پشت پر پنسل سے بہت جلدی میں گھسیٹا گیا تھا۔ ''تم بالکل بدھو ہو!''

حمید نے ہونٹ بھینچ کر سر ہلاتے ہوئے کارڈ کو بڑی احتیاط سے پرس میں رکھ لیا۔

اب اس کی گاڑی دوبارہ پٹرول پمپ کی طرف جا رہی تھی.....!

ہومی سائیڈ اسکواڈ سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکا تھا اور جائے واردات تک پہنچتے پہنچتے گہری تاریکی پھیل گئی۔

ٹارچ کی روشنی میں وہ اس درے تک پہنچے تھے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔

لاش کے آس پاس کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس سے اس وقوعے پر کسی قسم کی روشنی پڑ سکتی۔

دل کے مقام پر گولی لگنے سے موت واقع ہوئی ہوگی لیکن زمین پر کہیں خون کا ہلکا سا دھبہ بھی نہ مل سکا۔ صرف قمیض اور کوٹ کا کچھ حصہ خون آلود تھا۔

''لاش کہیں اور سے یہاں لائی گئی ہوگی!'' ایس پی بڑبڑایا۔

''ظاہر ہے!'' حمید بولا۔

''لیکن آپ یہاں تک کیسے پہنچے.....!''

''ادھر شکار کی تلاش میں آیا تھا..... ایک زخمی پرندے کا تعاقب کرتا ہوا اس طرف آ نکلا..... لاش کی دریافت اتفاقیہ تھی!''

بات اس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ پھر وہ لاش اٹھوا کر شہر کی طرف واپس ہوئے تھے۔

حمید کی گاڑی بھی اب شہر کی طرف جا رہی تھی۔ آوارہ گردی کا پروگرام ملتوی ہو چکا تھا۔

شہر پہنچ کر اس نے گھر کی راہ لی..... فریدی گھر پر موجود تھا۔

''خیریت.....!'' وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''کیا اس سے بھی دل اکتا گیا!''

''جی نہیں! شاید قبر میں بھی مجھے سکون نہ مل سکے.....!''

''قبر میں مٹی اور حشرات الارض کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا.....!''

''پھر بھول گئے آپ!''

''اسے تمہاری عقل سے فرصت ملے تو کسی اور پر بھی پڑے.....!''

''نہیں واقعی..... میں نہیں بھاگ سکتا.....مقدرات کی زنجیر مجھے بہر طور اسی خرابے
کھینچ لائے گی.....!''

''کیا ہوا.....! کسی لڑکی نے انکل کہہ دیا کیا.....!''

''جہنم میں جائے لڑکی.....!''

''تنہا نہیں جائے گی تم بھی ہو گے اسکے ساتھ.....اب آ جاؤ اصل بات کی طرف

''لڑکی ہی تھی.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور پوری کہانی دہرادی.....!

''تم سے حماقت سرزد ہوئی.....!'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔ ''تمہیں سب سے
مجھے مطلع کرنا چاہیے تھا.....!''

''کیس ہمارے پاس تو نہیں تھا.....!''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... میں دیکھ رہا ہوں کہ تم روز بروز ناکارہ ت
ترین ہوتے جا رہے ہو.....!''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تم نے براہ راست کسی بھی معاملے میں ہومی سائیڈ ا
سے رابطہ قائم کیا ہو! اور پھر ایسی صورت میں جب کہ وہ لاش اتفاقاً دریافت نہیں ہوئی تھی

''میں نے اسے اتفاق ہی کا رنگ دیا ہے۔''

''میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا.....سرفراز کے بارے میں تم کیا جانتے ہو

''کیفے دارا کا منیجر تھا۔ ایک ہفتہ قبل کیفے دارا پر پولیس کا چھاپہ پڑا تھا جہاں سے
مقدار میں منشیات برآمد ہوئی تھیں اور سرفراز روپوش ہو گیا تھا.....!''

''چھاپہ کس بناء پر پڑا تھا.....!''

''مجھے تفصیل کا علم نہیں!''

''کسی نامعلوم عورت نے ایس۔ پی ایسٹ ڈویژن کو فون پر اطلاع دی تھی کہ کیفے
میں منشیات کی ایک بڑی کھیپ اتاری گئی ہے!''

''اوہ.....!''

''لڑکی کی گاڑی کا نمبر یاد ہے؟''

''نہیں.....!''

''گاڑی کا میک.....!''

''نئے موڈل کی مرسڈیز تھی.....!''

''شہر میں بے شمار ہیں!'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

''لڑکی کا حلیہ.....!''

''پہلے خوب صورت.....پھر بھتنی.....!''

''سنجیدگی اختیار کرو'' فریدی کا لہجہ سخت تھا۔

''دمدار نہیں تھی۔'' حمید بھی جھنجھلا گیا۔

وزیٹنگ کارڈ کے بارے میں بتانا بھول گیا تھا۔ یاد آنے پر بھی جھنجھلاہٹ کی بناء پر گول
کر گیا۔

فریدی اٹھ گیا۔ حمید سٹنگ روم میں بیٹھا رہا۔ وہ لڑکی کا حلیہ کیا بتاتا۔ بس وہ بے حد
خوبصورت تھی۔ اس کے علاوہ اور کیا کہتا۔ بالتفصیل سراپا بتانے بیٹھتا تو غزل ہو جاتی۔

ہوسکتا ہے بعد میں وہ بھتنی اس لیے بن گئی ہو کہ اس کا حلیہ بیان کرنے والا دشواری میں
پڑ جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میک اپ میں رہی ہو اور جھیل میں غوطے لگانے کی وجہ سے میک
اپ اتر گیا ہو۔ لہٰذا اصلی صورت چھپانے کیلئے چہرے پر کیچڑ کا پلاسٹر کرلیا گیا ہو۔

تو پھر اب کیا کرنا چاہیے۔ فریدی کو خواہ مخواہ ناراض کر دیا۔ وہ سوچتا اور بور ہوتا رہا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو.....!''

''کون صاحب ہیں؟'' دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

''حمید.....!''

''ارے واہ بھولے بادشاہ..... سچ مچ بدھو تھوڑا ہی ہو.....کیا بُرا مان گئے.....!''

''اب کیا ہے؟ لاش وہاں سے اٹھوالی گئی.....!''

''کیا مطلب.....کیسی لاش.....؟''

''اس سے کام نہیں چلے گا.....عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ فوراً مجھ سے مل لو.....!''

"دوبارہ ملاقات ہی کی توقع پر تو اپنا کارڈ تمہاری گاڑی میں چھوڑ آئی تھی!"

"تو تمہارا نام یاسمین فریدوں ہے!"

"نہیں مٹر کی پھلی......!"

"کیا مطلب......!"

"غیر ضروری سوالات میں وقت ضائع نہ کرو۔ میں اپنے فلیٹ میں تمہاری منتظر ہوں!"

"سوال یہ ہے کہ تم خود ہی کیوں نہیں آ جاتیں!"

"میں خطرے میں ہوں......! فلیٹ سے باہر نہیں نکل سکتی....!"

"کھل کر بات کرو۔"

"تم سمجھتے کیوں نہیں! میں خطرے میں ہو......!" دوسری طرف سے آواز آئی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید ریسیور رکھ کر کچھ دیر گم سم بیٹھا رہا پھر اٹھا ہی تھا کہ فریدی دروازے میں کھڑا دکھائی دیا۔ وہ اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کی چوری پکڑ لی ہو......!

"کہاں چلے......!" بالآخر وہ بولا۔

"کہیں نہیں......!"

"بیٹھ جاؤ!" فریدی کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

"کیا مطلب......!"

"لڑکی کا وزیٹنگ کارڈ......!" فریدی ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

"تت......تو......آپ دوسرے انسٹرومنٹ پر سن رہے تھے....!"

"اور تیسرے انسٹرومنٹ پر ایکسچینج کو ہدایت بھی کی تھی کہ اس کال کو چیک کر کے بتایا جائے کہ یہ کس نمبر سے ہو رہی ہے!"

حمید نے طویل سانس لی اور کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار فریدی نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو...... ہاں ہاں...... میں ہی ہوں......اوہ......اچھا۔ شکریہ......!" وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"وہ کال کسی فلیٹ سے نہیں ہوئی تھی......!" اس نے بالآخر کہا۔

"پھر......!"

"تیرہ نمبر کے پبلک ٹیلیفون بوتھ سے!"

"لل...لیکن...اس نے تو کہا تھا کہ وہ خطرے میں ہے اور فلیٹ سے باہر نہیں نکل سکتی!"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ وزیٹنگ کارڈ پر نظر جمائے کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "اور تیرہ نمبر کا بوتھ بھی اس علاقے میں نہیں ہے جہاں سارہ بائی بلڈنگ واقع ہے!"

"پتہ نہیں کیا چکر ہے!" حمید سر سہلاتا ہوا بڑبڑایا۔

"ابھی معلوم ہوا جاتا ہے......بیٹھ جاؤ......!"

فریدی نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کیے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہارڈ اسٹون...... چیک کرو کہ سارہ بائی بلڈنگ کے پندرہویں فلیٹ میں کون رہتا ہے۔ فلیٹ مقفل ہو تو کسی طرح اندر داخل ہونے کی کوشش کرو......آدھے گھنٹے کے اندر اندر رپورٹ چاہیے!" پھر ریسیور رکھ کر سگار لگانے لگا۔

"میں ڈائننگ روم میں جا رہا ہوں!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

ہارڈ اسٹون کے حوالے پر وہ سمجھ گیا تھا کہ فون بلیک فورس کے کسی ممبر کو کیا گیا ہے۔

ڈائننگ روم میں پہنچ کر اس نے کھانا طلب کیا۔ کھانے اور کافی کے اختتام تک وہ مدت پوری ہو گئی، جو بلیک فورس کے کسی ممبر کو دی گئی تھی۔

حمید وہاں سے اٹھ کر پھر سٹنگ روم میں آیا۔ فون کا ریسیور فریدی کے ہاتھ میں تھا اور وہ بہت غور سے دوسری طرف کی بات سن رہا تھا۔

بالآخر ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"اس فلیٹ میں بھی ایک لاش موجود ہے فرزند......کسی لڑکی کی لاش اب تم وہاں جا کر اسے شناخت کر سکتے ہو!"

لاشیں

وہ فرش پر چت پڑی تھی۔ بائیں کنپٹی پر ایک بدنما سوراخ تھا..... آنکھیں کھلی ہو
تھیں..... غالباً موت کے ساتھ ہی تحیر اور خوف کے آثار چہرے پر منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

فریدی نے سوالیہ انداز میں حمید کی طرف دیکھا اور حمید نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔

اس کی بھی تصدیق ہو گئی تھی کہ مقتولہ کا نام یاسمین فریدوں ہی تھا اور وہ پچھلے تین سال
سے اسی فلیٹ میں مقیم تھی۔

لاش کے تفصیلی معائنے کے بعد فریدی حمید کو الگ لے گیا۔ اس کے محکمے کے بعض
شعبوں کے ماہرین فلیٹ کے دوسرے کمروں میں بھی مصروف کار تھے۔

''تمہیں یقین ہے کہ یہی تھی.....!'' فریدی نے حمید سے سوال کیا۔

''یہی تھی.....!'' حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''بڑی عجیب بات ہے؟''

''میں بھی اسی پر غور کر رہا ہوں!'' حمید کا لہجہ غم انگیز تاثر سے خالی نہیں تھا۔

''فون پر بھی اسی کی آواز تھی.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''مجھے یقین ہے کہ کچھ دیر پہلے فون پر مجھ سے اسی نے گفتگو کی تھی۔''

''اور ملاقات غالباً چار بجے شام کو ہوئی تھی.....!''

''جی ہاں..... چار یا سوا چار بج رہے ہوں گے۔''

''لیکن میرا تجربہ ہے کہ یہ لڑکی چار بجے زندہ نہیں تھی.....! قتل دس اور بارہ کے
درمیان ہوا ہے، ہو سکتا ہے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں ایک یا ڈیڑھ گھنٹے کا فرق آئے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے.....!'' حمید بولا۔

''تو پھر.....!''

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''پڑوس میں کسی نے بھی فائر کی آواز نہیں سنی تھی لیکن قتل فلیٹ ہی میں ہوا تھا۔ فرش پ

38

ہوا خون بھی ظاہر کر رہا تھا۔''

''کیا تمہیں علم ہے کہ سرفراز بھی اسی عمارت میں رہتا تھا!'' دفعتاً فریدی بولا۔

''نہیں.....! اوہ.....!''

''دوسری منزل پر..... فلیٹ نمبر ستائیس میں!''

''کیا یہ محض اتفاق ہو سکتا ہے.....!''

فریدی خاموش رہا۔

حمید کا ذہن مسلسل چیخے جا رہا تھا۔ وہ یہی لڑکی تھی۔ وہ یہی لڑکی تھی لیکن لاش کی حالت
ی کے نظریئے کی بھی تردید نہیں کر رہی تھی تو پھر یہ سب کیا تھا.....؟ دوسری طرف منطقی
راے باور کرنے پر تیار نہیں تھا کہ قتل ہو جانے کے بعد بھی اس کی روح کا رابطہ عالم
ام سے نہیں ٹوٹا تھا۔

پھر اس اتفاق کو کیا کہیے کہ مقتول سرفراز کی رہائش بھی اسی عمارت میں تھی۔

رات کا بیشتر حصہ اس قضیے کی نذر ہو گیا۔ دوسری صبح وہ دیر تک سوتا رہا تھا۔ سوتا ہی رہتا
ٹیلیفون کی گھنٹی نہ بجتی۔

''ہیلو.....!'' وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔ نیند کی جھونجھل میں تھا لیکن
ہری طرف سے ایک نسوانی قہقہہ سن کر اس کی آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔

''میں مر چکی ہوں کیپٹن حمید!'' قہقہے کے اختتام پر کہا گیا۔

''مجھے تو زندہ رہنے دو.....!''

''تم بھی مر چکے ہو.....! ہم سب مر چکے ہیں!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور پھر
ہچکیاں اور سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ وہ رو رہی تھی۔

''تم آخر ہو کیا بلا.....!'' حمید دانت پیس کر بولا۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کی آواز آئی۔

پھر وہ بڑی عجلت کے ساتھ اپنی خواب گاہ سے برآمد ہوا تھا لیکن ملازموں سے معلوم ہوا
ریدی گھر پر موجود نہیں ہے۔ منہ اندھیرے ہی کہیں چل دیا تھا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر حمید سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

"کچھ بھی نہیں.....!" ذہن نے جواب دیا۔ "آج اتوار ہے......!"
لیکن وہ آواز جو ابھی فون پر سنائی دی تھی۔ کیا اسے اتوار کی خوشیاں نصیب ہوں
گی۔ پتہ نہیں وہ کون ہے اور کیا چاہتی ہے۔
ہنسی میں جتنی کھنک تھی اتنا ہی گداز رونے میں تھا۔ جب وہ فون پر روئی تھی تو
آنکھیں غیر ارادی طور پر بھیگ گئی تھیں اور وہ جملہ کتنی تاثر انگیزی کے ساتھ کہا گیا تھا
بھی مر چکے ہو......ہم سب مر چکے ہیں.....!"
فون کی گھنٹی پھر بجی......وہ تیزی سے انسٹرومنٹ کی طرف جھپٹا تھا لیکن اس بار
کی آواز سنائی دی تھی۔

"ہم سب مر چکے ہیں؟" وہ ماؤتھ پیس میں دہاڑا تھا۔

"کیا بکواس ہے......!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ......کچھ نہیں......آپ کہاں سے بول رہے ہیں!"

"تیرہ نمبر کے پبلک ٹیلیفون بوتھ سے......!"

"اوہو......کوئی خاص بات......!"

"کچھ دیر پہلے تم نے کوئی کال ریسیو کی تھی......!"

"جی ہاں......وہ عالم بالا سے بول رہی تھی۔ کیا اس بوتھ کی کالیں ٹیپ کی جا رہی ہیں!"

"ہاں......میرا خیال ہے کہ وہ اس بوتھ کے آس پاس ہی کہیں رہتی ہے!"

"یہ بوتھ ہے کہاں......!"

"اپر کلاس ہاؤسنگ سوسائٹی میں......!"

"اوہ......! کس جگہ......؟"

"سوسائٹی کے ٹیلیگراف آفس کے قریب......! تم کتنی دیر میں یہاں پہنچ سکتے ہو!"

"میں تیار ہی ہوں......!"

"آ جاؤ......میں ٹیلیگراف آفس میں ملوں گا۔"

ٹیلیگراف آفس تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے۔ فریدی
لنکن ٹیلی گراف آفس کے قریب کھڑی نظر آئی اور وہ گاڑی ہی میں بیٹھا ہوا تھا...... حمید نے

کا اشارہ کر کے گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔
سات آٹھ منٹ بعد ان کی گاڑیاں ے پول ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئیں۔
ڈائننگ ہال سنسان تھا......فریدی کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"فرمائیے جناب!" کاؤنٹر کلرک نے مؤدبانہ کہا۔

"منیجر سے کہاں ملاقات ہو سکے گی؟"

"وہ تو تارجام تشریف لے گئے ہیں جناب!"

"اوہ......اچھا......ذرا ہیڈ ویٹر کو بلوا دیجئے......!"

"کوئی خاص بات ہے جناب!" کلرک نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ وہ شاید ان
کو پہچانتا تھا۔

"نہیں کچھ ایسی تشویش کی بات نہیں!"

"وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر ہے جناب!"

"اس کا پتہ......!"

"ابھی حاضر کرتا ہوں جناب!" اس نے کہا اور کاؤنٹر سے اٹھ کر منیجر کے کمرے میں
چلا گیا۔

حمید خاموش کھڑا تھا۔ بہت سے سوالات اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے لیکن اس
نے فی الحال صرف پائپ ہی سے شغل کرتے رہنے کو ترجیح دی۔

کاؤنٹر کلرک واپس آ گیا......ہیڈ ویٹر کا پتہ ایک سلپ پر تحریر کر لایا تھا۔

"اور کوئی خدمت جناب!" اس نے سلپ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں......شکریہ!"

وہ پھر باہر آئے۔

"تم اپنی گاڑی فی الحال یہیں پارک رہنے دو......اور میرے ساتھ چلو۔" فریدی نے
حمید سے کہا۔

"اور کوئی خدمت جناب!"

"چلو بیٹھو!"

''ہیڈ ویٹر کی تلاش کیوں ہے!'' حمید نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا
''ابھی بتاتا ہوں!''
گاڑی مے پول کی کمپاؤنڈ سے باہر نکلی اور فریدی بولا۔ ''یاسمین فریدوں ایک مقا
میں اسٹینو تھی......!''
''میں نے ہیڈ ویٹر کے بارے میں پوچھا تھا۔''
''پچھلی رات اسکے کمرے سے ایک بیج برآمد ہوا تھا اور یہ بیج مے پول کے ہیڈ ویٹر کا ہے''
''اوہ......!''
''معلوم ہوا ہے کہ یاسمین اور سرفراز ایک دوسرے سے بہت قریب تھے۔ ان کے تعلقات
کے بارے میں سارہ بائی بلڈنگ کے دوسرے کرایہ دار عموماً چہ میگوئیاں کرتے رہتے تھے۔''
''سوال تو یہ ہے کہ سرفراز کیوں مارا گیا؟''
''ٹھہرو بتاتا ہوں!'' فریدی نے کہا اور گاڑی ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ کے قریب روک دی۔
حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتا ہوا وہ نیچے اتر گیا۔ قریباً دو تین منٹ بعد ٹیلیفون بوتھ
سے برآمد ہو کر پھر گاڑی میں آ بیٹھا۔
''ایک دلچسپ اطلاع......!'' وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔
''میری دلچسپی کی چیز فی الحال اس لڑکی کے علاوہ اور کچھ نہیں جو مر جانے کے باوجود بھی
مجھے بور کیے جا رہی ہے۔''
''اسی کا قصہ ہے۔''
''جلد سے جلد سنا دیجئے!'' حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔
''آج نو بجے اس نے جو کال تمہیں کی تھی اس کا ٹیپ اس پولیس آفیسر کو سنایا گیا جسے
کسی عورت نے فون پر کیفے دارا سے متعلق اطلاع دی تھی..... وہ پورے یقین کے ساتھ کہتا
ہے کہ یہ آواز اسی عورت کی ہے!''
''خدا کی پناہ۔''
''کھیل دلچسپ معلوم ہوتا ہے!'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''خیر تم نے پوچھا تھا
کہ سرفراز کیوں مارا گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر اسے قتل کیا گیا ہے تو اس کا مقصد یہی ہوگا کہ

زندگی کے بعد پولیس کو بیان دے سکے۔''
حمید کچھ نہ بولا...... اس کا ذہن اسی لڑکی میں الجھا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔
''تو وہ لڑکی قاتلوں کو بھی جانتی ہوگی۔''
''ضروری نہیں ہے؟ قاتلوں کو جانتی ہوتی تو براہِ راست مطلع کر دیتی اس طرح ان
دونوں لاشوں تک تمہاری رہنمائی نہ کرتی۔''
''لیکن یہ بہت زیادہ باخبر معلوم ہوتی ہے!''
''اس میں کیا شک ہے!''
''اگر وہ یاسمین کا میک اپ اپنے چہرے پر کر سکتی ہے تو آواز بدلنے پر بھی قادر ہوگی!''
''کلیہ نہیں ہے! بہتیرے لوگ آواز نہیں بدل سکتے لیکن دوسرے فنون کے ماہر ہوتے ہیں۔''
''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملی......!''
''ابھی نہیں!''
''ویسے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی!''
''کیا؟''
''آخر حالات میرا ہی پیچھا کیوں کرتے ہیں!''
''واقعی مجھے بھی حیرت ہے! تم اسی لیے تو بھاگ نکلتے تھے کہ اتوار کا دن اپنی مرضی سے
گزار سکو......!''
''آدمی کو بھی اگر سرد خانے میں رکھا جا سکتا..... تو میں کم از کم پندرہ دن کے لیے ضرور
ہارٹ ہو جاتا۔''
''جھک مارتے رہو......! کیا فرق پڑتا ہے!''
''اس کی آواز میرے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی ہے!''
''سچ مچ بڑی دلکش آواز ہے!'' فریدی بولا۔
اب ان کی گاڑی شہر کے ایک بیچلرز بورڈنگ ہاؤز کے سامنے رکی۔
بورڈنگ ہاؤز کی منتظمہ ایک معمر عیسائی عورت تھی۔
''ہمیں فاروق سے ملنا ہے......!'' فریدی نے اس سے کہا۔

''کون فاروق؟''

''سے پول میں ہیڈ ویٹر ہے!''

''اوہ.....وہ تو بہت بیمار ہے جناب! ہم نے اسے سول ہسپتال داخل کرادیا ہے''

''کس وارڈ میں.....!''

''جنرل وارڈ بیڈ نمبر تھرٹین!''

''کب داخل کرایا ہے.....؟''

''آج صبح.....اسے خون کی قے ہوئی تھی......!''

اب وہ سول ہسپتال کی طرف جا رہے تھے لیکن فاروق سے پوچھ گچھ کرنے کی دل ہی میں رہ گئی۔

وہ بھی دم توڑ چکا تھا۔

''اس نے خودکشی کی تھی یا کسی نے اسے زہر دیا تھا!'' ڈاکٹر نے فریدی کو بتایا۔

وہ پھر بورڈنگ ہاؤز کی طرف پلٹے۔

''تم دشواری میں پڑ گئی ہو......!'' فریدی نے منتظمہ سے کہا۔

''کیوں جناب؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

''فاروق مر گیا.....موت کی وجہ سے زہر خورانی بتائی گئی ہے!''

منتظمہ نے سینے پر کراس بنایا اور اپنی عافیت کی دعائیں مانگنے لگی۔ پھر کپکپاتی ہوئی میں بولی۔ ''رات اس نے یہاں نہیں گزاری تھی.....صبح آیا تھا اور زینوں ہی پر اے گئی تھی......! یہاں کے کئی کرایہ دار اس وقت موجود تھے......!''

''خیر.....ہم اس کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتے ہیں!''

''آپ کون ہیں جناب!''

''پولیس!''

''خدا امن پسندوں کی حفاظت کرے......!'' وہ طویل سانس لے کر بولی۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں! ہمیں اس کے کمرے میں لے چلو''

کمرے میں پہنچ کر فریدی نے اس سے کہا۔ ''اب تم باہر جا سکتی ہو......!'' وہ چلی گئی۔

''آپ یہاں کیا دیکھیں گے......!'' حمید نے پوچھا۔

''وردی والا کوٹ جس میں بیج لگایا جاتا ہے......!''

اور وہ کوٹ جلد ہی مل گیا۔

''یہ دیکھو......!'' فریدی نے کوٹ کے ایک پھٹے ہوئے حصہ کی طرف اشارہ کر کے

''بیج یہیں تو لگایا جاتا ہے......!''

''اوہ.....تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یاسمین کا قاتل فاروق ہی تھا!'' حمید بڑبڑایا۔

''بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے! کسی کشمکش کے دوران میں بیج کوٹ سے اس طرح الگ ہوا کہ کپڑا پھٹ گیا......!''

اور پھر تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد اسی کمرے سے ایک ایسا پستول بھی برآمد کر لیا گیا جس کی نال پر سائیلنسر فٹ تھا اور میگزین میں ایک کارتوس بھی کم تھا۔

قصہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

پھر ڈھائی تین بجے تک وہ دونوں الگ الگ مصروف رہے تھے.....تین بجے کے قریب حمید گھر پہنچا۔ اس کی بھاگ دوڑ کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ فاروق کی پچھلے دن کی نقل و حرکت کے بارے میں کسی سے کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا۔

تین دن پہلے اس نے ہوٹل سے ایک ہفتے کی چھٹی لی تھی۔ اس سے ایک دن قبل کیفے دارا پر چھاپہ پڑا تھا اور سرفراز کو پولیس نے روپوش قرار دے دیا تھا۔

گویا چھاپہ پڑنے کے ایک دن بعد فاروق نے چھٹی لے لی تھی۔

چار بجے فریدی واپس آیا۔

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور میرے اندازے میں سر مو فرق نہیں۔ البتہ سرفراز کی موت اس سے دو گھنٹے بعد واقع ہوئی تھی......!'' اس نے کہا۔

''تو فاروق ہی یاسمین کا قاتل تھا......!''

''اس کے سر سے برآمد ہونے والی گولی اسی پستول سے چلائی گئی تھی، جو فاروق کے کمرے میں ملا تھا.....اس کے برخلاف جس گولی نے سرفراز کا خاتمہ کیا وہ اعشاریہ چار پانچ

کے ریوالور سے چلائی گئی تھی......!''

حمید خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ وہ تو اسی لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا جس نے بڑے انوکھے انداز میں ان جرائم کی نشاندہی کی تھی۔ آخر وہ کون تھی اور کیا چاہتی تھی۔

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاروق کو زہر دینے والا کون تھا!'' فریدی اپنے انڈیلتا ہوا بولا۔ ''خودکشی کا امکان نہیں..... زہر اپنے ہی گھر پر کھا کر موت کا انتظار کیا جاتا ہے..... کہیں اور کھا کر گھر کی راہ نہیں لی جاتی۔''

''وہ... لل... لڑکی......!'' حمید ہکلایا۔

''خدا تم پر رحم کرے......!''

''کر ہی دے گا کسی نہ کسی دن!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''اس کی انگلیوں کے نشانات حاصل کر لیے گئے ہیں۔''

''کہاں سے؟'' حمید چونک پڑا۔

''وہیں سے جہاں اس نے اپنے جسم پر کیچڑ ملی تھی.....! ایک چٹان پر پوری ہتھیلی کی چھاپ مل گئی ہے لیکن یہ نشانات یاسمین فریدوں کی انگلیوں کے نشانات سے مختلف ہیں.....''

''کمال ہے؟ کیا میں سنجیدگی سے اسے کسی روح کا کارنامہ سمجھتا رہا ہوں!'' حمید بولا۔

''آپ کی رومان پسندی سے کچھ بعید نہیں!''

''لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ یاسمین کے میک اپ میں کیوں تھی!''

''تلاش کرو اور پوچھ لو......!''

''ہوسکتا ہے فاروق کے سلسلے میں بھی وہی کچھ کر گزرے......!''

''احمقوں کی جنت سے نکل کر کام کے آدمی بنو!''

''کیا مطلب!''

''تیرھویں ٹیلیفون بوتھ کے آس پاس اسے تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آواز بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اب تم اسے صرف آواز ہی سے پہچان سکو گے.....!''

''یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹیلیفون بوتھ کے قریب کھڑا ہو کر ہر آتی جاتی لڑکی کو چھیڑوں جب وہ گالیاں دینا شروع کر دے تو اس کی آواز پہچاننے کی کوشش کروں!''

''جو طریقہ چاہو اختیار کرو..... مجھے اس سے غرض نہیں......!''

''کیفے دارا کے ملازمین سے بھی پوچھ گچھ تو کی ہی گئی ہوگی......!''

''لیکن کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ منشیات کی کھیپ کہاں سے آئی تھی، جو بتا سکتا تھا وہ مار ڈالا گیا......!''

''یاسمین کیوں ماری گئی.....؟''

''ہوسکتا ہے وہ بھی کچھ جانتی ہو.....!''

''فاروق.....!''

''وہ کم از کم یہ تو بتا ہی سکتا کہ یاسمین کو کس نے قتل کرایا تھا......!''

''سوال تو یہ ہے کہ یہ کشت و خون کیا محض اسی بناء پر ہوا ہے کہ منشیات کا اصل تاجر اپنی شخصیت کو چھپانا چاہتا ہے۔''

''اس سٹیج پر صرف قیاس ہی کیا جا سکتا ہے!'' فریدی بولا۔

''خیر..... ہوگا کچھ!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''تو پھر مجھے اجازت ہے!''

''کیا مطلب!''

''نکل جاؤں اس لڑکی کی تلاش میں!''

''تمہارے لیے فی الحال یہی مناسب ہوگا!'' فریدی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

لیکن حمید اس سے کوئی اثر لیے بغیر فراخدلانہ انداز میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

گاڑی کے بجائے موٹر سائیکل نکالی تھی اور نتھنوں میں وہ اسپرنگ فٹ کر لیے تھے۔ جن کے دباؤ سے نہ صرف ناک کی نوک اوپر اٹھ جاتی تھی بلکہ اوپری ہونٹ کی پوزیشن بھی اس طرح بدل جاتی تھی کہ دانت نظر آنے لگتے تھے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ٹیلیفون بوتھ کی نگرانی احمقانہ حرکت ہوگی کیوں نہ آس پاس کی کوٹھیوں میں یہ دیکھا جائے کہ نئے موڈل کی مرسیڈیز گاڑیاں کہاں کہاں ہیں۔

ٹیلیفون بوتھ کی نگرانی کے لیے اس نے اپنے تین ماتحتوں کو طلب کر کے کہا۔

''اگر کوئی بے حد خوبصورت لڑکی یہاں فون کرنے آئے تو اس کا تعاقب کیا جائے۔''

''بے حد خوبصورت!'' ایک ماتحت نے پریشان ہو کر دہرایا۔

''اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا.....!''

''رنگ.....قد.....جسامت.....کوئی امتیازی خصوصیت!''

''بکواس بند کرو.....صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ سیاہ گھونگریالے بال.....!''

''بس جناب کافی ہے!'' ماتحت جلدی سے بولا اور حمید مرسڈیز گاڑیوں کی تلا
نکل کھڑا ہوا۔

کئی کوٹھیوں میں نئے موڈل کی مرسڈیز گاڑیاں دکھائی دیں اور ایک بہت بڑی عما
جس کا نام سیونتھ ہیون تھا اس میں تو پوری پانچ عدد نئے موڈل کی مرسڈیز کاریں تھیں ا
کی رنگت بھی سفید تھی۔

''پانچ سفید گاڑیاں!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''کہیں انہیں میں سے کوئی نہ رہی ہو...!''

تو پھر کیا کرنا چاہیے! وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سیونتھ ہیون کے پھاٹک سے ایک ا
برآمد ہوا جس پر سنہرے بالوں والی ایک بے حد اسمارٹ لڑکی سوار تھی۔

تب پھر اچانک اسے کیوں نہ خیال آتا کہ تفصیلی چھان کی ابتداء اسی عمارت سی
ہیون سے کی جائے۔

لہٰذا تفصیلی چھان بین کے لیے موٹر سائیکل اسی ''حسن بردار'' اسکوٹر کے پیچھے لگا دی گئی۔

لڑکی جین اور جیکٹ میں ملبوس تھی..... بالوں کی بندش کچھ اس قسم کی تھی کہ تیز ہوا
انہیں منتشر نہیں کر سکتی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اب اسے نتھنوں سے اسپرنگ نکال لینا چاہیے....ایسی مکروہ صور
لے کر لڑکی سے جان پہچان پیدا کرنے سے کیا فائدہ.....!

اسکوٹر کی رفتار بہت تیز تھی۔ حمید نے تیس چالیس گز کا فاصلہ برقرار رکھا۔ ذرا ہی د
میں وہ شہری آبادی پیچھے چھوڑ گئے۔ یہ سڑک انہیں غالباً ایک ساحلی تفریح گاہ کی طرف لے
رہی تھی۔

سنسان سڑک پر لڑکی کے اسکوٹر کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی۔ حمید نے بھی معینہ فا
برقرار رکھتے ہوئے موٹر سائیکل کی رفتار بڑھا دی۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ لڑکی اسکوٹر کی رفتار کم کر رہی ہے..... اس نے بھی ا

آہستہ سے اپنی رفتار کم کر دی۔ پھر ایسا ہوا کہ دونوں ہی نے بیک وقت اپنی اپنی گاڑیاں
روک دیں۔

حمید نے غیر ارادی طور پر ایسا کیا تھا لیکن غلطی کا احساس ہوتے ہی اس نے موٹر
سائیکل تیزی سے آگے بڑھائی اور پھر اسے آگے نکالتا لیتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد لڑکی کا اسکوٹر اس کے برابر ہی چل رہا تھا اور اب تو وہ اس پر گویا لدی پڑ
رہی تھی.....بار بار ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سائیڈ سے ٹکرا جانا چاہتی ہو۔ حمید بڑی پھرتی سے
بچنے کی کوشش کرتا۔

''اکیلا دیکھ کر چھیڑ رہی ہو!'' دفعتاً وہ بہت زور سے چیخا۔ ''کیا باپ بھائی نہیں ہیں.....!''

وہ کچھ نہ بولی لیکن اس کی وہ حرکت برابر جاری رہی۔

اس کی اس دلیری پر وہ ششدر رہ گیا۔ ذرا سی بھول چوک دونوں ہی کو دوسری دنیا کی
سیر کرا سکتی تھی۔

رقاصہ

ساحل کے قریب والے چوراہے پر ٹریفک کانسٹیبل موجود تھا۔ شاید اس کی وجہ سے لڑکی
کا یہ رویہ فوری طور پر تبدیل ہو گیا۔ وہ اپنا اسکوٹر آگے نکال لے گئی۔

بہرحال حمید کے لیے یہ ایک خطرناک تجربہ تھا۔

لڑکی کا اسکوٹر ساحل کے اس حصے کی طرف مڑ گیا جہاں پرائیویٹ موٹر بوٹس لنگر انداز
رہتی تھیں۔

حمید بھی اپنا موٹر سائیکل ادھر ہی لیتا چلا گیا۔

''کیا تم کسی پاگل خانے سے فرار ہوئی ہو.....!'' وہ اس کے سر پر پہنچ کر غرایا۔

لڑکی نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا اور ایک مضمحل سی مسکراہٹ اسکے چہرے پر پھیل گئی۔

''جواب دو!''

لڑکی نے اپنا منہ کھول دیا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے خود اس کا دم گھٹ گیا ہو
لڑکی کے منہ میں زبان نہیں تھی۔

"اوہ.....! مجھے افسوس ہے!" وہ یک لخت ڈھیلا پڑ گیا۔

لڑکی اسکوٹر سے اتر کر ریت پر بیٹھ گئی اور اشارے سے کاغذ اور قلم مانگا۔

حمید پر "انسانیت" کا دورہ پڑ چکا تھا اس نے اپنی جیبی ڈائری سے دو تین ورق کیے اور فاؤنٹین پن سمیت اس کے حوالے کر دیئے۔

لڑکی لکھنے لگی۔

"میں پیدائشی طور پر زبان سے محروم ہوں.....کبھی کبھی مجھ پر دیوانگی کے دورے پڑ ہیں۔ اس وقت بھی یہی ہوا.....تم بہت اچھے ہو کہ خود تم نے بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی کون ہو.....؟ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ میں سن سکتی ہوں لکھ پڑھ سکتی ہوں.....آکسفورڈ بی۔ اے کیا تھا۔"

"فرنچ بھی آتی ہے.....!"

حمید نے بڑے خلوص سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس نے کارڈ پر نظ ڈالی پھر ہونقوں کی طرح ایک ٹک حمید کی طرف دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں حیرت تھی۔ ا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا ہو۔

پھر یک بیک چونکی اور لکھنا شروع کر دیا۔

"یقین نہیں آتا۔ تم تو بہت مشہور آدمی ہو..... بہت دلیر.....تمہاری زندہ دلی کے بھی بہت قصے سن رکھے ہیں۔ کیا یہ ایک خوشگوار اتفاق نہیں ہے! لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟"

"تم سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ مجھے ایک سفید مرسڈیز گاڑی اور ایک بے حد چالاک لڑکی کی تلاش ہے۔"

"میرے خاندان میں پانچ مرسڈیز گاڑیاں ہیں.....اور پانچوں سفید ہیں۔" اس نے لکھا۔

"اوہو.....!" حمید جلدی سے بولا۔ "بھلا سیونتھ ہیون کے مکینوں پر کون شبہ کر سکتا ہے.....تیموری خاندان ملک کے معزز ترین خاندانوں میں سے ہے۔ میں نے اس لیے تم

ے کیا تھا کہ موقع ملتے ہی جان پہچان پیدا کرنے کی کوشش کروں۔"

"لیکن کیوں؟" اس نے لکھا۔

"وہ لڑکی انہی اطراف میں کہیں رہتی ہے.....اور اس کے پاس نئے ماڈل کی سفید یڈیز ہے۔ دراصل گاڑی کا نمبر معلوم نہ ہونے کی بناء پر یہ دشواری پیش آ رہی ہے!"

"اس سلسلے میں مطلوب ہے وہ لڑکی۔" اس نے لکھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہ نہ بتا سکوں گا.....سرکاری راز ہے!"

"لڑکی کا حلیہ بتاؤ.....!"

"سیاہ گھنگھریالے بال....متناسب جسم.....رنگ سرخ وسفید آنکھیں غالباً براؤن ہیں۔"

"کوئی اور خاص پہچان.....!" اس نے لکھا۔

"اس سے زیادہ اور کچھ نہ بتا سکوں گا.....!"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اس نے لکھنا شروع کیا۔

"ٹیلیگراف آفس کی پشت پر ایک کلب ڈانسر نومی رہتی ہے۔ کل میں نے اسے ایک سفید مرسڈیز میں دیکھا تھا۔ اس کے پاس گاڑی نہیں ہے لیکن روز ہی ایک نئی گاڑی میں نظر آتی ہے.....ہوسکتا ہے یہ گاڑیاں اس کے ملنے والوں کی ہوتی ہوں۔ وہ ایک اچھی رقاصہ اور میک اپ کی ماہر ہے اور میرا خیال ہے کہ چالاک بھی ہے.....!"

"چالاک نہ ہوتی تو روزانہ ایک نئی گاڑی میں کیسے دکھائی دیتی!"

"بہت بہت شکریہ! لیکن کل وہ کس وقت سفید مرسڈیز میں دکھائی دی تھی۔"

"شاید ایک یا ڈیڑھ بجے کی بات ہے.....! یاد اس لیے رہ گئی کہ سفید گاڑی اور سفید ملبوسات میں کوئی دیوی لگ رہی تھی.....!"

حمید اچھل پڑا.....اُسے جُل دے کر نکل جانے والی بھی سفید ہی لباس میں تھی!

لڑکی لکھتی رہی۔ کبھی کبھی وہ محض اپنی چال ڈھال سے پہچانی جا سکتی ہے کیونکہ میک اَپ کے ذریعہ خدوخال میں تبدیلی کر لینے پر بھی قادر ہے۔

"کل وہ میک اپ میں تھی!" حمید نے پوچھا۔

"نہیں کل تو وہ نومی ہی لگ رہی تھی.....!"

''کس مخصوص کلب کی ڈانسر ہے!''

''آج کل برتھا بورن میں رقص کرتی ہے!'' لڑکی نے لکھا۔

''واقعی میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ تم نے خاصی معلومات فراہم کر دیں۔''

''تم دل پھینک قسم کے آدمی ہو۔ کہیں خود ہی اس کے جال میں نہ پھنس جانا!'' لڑکی نے لکھا اور حمید ہنس کر بولا۔ ''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ عرصہ ہوا دل کو سیف ڈپازٹ لاکر میں رکھوا چکا ہوں۔''

''سمندر کی سیر کا ارادہ ہو تو میری موٹر بوٹ موجود ہے!'' لڑکی نے کہا۔

''کیا مضائقہ ہے! چلو.....!'' حمید بے چون و چرا تیار ہو گیا۔

''لیکن تم مسلسل بولتے رہو گے۔ میرے ہاتھ تو اسٹیئرنگ پر ہوں گے۔ میں لکھ نہ سکوں گی۔''

وہ حمید کی زندگی کی سب سے عجیب شام تھی۔ اس لڑکی کی خاموشی تھی یا ہزار زبانیں بیک وقت نغمہ ریز تھیں کیسی گھلاوٹ تھی اس کی آنکھوں کی اداسی میں۔

حمید کہہ رہا تھا۔ ''اس وقت میں سب کچھ بھول گیا ہوں..... زندگی ایک بیکراں سمندر معلوم ہو رہا ہے۔ لہریں.....لہریں.....لہریں۔ ایک ہی بات بار بار دہراتی ہوئی لہرائیں۔''

لڑکی نے اپنے سر کو جنبش دی۔ جیسے پوچھ رہی ہو۔ ''کون سی بات؟''

موٹر بوٹ لہروں کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ بیچ ہوٹل والے ساحل سے جا لگی۔

''تم نے بہت اچھا کیا کہ ادھر لے آئیں۔'' حمید بولا۔

''کیوں؟'' اس لڑکی نے ہاتھ کے اشارے سے سوال کیا۔

''کچھ دیر سکون سے بیٹھیں گے! تم بڑی اچھی دوست ثابت ہو سکتی ہو!''

وہ موٹر بوٹ سے اتر کر بیچ ہوٹل کے لان پر آ بیٹھے..... سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔

''کیا پیو گی!'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''زبان نہ ہونے کی بناء پر ذائقے سے محروم ہوں کچھ بھی پلا دو!'' لڑکی نے لکھا۔

''ہرگز نہیں! میں شراب نہیں پیتی..... کافی منگوا لو..... میرا خیال ہے کہ تم بھی شراب نہیں پیتے..... تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں!''

''تمہارا خیال درست ہے۔''

''غالباً تمہارے چیف کرنل فریدی بھی نہیں پیتے!''

''یہ بھی درست ہے۔''

''لیکن سیونتھ ہیون میں شراب کی نہریں بہتی ہیں!'' لڑکی نے لکھا۔ ''میرا باپ شرابی ہے..... میری ماں شرابی ہے..... بہرحال میرے علاوہ سب ہی پیتے ہیں۔ نابالغ افراد بھی صرف بیئر سے شوق کرتے ہیں۔ اگر کوئی ٹھنڈا پانی پیتا ہوا نظر آئے تو سمجھ لو کہ اسے ڈاکٹر نے بتایا ہو گا۔''

''کتنے افراد کا کنبہ ہے؟''

''سب مل کر تیس عدد..... دادا جان کہیں اور رہتے ہیں.....! مجھے حیرت ہے کہ تم نہیں جانتے..... کرنل فریدی تو میرے ایک چچا کے گہرے دوستوں میں سے ہیں! کئی بار سیونتھ ہیون میں آ چکے ہیں!''

''مجھے علم نہیں!'' حمید بولا۔

''تفصیل کرنل سے معلوم کر لینا..... کہاں تک لکھوں..... ہاتھ دکھ گیا۔ اب تم ہی بولتے رہو.....!''

کافی آئی اور وہ کچھ دیر تک خاموشی سے شغل کرتے رہے۔

پھر حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں ابھی آیا۔ ذرا ایک ضروری کال کرنی ہے۔''

لڑکی نے سر کی جنبش سے گویا اسے اجازت دی تھی۔

وہ ہوٹل کی عمارت میں آیا اور فون بوتھ میں داخل ہو کر گھر کے نمبر ڈائیل کیے۔

اتفاقاً فریدی گھر ہی پر موجود تھا۔

''ٹیلیگراف آفس کی پشت پر ایک رقاصہ نومی رہتی ہے!'' حمید ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''اس کی نگرانی کرایئے.....!''

''تم کہاں ہو!''

''جہاں بھی ہوں زیادہ خوش نہیں ہوں، نومی کی نگرانی کرایئے۔''

''برتھا بورن کلب میں رقص کرتی ہے!''

''کس بات کا شبہ ہے اس پر!'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''شاید کل وہی تھی۔ میری معلومات کے مطابق میک اپ بھی کر سکتی ہے!''

''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''بیچ ہوٹل میں!''

''اور کون ہے تمہارے ساتھ!''

''کوئی بھی نہیں.....!''

دوسری طرف سے یہ پوچھے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا گیا کہ وہ بوتھ نمبر تیرہ کی نگرانی کرتے کرتے بیچ ہوٹل کیسے جا پہنچا۔

حمید کو لڑکی سے معلوم ہو چکا تھا کہ فریدی کے اس خاندان سے تعلقات ہیں اس لیے اس لڑکی کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بے زبان ہونے کے باوجود بھی وہ دلکش اور دلچسپ تھی اور وہ اس کے ساتھ مزید کچھ شامیں گزارنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر موٹر بوٹ میں آ بیٹھے..... اس بار حمید اسٹیئر کر رہا تھا اور لڑکی سیٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے اونگھ رہی تھی۔

حمید اسے کنکھیوں سے دیکھے جا رہا تھا..... بڑی عجیب بات تھی..... لڑکی کے چہرے پر ویسی ویرانی یا وحشت نہیں پائی جاتی تھی جیسی عموماً گونگے افراد کے چہروں پر ملتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ اس کی قوت سامعہ بہرحال برقرار تھی.....! وہ اپنے گرد و پیش کا مکمل ادراک رکھتی تھی۔ تعلیم یافتہ بھی تھی۔

شہر پہنچتے پہنچتے رات کے آٹھ بج گئے..... آرلکچو میں انہوں نے کھانا کھایا اور گیارہ بجے تک بال روم میں وقفے وقفے سے رقص میں حصہ لیتے رہے۔ لڑکی بہت سلیقے سے رقص بھی کر سکتی تھی۔

سوا گیارہ بجے واپسی کی ٹھہری۔ لڑکی نے کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا!

''آج کی شام بہت دنوں تک یاد رہے گی..... اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ پھر بھی ہماری ملاقات ہو سکے.....!''

''کیوں.....؟ بھلا ملاقات میں کیا دشواری ہو سکتی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''صبح تک میں تمہیں بھول چکی ہوں گی.....!'' لڑکی نے لکھا۔ ''میرے لیے یہی بہتر ہے! ساری دنیا کے مرد عورتوں کی زبان کا رونا روتے نظر آتے ہیں لیکن کوئی مجھ بے زبان سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔''

''ارے..... وہ تو!'' حمید کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''وہ مرد دراصل یہ چاہتے ہیں کہ ...ت صرف ان کی ہاں میں ہاں ملاتی رہے۔ ان سے اختلاف نہ کرے۔''

''کچھ بھی ہو.....!'' لڑکی نے لکھا۔ ''زیادہ ملنے سے تعلقات بڑھتے ہیں پھر جدائی ...اشت نہیں ہو سکتی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ یک بیک وہ اس کے لیے بے حد مغموم ہو گیا تھا۔

بارہ بجے کے قریب گھر پہنچا۔ فریدی موجود نہیں تھا لیکن ایک ملازم سے معلوم ہوا کہ کچھ ...ل فریدی کی کال آئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ جیسے ہی حمید گھر پہنچے اسے دفتر بھیج دیا جائے۔

''دفتر..... اتوار کو بارہ بجے رات!'' حمید اچھل پڑا۔

اچھلتا یا سر کے بل کھڑا ہوتا..... دفتر تو جانا ہی پڑا تھا۔

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ فریدی فنگر پرنٹ سیکشن میں ہے۔

اور پھر جب فریدی نے ایک مخصوص قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تو ...اسے اپنی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی۔ یہ طنزیہ سی مسکراہٹ حمید کے احمقانہ اقدامات کے لیے مخصوص تھی۔

''...وہ تو حراست میں لے لی گئی ہے! لیکن اسکی انگلیوں کے نشانات ان سے نہیں ملتے جو ...یل کے کنارے والی ایک چٹان پر ملے تھے.....!'' اس نے خلافِ توقع نرم لہجے میں کہا۔

''سوال تو یہ ہے کہ آپ نے اسے.....!'' حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ یہاں دوسرے ...سامنے کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتا تھا۔

''چلو.....!'' فریدی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اور پھر وہ اپنے آفس میں آئے تھے۔

''میں نے صرف نگرانی کے لیے کہا تھا!'' حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"آخر کس بناء پر!" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ میک اپ میں خاصی دسترس رکھتی ہے اور پچھلے دن ایک بجے کے قریب سفید مرسڈیز میں دیکھی گئی تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی اور سنیما میں بھی تھی.....!"

"معلومات کس طرح حاصل کی تھیں.....!"

"تحریری رپورٹ پیش کر دوں گا!" حمید بھنا کر بولا۔ وہ فریدی سے اس لڑکی کا [illegible] نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"خیر..... خیر..... لیکن نومی کے پاس گاڑی نہیں ہے۔"

"اس کے باوجود ہر روز ایک نئی گاڑی میں دیکھی جاتی ہے..... ہفتے کو اس کے پاس نئے موڈل کی سفید مرسڈیز تھی۔"

"اب تم نے کام کی بات کی ہے؟ لیکن اس کی آواز بھی فون والی آواز سے مماثلت نہیں رکھتی۔"

"میک اپ کر سکتی ہے تو آواز بھی بدل سکتی ہوگی۔"

"نہیں.....! وہ آواز بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی..... اتنا اندازہ بھی نہ کر سکوں تو پچھلے تجربات خاک کا ڈھیر ہی ثابت ہوئے۔"

"سوال تو یہ ہے کہ پھر آپ نے کس بناء پر حراست میں لیا ہے۔"

"بیٹھ جاؤ! تم نے پھر ایک بڑا تیر مارا ہے.....!"

حمید طویل سانس لے کر آرام کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

"نومی کو خود میں نے چیک کیا تھا.....! وہ اپنے بنگلے سے نکلی تھی! اس وقت نیلے رنگ کی گاڑی میں تھی..... وہ گاڑی اس نے ایروز سینما کے سامنے والے پارکنگ پلاٹ میں پارک کی تھی اور ڈنشا بلڈنگ میں چلی گئی۔ دس منٹ بعد وہاں سے برآمد ہوئی تو نیلی گاڑی کے بجائے سفید گاڑی ٹویوٹا پر جا بیٹھی..... ٹویوٹا چلی تو اس کا رخ تارجام کی طرف تھا..... اب میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس گاڑی میں ضرور کچھ نہ کچھ ہے، لہٰذا وقت کیوں ضائع کیا جائے۔ گاڑی کو اوور ٹیک کر کے میں نے اسے رکنے پر مجبور کیا..... اور پھر جانتے ہو کیا ہوا.....؟"

"آپ سے بھلا کیا ہو سکا ہوگا!"

"اس گاڑی کے ڈکے میں منشیات کے بڑے بڑے پیکٹ موجود تھے۔"

"نہیں.....!" حمید بوکھلا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"لہٰذا اب بتاؤ اصل بات کیا ہے؟" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"کیسی بات!"

"ہوں!" فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اُسے یہاں لاؤ.....!"

اگر یہ ہدایت رقاصہ نومی کے لیے تھی تو حمید کا دم نکل کر رہ گیا کہ اس نے تو آج تک اس کی شکل ہی نہیں دیکھی تھی۔

تین چار منٹ بعد فریدی کا ایک ماتحت اس عورت سمیت آفس میں داخل ہوا۔ خوش شکل اور متناسب جسم والی تھی۔

"بیٹھ جاؤ.....!" فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اس نے چپ چاپ تعمیل کی لیکن اس کا سر جھکا ہوا تھا کسی سے آنکھ نہیں ملا رہی تھی۔

"ہفتے کو تمہارے پاس نئے موڈل کی سفید مرسڈیز تھی۔" دفعتاً فریدی نے سوال کیا۔

"جی نہیں!" کپکپاتی ہوئی آواز میں جواب ملا۔ "یہی ٹویوٹا تھی.....!"

"صرف یہی دو گاڑیاں تمہارے استعمال میں رہی ہیں!"

"جی ہاں!"

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا، جو اپنی بائیں کنپٹی سہلا رہا تھا۔ جھیل کے کنارے بیوقوف بنانے والی نومی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی..... اس کے بال سیاہ اور گھونگریالے تھے..... لیکن قد بھی اس لڑکی کے برابر نہیں تھا۔

تو پھر..... وہ بے زبان لڑکی.....؟ وہ بدستور کنپٹی سہلا سہلا کر اس کے بارے میں سوچتا رہا..... اب وہ فریدی اور نومی کی گفتگو کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"ان دونوں گاڑیوں کا مالک کون ہے؟"

"میں صرف نیلی گاڑی کے مالک کو جانتی ہوں لیکن وہ مر چکا ہے.....!"

''کون؟''

''کیفے دارا کا منیجر سرفراز.....اُسی نے مجھے اس کام پر لگایا تھا....اب کوئی بات ہم
سے کیا فائدہ.....؟''

سرفراز کے نام پر حمید پھر چونکا اور ان کی طرف متوجہ ہو گیا نومی کہہ رہی تھی۔''
فریدوں میری دوست تھی۔ اسی نے سرفراز سے ملوایا تھا۔ دونوں ہی ختم ہو گئے۔
اموات نے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا.....اچھا ہوا کہ میں پولیس ہی کے ہاتھ لگی ورنہ کون جانے
میرا کیا حشر ہوتا.....!''

''منشیات تم تک کیسے پہنچتی تھیں!'' فریدی نے سوال کیا۔

''منشیات ڈنشا بلڈنگ کے قریب پہنچتی تھیں۔ میں گاڑی پارک کر کے ڈنشا بلڈنگ
ایک گوشے میں جاتی ہوں..... جہاں مجھے منشیات والی گاڑی کی کنجی رکھی ہوئی ملتی ہے۔
اپنے استعمال والی گاڑی کی کنجی وہاں رکھ کر منشیات والی گاڑی کی کنجی اٹھا لیتی ہوں اور
گاڑی وہیں چھوڑ کر منشیات والی گاڑی لے نکلتی ہوں! تارجام والی سڑک پر ایک ٹرک ملتا ہے
اور میری گاڑی کی ڈگی خالی ہو جاتی ہے۔ میں اس گاڑی کو اپنے بنگلے میں لے چلی آتی
ہوں....کلب میں چونکہ میری ڈیوٹی گیارہ بجے شب سے تین بجے صبح تک ہوتی ہے۔ اس
لیے مجھے اس کام کا وقت مل جاتا ہے....معاوضہ ڈیڑھ ہزار روپے ماہانہ اور گاڑی مفت۔''
تلخ سی ہنسی کے بعد خاموش ہو گئی۔

فریدی نے اپنے ماتحت کو اشارہ کیا کہ اسے لے جائے.....! حمید خاموش بیٹھا رہا۔
نومی کے چلے جانے کے بعد فریدی نے پھر فون کا ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں
بولا۔''ڈیوڈ کو لاؤ....!'' ریسیور رکھ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''تو کیا آپ نے اس ٹرک کو نظر انداز کر دیا جس پر نومی کی گاڑی سے منشیات منتقل
ہوتی تھی!'' حمید نے سوال کیا۔

''نہیں.....وہ بھی پکڑا گیا......اور وہ جس تک پہنچاتا تھا وہ آدمی بھی اس وقت حراست
میں ہے۔''

''کیا وہی آخری آدمی ہے؟''

''دیکھو کیا ہوتا ہے.....اس سے ابھی تک میں نے پوچھ گچھ نہیں کی۔''

''تو یہ ڈیوڈ غالباً وہی آدمی ہے جسے آپ نے طلب کیا ہے۔''

فریدی نے سر کو اثباتی جنبش دی اور پُر تفکر انداز میں سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔
کچھ دیر بعد مطلوبہ آدمی وہاں لایا گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔
یہ ادھیڑ عمر کا ایک قد آور آدمی تھا۔ سر کے بال غائب تھے اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی
تھیں۔ لباس سے ذی حیثیت معلوم ہوتا تھا۔

''یہ ظلم ہے کرنل صاحب!'' وہ آفس میں داخل ہوتے ہی بول پڑا تھا۔ ''پتہ نہیں کس
نے مجھے پھنسوانے کی کوشش کی ہے۔''

''بیٹھ جاؤ.....!'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے خشک لہجے میں کہا۔ ''سچی
بات! ورنہ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو.....!''

''میں کچھ نہیں جانتا.....!'' وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

''کیا نہیں جانتے.....!''

''اسی کے بارے میں کہ مجھے کیوں پکڑا گیا ہے۔''

''پھر تم نے یہی کیوں کہا تھا کہ کسی نے تمہیں پھنسوانے کی کوشش کی ہے!''

''ظاہر ہے کہ آپ کسی شکایت کے بغیر تو اس قسم کے اقدامات نہیں کر سکتے!''

''کیا تمہیں اس سے انکار ہے کہ ٹرک نمبر R-318 تمہاری ملکیت نہیں ہے!''

''کیا اس سے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟'' اس نے بوکھلا کر پوچھا۔

''میرے سوال کا جواب دو!''

''جج.....جی ہاں.....وہ میرا ہی ٹرک ہے! لیکن ہوا کیا ہے؟''

''اسے اس وقت کہاں ہونا چاہیے تھا؟''

''گگ.....گیراج میں جناب.....وہ کئی دن سے روڈ پر نکلا ہی نہیں مرمت میں ہے۔''

''تب پھر تم نے کیوں پوچھا تھا کہ کیا اس سے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔''

وہ کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''جب کسی ذی عزت آدمی کے ہاتھوں میں اچانک
ہتھکڑیاں پڑ جاتی ہیں تو وہ اسی طرح نروس ہو جاتا ہے.....!''

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''ٹرک ڈرائیور کو لاؤ!''

حمید نے محسوس کیا کہ دفعتاً ڈیوڈ کا چہرہ زرد پڑ گیا ہے۔

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کچھ کہنا چاہا لیکن پھر خاموش ہو گیا۔

ڈرائیور لایا گیا۔ گھنی اور بے مرمت داڑھی مونچھوں میں اس کا چہرہ بڑا خونخوار تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔

''مم..... میں نہیں..... جانتا یہ کون ہے!'' ڈیوڈ ہکلایا۔ ''میں سمجھا شاید آپ نے ٹرک ڈرائیور کو بلوایا ہے۔''

''مجھے حیرت ہے ڈیوڈ کہ تم اپنے بھائی ولیم تلارام کو نہیں پہچانتے کیسے ڈیوڈ تلارام ہو!''

''میں نے کچھ نہیں بتایا!'' ڈرائیور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی نے اپنے ماتحت سے کہا۔ ''اسکی مصنوعی داڑھی اور مونچھیں چہرے سے الگ کر دو۔''

فوراً تعمیل کی گئی اور ذرا سی دیر میں ولیم تلارام کا شائستہ سا چہرہ ظاہر ہو گیا۔ اب صورت سے خاصا سیدھا سادہ آدمی لگ رہا تھا۔ ڈیوڈ آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت گاہ ٹک گیا۔ اس کا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔

''تم دونوں سے صبح نپٹوں گا۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور ماتحتوں کو اشارہ کیا کہ وہ انہیں لے جائیں۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اب تمہاری باری ہے فرزند.....!''

فون نمبر

''میں نہیں سمجھا!'' حمید کا لہجہ جارحانہ تھا۔

''تمہاری ان معلومات کا ذریعہ اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''میں آپ کے اس خیال کی تردید کرتا ہوں.....!''

فریدی براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ حمید ڈھٹائی سے جما رہا۔ نظ

ہانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''تمہارے چہرے پر سچائی نہیں ہے۔''

''سچائی اتنی سستی نہیں ہے کہ چہروں پر ماری ماری پھرے۔''

''مجھ سے کچھ چھپا کر پچھتاؤ گے۔ شاید وہ آج پھر تمہیں جل دے گئی!''

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ بھی اس بے زبان لڑکی کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔

فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ ''ہو سکتا ہے! منشیات کی غیر قانونی تجارت کرنے والے دو گروہ آپس میں ٹکرا گئے ہوں اور بات اس حد تک بڑھی ہو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کو پولیس کی نظر میں لانے کی کوشش کرنے لگا ہو۔''

''ہوں! تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس لڑکی کا تعلق اُسی گروہ سے ہو سکتا ہے جو اس سلسلے میں پولیس کی رہنمائی کر رہی ہے۔''

''فی الحال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتا۔''

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ ایک بے زبان لڑکی تھی!''

''خوب.....!'' فریدی مسکرایا۔

''یقین کیجئے!'' حمید نے کہا اور کھسیائے ہوئے انداز میں اپنی کہانی دہرانے لگا۔ اس کے خاموش ہونے پر فریدی پُرتشویش لہجے میں بولا۔ ''اُس گھرانے میں کوئی ایسی لڑکی نہیں ہے۔ شہباز تیموری کی گیارہ عدد جوان پوتیاں ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی بے زبان نہیں ہے بلکہ سب ہی بے حد زبان دراز ہیں۔''

''لیکن وہ اسی عمارت سے برآمد ہوئی تھی!''

''میرے گھر سے اگر کوئی برآمد ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ وہیں کا کوئی فرد ہے۔''

''جہنم میں جائے!'' حمید بھنا کر بولا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے!''

''دفع ہو جاؤ.....! تم سے بھی صبح نپٹوں گا!''

''کیا آپ استراحت نہیں فرمائیں گے.....؟''

''آپ ہی فرمائیں۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ کر آفس سے نکل گیا۔

حمید نے شانوں کو جنبش دی اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔ نوی

والے انکشاف نے اس کی نیند غائب کر دی تھی.....تو کیا وہ بے زبان لڑکی بچ نکلنے
گئی تھی۔ بے زبانی کا ڈھونگ اسی لیے رچایا تھا کہ اپنی آواز نہیں سنانا چاہتی تھی.....لیکن
زبان تھی ہی کہاں اس کے منہ میں۔

''اونہہ.....! دیکھا جائے گا!'' وہ پائپ سلگائے بغیر اٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

واپسی پر اسکے ذہن میں سیونتھ ہیون کی گیارہ عدد جوان لڑکیاں بسی ہوئی تھیں۔ اس نے
کر لیا تھا کہ خود ہی اس راز سے پردہ ہٹائے گا۔ وہ کون تھی اور اس عمارت سے اسکا کیا تعلق تھا

دوسری صبح جلد ہی بیدار ہونا پڑا کیونکہ یہ چھٹی کا دن نہیں تھا۔ فریدی سے ناشتے کی
پر ملاقات نہ ہو سکی.....ملازموں سے معلوم ہوا کہ وہ واپس ہی نہیں آیا تھا۔

آج کے کئی اخبار میز پر پڑے تھے۔ ان میں پچھلی رات والی گرفتاریوں سے متعلق
بھی نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پریس رپورٹروں کے کان میں ان کی بھنک بھی نہ پڑ
پائی ہو۔

ناشتے سے فارغ ہو کر دفتر پہنچا.....فریدی آپریشن روم میں تھا۔ سیدھا وہیں چل گیا۔
فریدی اسی پراسرار لڑکی کی آواز کا ٹیپ سن رہا تھا جو حمید سے فون پر بات کرتی رہی تھی۔

حمید کو اس نے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ اتنے میں ان کے آفس کے ایک آدمی
نے وہاں پہنچ کر اطلاع دی کہ فون پر حمید کی کال ہے۔

فریدی نے پھر اُسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا لیکن خاموش رہا۔

حمید نے لاپروائی ظاہر کرنے کے لیے شانوں کو جنبش دی اور آفس کی طرف چل پڑا
تھا۔ لیکن کال ریسیو کرتے ہی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ پھر وہی لڑکی تھی۔ ''ہیلو'' کہنے پر
دوسری طرف سے کھنکتی سی ہنسی سنائی دی تھی۔

''کل پھر تمہیں چوٹ ہو گئی.... پیارے حمید صاحب!'' اس نے ہنسی کو برقرار رکھتے
ہوئے کہا۔

''نہیں! تمہارا بہت بہت شکریہ! مزید تین شکار ہاتھ لگے ہیں!''

''تم جیسے زیرک آدمی کو بے زبانی کا یقین دلا دینا کیا ایک بڑا کارنامہ نہیں ہے!''

''بیسویں صدی کی اس چوتھائی میں سب کچھ ممکن ہے!'' حمید خشک لہجے میں بولا۔

''میرا اس گھرانے سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کا ذکر میں نے کل کیا تھا۔''

''لیکن تم برآمد تو وہیں سے ہوئی تھیں.....!''

''محض اتفاق تھا.....وہاں مجھے کوئی نہیں جانتا۔''

''پھر وہاں کیا کر رہی تھیں؟''

''کچھ معلومات فراہم کرنے گئی تھی.....!''

''اس وقت بور کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی!''

''اتنی بے دردی سے بے مروتی کا مظاہرہ مت کرو.....پچھلی رات تو تم مجھ پر قربان
ہوئے جا رہے تھے.....!''

''محض اس لیے کہ تم پچھلی رات بے زبان تھیں.....ذرا بتانا تو اس کی مشق کیونکر بہم
پہنچائی ہے!''

''بچپن ہی سے پریکٹس کرتی آئی ہوں! زبان کو اس طرح سمیٹتی ہوں کہ وہ نچلے جبڑے
کا ایک حصہ معلوم ہونے لگتی ہے۔''

''اب کہاں اور کس شکل میں ملو گی۔''

''خدا جانے.....یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی!''

''سوال تو یہ ہے کہ تم نے اپنی زندگی ان خطرات میں کیوں ڈالی ہے!''

''اس لیے کہ میں اس درندگی کا خاتمہ چاہتی ہوں.....کیپٹن حمید کیا تم تصور کر سکتے ہو
اس بیوہ ماں کی پریشانیوں کا جس کا گیارہ سال کا بچہ ان موذیوں کا شکار ہو کر اس کی زندگی
کی تاریکیوں کا اضافہ کر رہا ہے..... میں تمہیں دعوت دیتی ہوں آ جاؤ اور اپنی آنکھوں سے
دیکھ لو.....بھیم پورہ کی ترکاری گلی میں کھولی نمبر اٹھارہ پر آ جاؤ!''

''اوہو.....مگر تمہیں اس کی پریشانیوں سے کیا سروکار تم اس مٹی سے تو نہیں بنیں۔ نئے
ماڈل کی مرسیڈیز کار بھیم پورے کی ترکاری گلی میں کیوں جانے لگی۔''

''میں اپنے طبقے سے اس قدر متنفر ہوں کہ اس کا نام ونشان تک مٹا دینا چاہتی ہوں۔''

''فلمی قسم کی نیکیوں کے ہوائی قلعے بنانے کی عادی معلوم ہوتی ہو!''

''کیپٹن حمید!'' غصیلے لہجے میں کہا اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

حمید نے طویل سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور مڑا ہی تھا کہ فریدی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا!

''ہوں! تو اس نے تمہیں یقین دلا دیا کہ کل وہ بے زبان لڑکی وہ خود ہی تھی!'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

''خواہ مخواہ میرے سر ہو رہی ہے!'' حمید بے زاری سے بولا۔

''اب کیا کہہ رہی تھی......؟''

''وہی کہ منشیات کی تجارت کا خاتمہ چاہتی ہے......! اور یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہے کہ اس کا تیموری خاندان سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض معلومات حاصل کرنے وہاں گئی تھی۔

''اور کچھ......!''

''بھیم پورہ کی ترکاری گلی میں کھولی نمبر اٹھارہ پر آنے کی دعوت دی ہے!''

''کیوں......؟''

''منشیات کی اس ریل پیل کی تباہ کاری دکھانا چاہتی ہے! کسی بیوہ کے گیارہ سالہ لڑکے کا ذکر کیا تھا۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے! ننھے ننھے مزدور بچوں کی دن بھر کی کمائی کے جیبوں سے کھینچ لی جاتی ہے۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔

''میں جانتا ہوں!''

''لیکن جب تک آخری آدمی نہ پکڑا جائے یہ سلسلہ ختم نہیں ہو سکتا......! نوبی ڈیوڈ...... ولیم...... یہ سب درمیانی لوگ ہیں...... بزنس ہیڈ کی نشاندہی نہیں کر سکتے، جو لوگ کر سکتے تھے وہ مار ڈالے گئے۔''

حمید کچھ نہ بولا! وہ سوچ رہا تھا شاید بھیم پورہ میں پھر اس سے ملاقات ہو جائے لیکن فریدی اسے کہیں اور لے جانا چاہتا تھا۔

''چلو...... وقت کم ہے...... شاید ہم کچھ مزید معلومات حاصل کر سکیں۔''

''ڈیوڈ وغیرہ کا کیا رہا......!''

''اطمینان سے بتاؤں گا...... تم اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو!''

کچھ دیر بعد لنکن تار جام کی طرف اڑی جا رہی تھی...... فریدی کسی گہری سوچ میں تھا۔

حمید بولا۔ ''ڈیوڈ بھی اس سامان کو آگے بڑھا دیتا ہے...... اس کے بعد کا اسے علم نہیں کہ وہ کہاں لے جایا جاتا ہے۔''

''کیا وہ بھی کسی کے حوالے کرتا ہے؟''

''نہیں! ایک مخصوص جگہ پر رکھ دیتا ہے اور دوسری رات وہاں کچھ نہیں ہوتا!''

''ان تینوں کی گرفتاری کی خبر اخبارات میں نہیں آئی...... لیکن اس لڑکی کو علم ہے!''

''ہوں! تو اس نے تمہیں مبارکباد دی ہوگی!''

''کچھ اسی قسم کی بات تھی۔''

''پچھلی رات ساڑھے گیارہ بجے تک وہ تمہارے ساتھ ہی تھی اور اسی دوران میں وہ تینوں گرفتار کر لیے گئے تھے!''

''شاید آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ لڑکی تنہا نہیں ہے!''

''یقیناً! ورنہ اسے کیونکر علم ہوتا!''

''آپ بدستور اس نظریئے پر قائم ہیں کہ وہ کسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتی ہے!''

''جب تک اس نظریئے کی نفی نہ ہو جائے قائم رہنا ہی پڑے گا!''

''آپ بار بار لڑکی کی آواز کا ٹیپ سن رہے ہیں!''

''ہوں! لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ان گیارہ لڑکیوں میں سے نہیں ہے؟''

''ہو سکتا ہے بارہویں کہیں اور پیدا ہوئی ہو!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید صرف اسی لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا...... اسے بھیم پورے جانا چاہئے تھا۔

دفعتاً اس نے کہا۔ ''لڑکی اس عمارت سے لاتعلق ہی سہی لیکن اس کے مکینوں کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے! شہباز تیموری کے کسی لڑکے سے آپ کے بہت اچھے تعلقات ہیں!''

''ہوں...... محمود تیموری...... ہم دونوں آکسفورڈ میں ایک ساتھ تھے!''

''وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ شہباز تیموری اس عمارت میں نہیں رہتا!''

''یہ بھی درست ہے اور اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ حقیقتاً وہ کہاں رہتا ہے!''

"کمال ہے......!"

"اگر تم اسے دیکھ لو تو تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ ملک کے پانچ سب سے بڑے سرمایہ داروں میں سے وہ بھی ایک ہے!"

"سینگ ہیں اس کے سر پر!"

"نہیں معمولی مزدوروں کی سی زندگی بسر کرتا ہے......!"

"عوامی لیڈر بننے کی سوچ رہا ہوگا!"

"نہیں! اس نے اپنی کاروباری زندگی کی ابتداء ایک خوانچہ فروش کی حیثیت سے کی تھی۔ اس حقیقت کو وہ آج تک نہیں بھولا۔ اس کی اولادیں سیونتھ ہیون میں رہتی ہیں، جو سچ جنت کا نمونہ ہے لیکن وہ خود دو کمروں کے ایک کوارٹر میں رہتا ہے......!"

"ذاتی طور پر مکھی چوس معلوم ہوتا ہے!"

"سیونتھ ہیون کی تعمیر پر تین کروڑ روپے صرف ہوئے ہیں۔"

"میں عمارت کو اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں!"

"جب چاہو دیکھ سکتے ہو!"

"کیا آپ جانتے ہیں شہباز تیمور کہاں رہتا ہے!"

"اس کے بیٹوں کو نہیں معلوم لیکن میں جانتا ہوں!"

"اس کے درشن بھی کرا دیجئے......!"

"ضرور.....ضرور......!"

"لیکن اس وقت کہاں تشریف لے جا رہے ہیں!"

"ڈیوڈ کی بیوی سے ملوں گا کیونکہ اس کو اس راہ پر اسی نے ڈالا تھا!"

تار جام پہنچ کر لنکن ذی حیثیت لوگوں کی ایک بستی میں داخل ہوئی اور پھر ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔

گلوریا ڈیوڈ جوان العمر تھی اور خاصی قبول صورت بھی۔ اس نے بڑی خوش اخلاقی سے ان کا استقبال کیا۔

مگر جب فریدی نے اُسے ڈیوڈ کی گرفتاری کی اطلاع دی تو اس کا موڈ یک لخت بدل

لیکن اسے سراسیمگی ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ تو غضبناک ہوگئی تھی۔

"ڈیوڈ کے بے شمار دشمنوں میں سے کسی نے بالآخر اس کے خلاف پولیس سے ساز باز کر لی۔" پہلا جملہ اس کی زبان سے یہی نکلا تھا۔

"اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے!" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"پولیس تو بے گناہوں سے بھی اعترافِ جرم کرا لیتی ہے!"

"ہو سکتا ہے!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں اپنے وکیل کی عدم موجودگی میں کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں کروں گی!"

"آپ کی مرضی۔"

وہ اٹھ کر فون کی طرف بڑھی اور کسی کے نمبر ڈائیل کر کے کہا۔ "میں گلوریا ڈیوڈ بول رہی ہوں! کسی غلط فہمی کی بناء پر ڈیوڈ حراست میں لے لیا گیا ہے۔ یہاں اس وقت محکمۂ سراغرسانی کے دو آفیسر موجود ہیں! براہ کرم آپ جلد پہنچئے!" پھر وہ کچھ سنتی رہی اور "او۔ کے" کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

"آخر اسے کس بناء پر گرفتار کیا گیا ہے!" اس نے کچھ دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

"اب وکیل کو آ ہی جانے دیجئے......!" فریدی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"آپ کی مرضی۔" گلوریا نے لاپروائی سے کہا۔

شاید پندرہ منٹ بعد ایک دبلا پتلا اور دراز قد آدمی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا.... فریدی اور حمید سے مصافحہ کر کے وہ گلوریا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"میں کچھ بھی نہیں جانتی، انہی حضرات سے پوچھئے!" وہ نووارد سے بولی۔

"میں مسٹر تلارام کا قانونی مشیر ہوں!" نووارد نے اپنا وزیٹنگ کارڈ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ڈیوڈ پر الزام ہے کہ وہ منشیات کی غیر قانونی تجارت میں ملوث تھا۔"

"اوہ!" وکیل نے پھر گلوریا کی طرف دیکھا۔

"میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں جانتی......!"

"لیکن ڈیوڈ نے آپ کے سلسلے میں بھی ایک اعتراف کیا ہے!" فریدی بولا۔

"میرے بارے میں!" وہ چونک پڑی اور پھر اسی وقت اپنی جگہ سے ایک نر اچھل کر فرش پر آ رہی..... اس کی بائیں کنپٹی سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔

حمید نے فریدی کو بائیں جانب والی کھڑکی کے باہر چھلانگ لگاتے دیکھا اور خو اسی طرف دوڑ گیا۔

عمارت کے اس بازو میں دیوار سے آٹھ نو فٹ تک کیاریوں کی قطار تھی اور اس آگے دور تک مالتی کی بے ترتیب جھاڑیاں پھیلتی چلی گئی تھیں۔

حمید نے فریدی کو انہی جھاڑیوں میں گھستے دیکھا تھا..... وہ بھی کھڑکی سے باہر چھلا لگانے والا تھا لیکن پھر اسے عقل آ گئی اور اس نے محسوس کیا کہ نووارد وکیل وہاں سے کھسکنے فکر میں ہے۔

حمید نے بغلی ہولسٹر نکالتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو!"

وکیل بوکھلا کر اس کی طرف مڑا۔

"کک..... کیا مطلب.....!" وہ اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا ہکلایا۔

"میں نے آج تک کسی وکیل کو موقع واردات سے فرار ہوتے نہیں دیکھا۔"

"ڈ..... ڈاکٹر.....!"

"وہ مر چکی ہے وکیل صاحب! ذرا غور سے دیکھئے..... ڈاکٹر اب کیا کر سکتے گا۔ براہِ کرم بیٹھ جائیے۔"

"لیکن آپ کا رویہ جناب.....!" وہ ریوالور کی طرف دیکھتا ہوا ہکلایا۔

"بیٹھ جائیے!" حمید کا لہجہ سخت تھا۔

وہ اسے گھورتا ہوا بیٹھ گیا۔

"آپ نے گلوریا کی کال کی اطلاع کسے دی تھی!"

"مم..... میں نہیں سمجھا.....!"

"کچھ دیر پہلے اس نے فون کر کے آپ کو طلب کیا تھا..... لہٰذا یہاں آنے سے قبل آپ نے کس کو مطلع کیا تھا.....!"

وکیل کے چہرے پر زردی پھیل گئی لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھالا لے کر بولا۔ "آپ مجھ

م نہیں دے سکتے..... میں وکیل ہوں۔"

"آپ کچھ بھی ہوں..... میرے چیف کی واپسی سے قبل یہاں سے جنبش بھی نہ کر سکیں گے۔"

وکیل بُرا سا منہ بنائے لاش کی طرف دیکھتا رہا۔

حمید نے ریوالور پھر ہولسٹر میں رکھ لیا۔

کچھ دیر بعد وکیل نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔ "مجھے یہاں کب تک ٹھہرنا پڑے گا۔"

"جب تک مشیر نامہ نہ تیار ہو جائے۔"

"قتل میری موجودگی میں نہیں ہوا.....!" وکیل ڈھٹائی سے بولا۔

"خوب!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"اتفاقاً ادھر نکل آیا تھا اور آپ مجھے اس لاش سمیت یہاں ملے تھے۔"

"پرواہ مت کیجئے..... اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا.....!" حمید نے کہا اور اٹھ کر فون پر پولیس اسٹیشن کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

اس نے اسٹیشن انچارج کو اس وقوعے کی اطلاع دے کر فوراً وہاں پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

"میں کہتا ہوں کہ آپ مجھے یہاں روک کر پچھتائیں گے۔" وکیل اسے گھورتا ہوا بولا۔

"خاموشی سے بیٹھے رہو!" حمید نے اسے جھڑک دیا۔

"اپنا لہجہ درست کیجئے۔"

"آپ کب سے وکالت کر رہے ہیں!" حمید نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

"میں اس مسئلے پر عدالت ہی میں گفتگو کروں گا.....!"

"میرا خیال ہے کہ آپ اس سے پہلے ہی گفتگو پر آمادہ ہو جائیں گے۔"

"تمہارا خیال درست ہے.....!" فریدی کی آواز سنائی دی۔

وہ دروازے میں کھڑا وکیل کو گھورے جا رہا تھا۔

"میں نے اسٹیشن انچارج کو فون کر دیا ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"تم نے اچھا کیا.....!"

"وکیل صاحب یہاں اس وقت موجود نہیں تھے جب کسی نے اس عورت پر سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے فائر کیا تھا.....!" حمید نے دوسری اطلاع دی۔

"خوب......!"

"عورت نے انہیں طلب نہیں کیا تھا۔ یہ اتفاقاً ادھر نکل آئے تھے۔" حمید نے اضافہ کیا۔

"تیسری اہم ترین اطلاع فی الحال میں خود ہی محفوظ رکھوں گا۔" فریدی وکیل کی طرف دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"آپ لوگ مجھے کسی معاملے میں الجھانے کی کوشش کر رہے ہیں!" وکیل بول پڑا۔

"اب تمہارے لیے حوالات ہی مناسب رہے گی ورنہ تم بھی اسی طرح مار ڈالے جاؤ گے!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"کک.....کیا مطلب!"

"شاید تین سال پہلے کا کوئی واقعہ مجھے دہرانا پڑے گا.....مسٹر باری.....!"

"مم.....میں نہیں سمجھا!" وکیل پھر زرد پڑ گیا۔

"تم لاگریجویٹ نہیں ہو.....!" تین سال قبل مشرقی صوبے میں تم پر اس سلسلے میں مقدمہ چلا تھا اور تم وہاں سے فرار ہو کر ادھر چلے آئے تھے۔

"نن.....نہیں.....!"

"خود کو زیر حراست سمجھو مسٹر باری.....!"

وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس کی پیشانی پر ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد تار جام کا اسٹیشن انچارج اپنے چند ماتحتوں سمیت وہاں پہنچ گیا۔

ضابطے کی کارروائی کے بعد فریدی نے وکیل سے کہا۔ "آپ میرے ساتھ چلیں گے مسٹر باری.....!"

وہ کچھ نہ بولا.....ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

واپسی کا سفر خاموشی سے گزرا.....وکیل کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہیں ڈالی گئی تھیں۔ وہ حمید کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھا اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے دمے کا مریض ہو۔

آفس پہنچ کر.....فریدی نے ڈیوڈ کو طلب کیا۔ وہ آیا اور جیسے ہی وکیل پر نظر پڑی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

38

"بیٹھ جاؤ......" فریدی نے اس سے کہا اور وہ وکیل کو گھورتا ہوا بیٹھ گیا۔

"تمہارے لیے ایک بُری خبر ہے!"

"اس کے بعد!" وہ اپنی ہتھکڑیوں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "دنیا کی کوئی خبر میرے لیے بری نہیں ہو سکتی.....!"

"تمہاری بیوی قتل کر دی گئی!"

"نہیں....." وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہم تینوں کی موجودگی میں!" فریدی، حمید اور وکیل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

فریدی نے اسے بتایا کہ کس طرح ان کے وہاں پہنچنے پر گلوریا نے وکیل کو طلب کیا.....اور گفتگو کے دوران میں ایک بے آواز فائر کا نشانہ بن گئی تھی۔

"اب یہی شخص بتا سکے گا کہ اس کا قاتل کون ہے؟" ڈیوڈ وکیل کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

"میں نے غلط تو نہیں کہا تھا مسٹر باری!" فریدی نے وکیل کو مخاطب کیا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"وہ شاید نہ جانتی ہو.....لیکن یہ جانتا ہے کہ اس تجارت کی پشت پر کون ہے.....؟"

"گلوریا کو حقیقتاً اسی نے اس بزنس پر آمادہ کیا تھا۔"

"مم.....میں.....اس بزنس کا مالک نہیں!" وکیل ہکلایا۔

"میں نے تم پر ایسا کوئی الزام عائد نہیں کیا!" فریدی نرم لہجے میں بولا۔

"میں زبردستی اس میں جھونکا گیا تھا.....میں بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ اس نے مجھے بلیک میل کر کے اس گندے بزنس میں شریک کیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے!"

"اور گلوریا ڈیوڈ ہی اس بلیک میلنگ کے لیے میرے اور اس کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنی تھی.....یہ غلط ہے کہ میں نے اسے ورغلایا تھا۔"

"پوری کہانی مسٹر باری!" فریدی اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"مشرقی صوبے سے فرار ہو کر یہاں آیا تھا اور تہیہ کر لیا تھا کہ اب کوئی اور پیشہ اختیار

کروں گا.....نام بھی بدل دیا تھا۔''

''تمہارا اصل نام عبداللہ سعادت علی ہے....!''

''جی ہاں......! اچانک ایک دن گلوریا نے مجھے راہ چلتے روکا اور اس بلیک میلر کا
پہنچایا۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر اس کے کہنے پر میں نے عمل نہ کیا تو میرا راز فاش کر
جائے گا۔ بہرحال اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں وکالت ہی کا پیشہ جاری رکھوں۔ پریکٹس کا
کا اجازت نامہ بھی اسی نے فراہم کیا تھا۔''

''میں سمجھ گیا۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''اس وقت تم نے کسے اطلاع دی تھی کہ گلوریا
ڈیوڈ خطرے میں ہیں۔''

''میں نام نہیں جانتا......ایسے مواقع کیلئے مجھے ایک فون نمبر دیا گیا تھا۔''

''اس پر لکھ دو.....!'' فریدی نے کاغذ اور قلم اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

فون نمبر شہر ہی کا ثابت ہوا اور یہ فون اپر کلاس ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک بنگلے کا تھا۔
بنگلہ کا سرچ وارنٹ حاصل کر کے وہ ہاؤسنگ سوسائٹی کی طرف روانہ ہو گئے۔

''کیا وہ شخص چھلاوا تھا جس نے گلوریا پر فائر کیا تھا....!'' حمید بڑبڑایا۔

''مجھے خود بھی حیرت ہے کہ اتنی جلدی کہاں غائب ہو گیا تھا۔''

''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی عمارت میں گلوریا بالکل تنہا تھی۔ کوئی ملاز
بھی اس کے پاس نہ تھا۔''

''اس ٹائپ کے مجرم بہت محتاط ہوتے ہیں۔''

مطلوبہ بنگلے کے قریب فریدی نے گاڑی روکی۔ عمارت مختصر سی لیکن خوبصورت تھی اور
گیٹ مقفل تھا۔ گیٹ پر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر ''مس فوزیہ شیخ'' تحریر تھا۔

''بہت خوب!'' فریدی بڑبڑایا۔

مناسب کارروائی کے ساتھ گیٹ کا قفل توڑا گیا.....دو گواہ بھی موجود تھے۔

پہلی بات تو یہ نظر آئی کہ اس بنگلے میں سرے سے فون ہی موجود نہیں تھا..... پول سے
فون کی لائن بھی بنگلے تک نہیں آئی تھی۔

اور دوسری اہم بات یہ تھی کہ میک اپ کے سامان اور فرنیچر کے علاوہ وہاں اور کچھ بھی نہیں

بہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے سیاہ، سنہری اور براؤن زنانہ وِگوں کو گھورے جا رہا تھا۔

عجیب آدمی

ملزم ایڈووکیٹ باری نے جو فون نمبر دیا تھا وہ ٹیلیفون ڈائریکٹری میں اسی پتے کے
ہ موجود تھا لہٰذا اس سلسلے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ باری نے غلط بیانی سے کام لیا ہو گا۔
پڑوس کے دونوں گواہوں نے بتایا کہ بنگلہ زیادہ تر مقفل رہتا ہے۔ کبھی کبھی ایک معمر
رت وہاں آتی ہے کچھ دیر تک قیام کرتی ہے اور چلی جاتی ہے۔

''بے حد چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے!'' فریدی بڑبڑایا۔

''ظاہر ہے؟ اتنا بدھو ہرگز نہ ہو گا کہ آسانی سے پکڑا جا سکے!'' حمید بولا۔

''یہ مس فوزیہ شیخ مختلف قسم کے وِگ بھی استعمال کرتی ہے.....!''

''کیا تم اس لڑکی کے امکانات پر غور کر رہے ہو!''

''یہ سیاہ وِگ تو بالکل ویسی ہے جیسے اس لڑکی کے بال تھے......!''

''اور بے زبان لڑکی سنہرے بالوں والی تھی!'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اب بھی بھیم پورے والی کھولی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔
وہاں سے واپسی پر ٹیلی فون ایکسچینج سے رابطہ قائم کیا گیا لیکن بے سود، اس فون نمبر کا
یٹر صرف کالوں کے بارے میں بتا سکتا تھا اس جگہ کی نشاندہی نہیں کر سکتا تھا جہاں سے وہ
فون استعمال کیا جا رہا تھا۔

''کہیں! وہ انسٹرومنٹ ٹارجام ہی کے کسی مکان میں نہ موجود ہو!'' حمید نے اپنی رائے
ظاہر کی۔

''ہو سکتا ہے!'' فریدی آہستہ سے بولا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ گلوریا کے قتل نے اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا ہے۔ ظاہر ہے

کہ وہ قتل اسی کے سامنے ہوا تھا اور وہ قاتل پر ہاتھ نہیں ڈال سکا تھا۔

اچانک وہ اٹھا اور آفس سے باہر نکل گیا۔ حمید نے طویل سانس لی۔ فریدی
انداز سے بخوبی واقف تھا..... اب شاید تنہا ہی اس کیس کو نپٹانے کی کوشش کرے۔

حمید اب قطعی آزاد تھا لہٰذا اس نے بھیم پورے کی طرف دوڑ لگائی..... ترکاری
اٹھارویں کھولی تک پہنچنا کوئی دشوار کام نہیں تھا۔ لہٰذا اُسے اپنی گاڑی سڑک ہی پر چھو
پڑی تھی..... بھیم پورے کی گلیاں اتنی تنگ تھیں کہ تین آدمی برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔

اٹھارویں کھولی کے سامنے پہنچ کر وہ رک گیا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اب اسے
چاہیے۔ کس بہانے کھولی کے مکین سے ملے اور اُن سے کس قسم کی گفتگو کرے۔

دفعتاً دروازے سے ٹاٹ کا پردہ ہٹا اور ایک میلی کچیلی جوان العمر عورت نکل کر ا
طرف بڑھی۔

"آپ حمید صاحب ہیں.....!" اس نے پوچھا۔

"ہاں..... آں.....!"

اس نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے ایک لفافہ نکال کر دیتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے فوراً چلے جائیے!"

حمید نے لفافہ اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر جیب میں رکھا اور تیز رفتاری سے گلی کے
دوسرے سرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

پھر چکر کاٹ کر اپنی گاڑی تک پہنچا تھا..... گاڑی میں بیٹھ کر لفافہ چاک کیا لیکن اس
میں سے سادہ کاغذ کے علاوہ اور کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔

"کہیں اب اس کا دماغ تو نہیں چل گیا!" وہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

دل تو چاہا تھا کہ پھر ترکاری گلی کی طرف پلٹ جائے..... لیکن عورت کا چہرہ یاد آ گیا
جس میں خوفزدگی کا عنصر بھی شامل تھا۔

"جہنم میں جائے!" اس نے سر جھٹک کر گاڑی اسٹارٹ کی اور منزل کا تعین کیے بغیر
چل پڑا۔

اس بھاگ دوڑ میں دن کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوا تھا..... اور اب تو گویا بھوک مر گئی

لیکن چائے کی طلب نے جلد ہی اسے کسی اچھے ریستوران کی تلاش پر مجبور کر دیا۔ پھر
اسے محسوس ہوا جیسے اس کا تعاقب کیا جا رہا ہو۔ وہ ایک خستہ حال چھوٹی فیاٹ گاڑی
اسے ایک خستہ حال بوڑھا ڈرائیو کر رہا تھا۔

حمید نے اپنی گاڑی بالآخر ے پول ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں موڑ دی۔ فیاٹ بھی اُس کے
ی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔ حمید گاڑی پارک کر کے ڈائننگ ہال میں آیا لیکن وہ
ے کے داخلے سے بھی بے خبر نہیں تھا۔

ویسے اسے توقع نہیں تھی کہ وہ سیدھا اسی کی میز کی طرف آئے گا۔

"میں اجازت لیے بغیر تمہاری ہی میز پر بیٹھوں گا۔" بوڑھے نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
اس کے سر کے بال برف ہو رہے تھے لیکن اعضاء کی مضبوطی کی بناء پر عمر کا صحیح اندازہ
نا دشوار تھا۔ چہرے سے بھی خاصی توانائی ظاہر ہوتی تھی۔

"ضرور..... ضرور.....!" حمید نے سرد لہجے میں کہا۔

بوڑھا کرسی کھینچ کر اسکے سامنے بیٹھ گیا اس کی قمیض میلی تھی اور خاکی پتلون بھی کریز سے
بے نیاز تھی۔ وہ چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا "لاؤ..... وہ خط میرے حوالے کر دو.....!"

"کیسا خط.....!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"نکالو ورنہ ہڈیاں توڑ دوں گا..... بوڑھا نہ سمجھنا! تم جیسے بناسپتی جوانوں کے لیے اب
بھی کافی ہوں۔"

"میں بوڑھوں کا احترام کرتا ہوں، خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں!"

"میں خط مانگ رہا ہوں۔"

"آپ ہیں کون.....؟"

"تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے! نکالو خط.....!"

حمید اپنا سر سہلانے لگا..... سوچ رہا تھا کہ اس نامعقول لڑکی نے پھر کسی دشواری میں
لا..... خدا سمجھے۔

"کیا سن نہیں رہے.....!" بوڑھے نے پھر تقاضا کیا۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے! آپ بھی چائے پیجیے..... یا کافی پسند کریں گے!"

''دیکھو صاحبزادے مجھے غصہ نہ دلاؤ.....!''

''سوال تو یہ ہے کہ آپ کو کسی ایسے خط سے کیا سروکار جو میری ذات سے تعلق رکھے

''اپنی بدذات کہو.....!''

''کیا مطلب!'' حمید کی کھوپڑی پھر گرم ہوگئی۔

''اپنے طبقے کی سوسائٹی گرلز ہی تک محدود رہو!''

''بڑے میاں تم پتہ نہیں کیا سمجھ رہے ہو!''

دفعتاً حمید نے دیکھا کہ بے پول کا منیجر اس کی میز کی طرف دوڑا آرہا ہے۔

اس نے طویل سانس لی۔ اسے یقین تھا کہ اب یہ نامناسب لباس والا بوڑھا یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

لیکن یہ کیا.....؟ منیجر تو اسے جھک کر سلام کررہا تھا۔

''جاؤ تم اپنا کام دیکھو.....!'' بوڑھے نے جھنجھلا کر اس سے کہا۔

''کیا پیش کروں..... جناب.....!'' منیجر گھگھیایا۔

''کچھ نہیں.....جاؤ.....!''

منیجر چپ چاپ چلا گیا۔ حمید حیرت سے بوڑھے کو گھورے جارہا تھا۔

''نکالو خط.....!'' بوڑھا میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''دیکھئے جناب۔ آپ تہذیب کی حدود سے گزر رہے ہیں!''

''میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی تہذیب پر جو دوسروں کی عورتوں پر ڈاکے ڈلواتی ہو!''

''وہ کس کی عورت تھی.....!''

''میری.....! وہ میری بیوی تھی! لڑ جھگڑ کر علیحدہ ہوگئی ہے، لیکن میں اسے برداشت نہیں کرسکتا کہ وہ کسی اور سے تعلق قائم کرے۔ البتہ طلاق حاصل کرلینے کے بعد وہ قطعی آزاد ہوگی!''

''اتنی نوجوان عورت آپ کی بیوی ہے!''

''بکواس مت کرو..... تمہیں اس سے کیا سروکار!''

''اچھا تو سنیے.....وہ خط کسی اور کا ہے، جو آپ کی بیوی کے توسط سے مجھ تک پہنچا۔

سے قبل میں نے اس عورت کی شکل تک نہیں دیکھی تھی.....!''

''پیدا کرنے والے کی قسم کھا سکتے ہو!''

''گلے گلے..... پانی میں.....!''

''کھاؤ قسم.....!''

''قسم ہے پیدا کرنے والے کی جس عورت سے مجھے لفافہ ملا ہے میرے لیے قطعی اجنبی تھی!''

''اب اگر تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے تو تم خود بھگتو گے..... میں نے تو اعتبار کیا۔''

بوڑھے نے کہا اور اٹھ کر صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

حمید کاؤنٹر کی طرف لپکا، جہاں منیجر کھڑا تھا۔

''یہ بوڑھا کون تھا.....!'' اس نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

''آپ نہیں جانتے!'' منیجر نے حیرت سے کہا۔

''نہیں.....!''

''بہت بڑا آدمی ہے، شہباز تیموری!''

''اوہ.....!''

اور پھر اس نے صدر دروازے کی طرف دوڑ لگائی تھی۔

بوڑھا آدمی اپنی گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ اس نے اسے جالیا۔

''اب کیا ہے!'' وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

''میں معافی چاہتا ہوں جناب....!'' حمید بولا۔ ''مجھے آپ سے ملنے کا بیحد اشتیاق تھا!''

''اچھی بات ہے تو بیٹھ جاؤ.....میری گاڑی میں! اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو!''

''بہت بہتر!'' حمید نے کہا اور دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

''اب بتاؤ.....تم حقیقتاً کیا چاہتے ہو.....!'' بوڑھا کچھ دیر بعد بولا۔

''سیونتھ ہیون کی سیر کرنا چاہتا ہوں!''

''اوہ! لیکن کیوں.....؟''

''سنا ہے..... بڑی شاندار جگہ ہے.....!''

''احمقوں کی جنت.....!''

''کمال ہے! یہ آپ کہہ رہے ہیں.... یعنی اس کے خالق.....!''

''ہاں.... ہاں.... چلو دکھا دوں.... لیکن تم ہو کون.....؟''

''مم..... میں کرنل فریدی کا اسسٹنٹ ہوں....!''

''او ہو..... اب تم مجھے الجھن میں ڈال رہے ہو..... شاید تمہارا نام حمید ہے!''

''جی ہاں..... جی ہاں.....!''

''آخر للنی کے توسط سے تمہیں کون پیغام بھجوا سکتا ہے!''

''آپ یقین نہیں کریں گے.....!''

''نہیں..... کہو..... کہو.....!''

''یہ دیکھئے..... اس لفافے میں ایک سادہ کاغذ کے علاوہ اور کچھ نہیں!'' حمید نے لفافے سے سادہ کاغذ نکال کر دکھایا۔

''میں سمجھ گیا....!'' بوڑھا سر ہلا کر بولا۔

''کیا سمجھ گئے؟''

''پہلے تم بتاؤ کہ ترکاری گلی تک کس طرح پہنچے تھے!''

''ہمارا ایک نامعلوم انفارمر ہے، جو ہمیں فون پر مختلف قسم کی اطلاعات دیا کرتا ہے! آج صبح اس نے کہا تھا کہ اگر میں کھولی نمبر ۱۸ کے سامنے پہنچ جاؤں تو کچھ مفید معلومات حاصل ہوں گی۔ میں وہاں پہنچا اور کھولی سے وہ خاتون برآمد ہوئیں۔ مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ حمید صاحب ہیں.... میرے اعتراف پر لفافہ حوالے کر کے بولیں۔ فوراً یہاں سے چلے جاؤ....!''

''تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا..... اب میں تمہیں اس وقت سیونتھ ہیون میں نہیں لے جاؤں گا۔ پہلے میرے گھر چلو....!''

فریدی کے بیان کے مطابق یہ ''گھر'' دو کمروں کا کوارٹر ہی ثابت ہوا۔ جو غریب آدمیوں کی ایک چھوٹی بستی میں واقع تھا۔

''للنی سے اسی بات پر جھگڑا ہوا ہے کہ میں اسے اپنی کسی شاندار عمارت میں کیوں نہیں رکھتا.... اور خود یہاں کیوں پڑا ہوا ہوں.....!'' بوڑھے نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی اس پر حیرت ہے جناب!''

''میری مرضی.....! جو میرا دل چاہے گا کروں گا..... کسی کو اس سے کیا سروکار لیکن اس واقعے کے بعد سے سوچنا پڑا ہے کہ ان بدبختوں میں سے کوئی مجھے ذلیل کرنا چاہتا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا!''

''میرے پانچ بیٹے ہیں..... انہی میں سے کوئی..... وہ مجھے اس لیے گھٹیا سمجھنے لگے ہیں کہ میں نے ان کے لیے جنت تعمیر کرا دی ہے۔''

''گستاخی معاف..... آپ نے بھی تو کمال کر دیا ہے۔ کیا یہ محترمہ للنی آپ ہی کے طبقے کی کوئی خاتون ہیں۔''

''میرا کوئی طبقہ نہیں ہے.....! میں اس نظام کی شہ رگ ہوں! میرا سرمایہ لاکھوں کے لیے روزگار فراہم کرتا ہے اور بس....! مجھے اس پر شرمندگی ہے کہ میں نے ان نالائقوں کے لیے تزک و احتشام کے اسباب فراہم کیے..... مجھے شروع ہی سے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ ان لاکھوں آدمیوں کی محنت میرے لیے بھی دو وقت کی روٹیاں مہیا کر دیتی ہے..... وہ میرے محسن ہیں۔ ان کے مقابلے میں میری اولاد میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں!''

''آپ حیرت انگیز ہیں جناب!''

''چائے پیو گے یا کافی..... آج کل میں خود ہی باورچی خانہ سنبھالتا ہوں۔ میں اس سے بہتر حالت میں نہیں رہنا چاہتا جس میں میرے مزدور رہتے ہیں!''

''تکلیف نہ کیجیے۔''

''نہیں چائے تو پینی ہی پڑے گی۔ تم جب بھی مجھ سے ملنا چاہو مل سکتے ہو! صبح دس بجے سے ڈھائی بجے تک اپنے آفس میں ملتا ہوں اور اس کے بعد یہاں.... سیونتھ ہیون تم فریدی کے ساتھ بھی جا سکتے ہو! وہ محمود کے دوستوں میں سے ہے! دراصل اب میں وہاں قدم رکھنا بھی پسند نہیں کر سکتا.... اب وہ عمارت مجھے ٹھنڈا جہنم معلوم ہوتی ہے....! اندر داخل ہونے کے بعد تم خود بھی یہی محسوس کرو گے۔''

''ٹھنڈا جہنم کی بھی خوب رہی!''

''ہاں اس کے مکین یکسانیت اور بوریت کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں..... کاہل سست اور کا

چور ہیں! طرح طرح کے ذہنی امراض میں مبتلا ہو گئے ہیں لیکن اس کے باوجود اس
نہیں چھوڑ سکتے۔ بالکل اسی طرح جیسے جہنم سے نکلنا ناممکن ہوگا۔ عورتیں اپنے شوہر
نالاں ہیں لیکن ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں کہ اس ٹھنڈے جہنم سے نکلنا پڑے گا۔
دیکھا..... ذرا سے اختلاف پر مجھے چھوڑ گئی نا..... چھوڑ دے لیکن میں اسے اس جہنم
دھکیل سکتا۔ وہاں پہنچ کر وہ نلنی نہیں رہے گی، چیخنے اور کراہنے والی مشین بن جائے گی
جگہ بھی چیختی رہے گی۔ کھولی نمبر اٹھارہ کا رخ نہیں کر سکے گی اور میں اپنے دل میں اس
لیے تڑپ محسوس نہیں کروں گا!''

وہ بولتا رہا اور حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے سب کچھ سنتا رہا۔ اس کی بنائی ہوئی
چائے اسے پینی ہی پڑی تھی۔

اس سے بھی عجیب بات یہ تھی کہ اس نے مصر ہو کر حمید کو اپنی ہی گاڑی میں دوبارہ
پول ہوٹل تک پہنچایا تھا۔

رات ہوتے ہوتے وہ گھر پہنچ سکا۔ فریدی بھی کچھ دیر پہلے کہیں سے تھکا ہارا آیا تھا۔

''آپ باز نہ آئے ہوں گے.....!'' اس نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

''اور پھر ایک کہانی سنئے۔'' حمید فخریہ انداز میں مسکرایا۔

''کہانی بھی ہے.....!''

''جی ہاں.....! اور شاید میں اس نامعقول لڑکی کی وجہ سے کسی بڑی دشواری میں پڑنے
والا ہوں۔'' حمید نے کہا اور بھیم پورے والی روداد دہرانے لگا! فریدی بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا
لیکن کبھی کبھی اس کے چہرے پر جذباتی تغیر بھی نظر آتا۔

حمید کے خاموش ہونے پر بولا۔ ''تم سے ایک بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔''

''وہ کیا.....؟'' حمید کے جوش و خروش پر ٹھنڈا پانی پڑ گیا۔

''شہباز تیموری کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ لفافے میں سادہ کاغذ تھا۔ صرف اتنا
ہی کہہ دینا کافی ہوتا کہ کسی نے نلنی کے توسط سے تمہیں کوئی پیغام بھجوایا تھا شاید تم نے یہ بھی بتا
دیا ہو کہ پیغامبر کوئی لڑکی ہے۔''

''جی نہیں.....!''

''چلو غنیمت ہے!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''آخر وہ کیا چاہتی ہے؟''

''اس حرکت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے شہباز کو دیدہ دانستہ تمہارے پیچھے لگایا تھا۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ملازم نے کمرے میں داخل ہو کر کسی ملاقاتی کا کارڈ پیش کیا۔

''اوہو!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''آخر بڑے میاں تشریف لے ہی آئے۔''

''کون.....؟'' حمید چونک کر بولا۔

''شہباز..... تم یہیں ٹھہرو.....!''

فریدی کمرے سے چلا گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں نلنی کے سلسلے میں کوئی اسکینڈل نہ
بن گیا ہو..... آخر کیا چاہتی ہے..... وہ لڑکی.....!

تھوڑی دیر بعد ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ فریدی نے اسے ڈرائنگ روم میں
بلایا ہے۔

فریدی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی برس پڑا۔ ''میں تمہیں کئی بار سمجھا چکا ہوں
کہ نامعلوم انفارمرز کی اطلاعات پر آنکھیں بند کر کے نہ دوڑ جایا کرو۔''

''میں نے تو پہلے ہی تیموری صاحب سے معافی مانگ لی تھی۔'' حمید نے تیموری کی
طرف دیکھ کر سہم جانے کی ایکٹنگ کی۔

''نلنی غائب ہو گئی ہے میرے بیٹے.....!'' شہباز تیموری بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''اوہ.....! کب.....؟''

''تمہیں سے پول چھوڑ کر میں ادھر ہی گیا تھا۔ کھولی خالی پڑی تھی۔ اس کا سامان بھی
غائب تھا۔''

''قصہ دراصل یہ ہے جناب!'' حمید کے کچھ بولنے سے قبل فریدی بول پڑا۔

''قصور حمید کا بھی نہیں ہے! اس نامعلوم انفارمر نے اسی دوران میں کئی بہت سچی
اطلاعات ہم تک پہنچائی تھیں۔ مثال کے طور پر آپ نے اخبارات میں کیفے دارا کے چھاپے
سے متعلق پڑھا ہوگا۔''

''ہاں..... ہاں..... شاید کچھ غیر قانونی منشیات کے بارے میں!''

''جی ہاں! اسی نامعلوم انفارمر نے ہمیں مطلع کیا تھا کہ وہاں منشیات کی ایک بہت بڑی کھیپ پہنچنے والی ہے۔''

''اچھا......!'' تیموری کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''لیکن...... نلنی...... بھلا نلنی کو کسی ایسے معاملے سے کیا سروکار...... خدا کی پناہ...... کیا میرے گرد کوئی جال بُنا جا رہا ہے...... یقیناً بات ہے...... اس لفافے میں سادہ کاغذ تھا...... حمید صاحب؟''

''جی ہاں...... آپ نے دیکھا ہی تھا!''

''خدا مجھ پر رحم کرے...... اس شہر کے دوسرے کاروباری میرے دشمن ہیں! کیونکہ میرے ملوں کے مزدوروں کو تنخواہوں کے علاوہ کئی الاؤنسز بھی دیئے جاتے ہیں جن کا انحصار میری مرضی پر ہے۔''

''میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں......!'' فریدی بولا۔

''لیکن میں کیا کروں......!'' بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''شہر کا کونہ کونہ چھان مارا جائے گا......! کیا آپ کسی کے خلاف شبہے کا اظہار کرنا پسند فرمائیں گے۔''

''کس کا نام لوں...... مجھے تو میری اولادیں تک ناپسند کرتی ہیں...... لیکن میں فرعونوں کی طرح نہیں مرنا چاہتا۔''

''آپ بےفکر رہیں...... جب تک محترمہ نلنی کا سراغ نہیں ملے گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ ان کی کوئی تصویر مل جائے گی؟''

''ہر وقت پاس رکھتا ہوں۔'' بوڑھے نے جیب سے پرس نکالتے ہوئے کہا۔ پھر اسی پرس کے ایک خانے سے نلنی کی تصویر برآمد ہوئی۔

''لیکن یہ کام بہت خاموشی سے ہونا چاہئے۔'' بوڑھے نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ میرے بیٹوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع ملے!''

''آپ مطمئن رہئے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے گی۔''

پھر بوڑھے کے چلے جانے کے بعد فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا تھا۔ ''یہ بیماری کسی عمر میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

حمید نے لہک کر شعر پڑھا۔

بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

''کبھی کبھی سے کیا مراد ہے؟'' شعر پڑھ کر اس نے فریدی سے پوچھا۔

''کان نہ کھاؤ۔''

''علامہ اقبال کا شعر ہے!''

''انہیں سے پوچھو جا کر......!''

''میں بتاتا ہوں......! اتنے بزرگ آدمی تھے صاف صاف کیا کہتے! کبھی کبھی سے مراد ہے جب کوئی عورت قریب ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی مفہوم نہیں اس کبھی کبھی کا......!''

''عورت کے بچے خاموش رہو!''

''نہ عورت خاموش رہ سکتی ہے اور نہ اس کا بچہ! ایک کان کھاتی ہے اور دوسرا حلق پھاڑتا ہے۔ آواز کے علاوہ اور کیا رکھا ہے دنیا میں۔''

''نلنی کا کیا ہوگا......؟ ان بڑے میاں کی افتادِ طبع آئے دن طرح طرح کے گل کھلاتی جا رہی ہے!''

''سوال تو یہ ہے کہ آپ نے انفارمر کے سلسلے میں غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا۔''

''غلط بیانی سے کیا مراد ہے تمہاری؟''

''وہ مرد تو نہیں ہے!''

''میں نے کب کہا تھا کہ وہ مرد ہے! انفارمر مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی صرف وضاحت نہیں کی تھی اور وضاحت نہ کرنا غلط بیانی نہیں کہلاتا۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ اس بوڑھے پر شبہ کر رہے ہیں!''

''شبہ اسی صورت میں کر سکتا ہوں جب یہ ثابت ہو جائے کہ نلنی کے غائب ہو جانے میں اسی کا ہاتھ ہے!''

''میں تو اکتا گیا ہوں ان معاملات سے!'' حمید جماہی لے کر بولا۔ ''اُس فون نمبر کے سلسلے میں کیا ہوا؟''

"ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نمبر کا انسٹرومنٹ کہاں ہے!"

"کیا اب پھر کہیں جانا ہوگا!"

"فی الحال تو ارادہ نہیں ہے!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "صرف دو گھنٹے کی نیند کا خواہشمند ہوں......!"

"جایئے! میں ابھی جاگ رہا ہوں۔"

فریدی اپنی خواب گاہ میں چلا گیا اور حمید نے ڈائننگ روم کی راہ لی۔

آج وہ بڑی الجھن میں مبتلا تھا۔ لڑکی کی وجہ سے خاصی چوٹ ہوئی تھی۔ خواہ مخواہ ایک سادہ لوح بوڑھے کی نظروں میں خوار ہوا تھا لیکن کیا وہ سچ مچ یہی چاہتی تھی کہ بوڑھا اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ آخر کیوں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ اس واقعے کے بعد خود بوڑھے ہی نے نلنی کو منظر عام سے ہٹا دیا ہو...... پھر یک بیک اسے اپنے اس انداز فکر پر ہنسی آ گئی۔ کیا نلنی ہی کے توسط سے وہ اس لڑکی کے بارے میں معلومات نہ حاصل کر سکتا؟ لہٰذا یہ کیوں نہ سوچا جائے کہ نلنی سے کام نکالنے کے بعد خود اسی لڑکی نے نلنی کو غائب کر دیا ہو۔

کھانے کی میز پر کیا تھا وہ اس وقت اس طرف دھیان نہ دے سکا۔ اس پر خیالات کی یلغار ہو رہی تھی۔

"فون پر آپ کی کال ہے!" دفعتاً ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی۔

"عورت ہے کوئی......!"

"جی ہاں......!"

اس نے ہاتھ صاف کئے بغیر میز چھوڑ دی۔

ڈرائنگ روم میں آیا اور ریسیور اٹھا کر پُرتفکر لہجے میں کال ریسیو کی۔

"بہت بجھے بجھے سے لگ رہے ہو!" لڑکی کی آواز آئی۔

"تمہاری وجہ سے بہت پریشانی اٹھائی ہے۔"

"شاید میری ہی وجہ سے سکھ بھی اٹھاؤ۔"

"تو پھر بلواؤں کسی قاضی کو......!" حمید نے چہک کر پوچھا۔

"فضول باتیں مت کرو...... نلنی محفوظ ہے!"

"تو میرا یہ خیال غلط نہیں تھا کہ وہ تمہاری ہی تحویل میں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ...ے بوڑھے نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ بہرحال میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتا کہ ...مجھے بوڑھے سے الجھانا چاہتی تھیں۔"

"میری بات غور سے سنو!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اپنے چیف سے کہہ دو! اگر ...ئی بھیڑیا نظر آئے تو اس کی کھال اتارنے کی کوشش ضرور کریں۔"

پھر حمید "ہیلو۔ ہیلو" ہی کرتا رہ گیا تھا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تھی۔

چیخ اور سناٹا

دوسری صبح ناشتے کی میز پر حمید نے فریدی کو پچھلی رات والی فون کال کے بارے میں بتایا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ سر ہلا کر بولا۔ "اس کی رہنمائی ...ے قبل ہی میں بھیڑیئے تک پہنچ چکا ہوں...... لیکن لاحاصل۔"

"میں نہیں سمجھا!"

"اس میں شک نہیں ہے کہ اُس عورت ہی نے ہمیں اس راہ پر ڈالا ہے لیکن اصل مجرم ...رسائی اور بات ہے۔"

"اوہو...... تو پھر...... بھیڑیا کون ہے؟"

"بھیڑیا...... بھیڑیا ہے......!"

"اور میں چونکہ بھیڑیا نہیں ہوں اس لیے الّو کا پٹھا ہوں!" حمید بھنا کر بولا۔

"خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو! اس کے کہنے کے مطابق اب اگر کوئی بھیڑیا ملا تو کھال بھی ...ار کر دکھا دوں گا......!"

حمید کچھ نہ بولا...... وہ تو صرف اُسی لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ اس کیس ...ں اس لڑکی کے علاوہ اور رکھا بھی کیا تھا! منشیات کی ناجائز تجارت کوئی نیا واقعہ نہ تھا۔ رہ گئیں

وہ لاشیں تو وہ بھی اس شہر غدار کے لیے انہونیوں میں سے نہیں تھیں۔ روزانہ دو چار تو یونہی
مخواہ ٹریفک کے حادثات ہی کی نذر ہو جایا کرتے تھے۔

"چلو آج تمہیں ٹھنڈے جہنم کی سیر بھی کرا دوں!" فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

"کیا وہ گیارہ عدد ہر وقت وہیں موجود رہتی ہیں۔"

"بکواس مت کرو.....!"

"ان گیارہ عدد کے علاوہ مجھے وہاں کی کسی اور چیز سے کوئی دلچسپی نہیں!"

"دادا بھی دلچسپی کی چیز ہے لیکن وہ اس عمارت سے تعلق نہیں رکھتا.....!"

"صبح چار بجے بھی اس کی کال آئی تھی.....!"

"ٹلنی ملی یا نہیں!"

"نہیں.....!"

"کمال کا آدمی ہے..... میرا دل چاہتا ہے کہ کچھ دن اسی کے چکر میں گزار دوں!"

"کیا مطلب.....!"

"مزید کچھ عورتوں سے اس کا تعارف کراؤں.....!"

"حمید صاحب کبھی اس کے دفاتر کی طرف بھی جانا ہوا ہے.....!"

"نہیں..... تو.....!"

"درجنوں خوب صورت عورتیں..... آپ کو مختلف عہدوں پر نظر آئیں گی!"

"تو پھر یہ..... ٹلنی والا گھٹیا پن.....!"

"اپنا اپنا معیار ہے..... تم اسے گھٹیا پن نہیں کہہ سکتے جس طبقے میں وہ زندگی بسر کر رہا
ہے اسی کی مناسبت سے.....!"

دفعتاً وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

حمید نے استفہامیہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔

"کچھ نہیں!" فریدی بڑبڑایا۔ "ناشتہ ختم کرنے میں جلدی کرو.....!"

"کوئی خاص بات.....!"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پُر تفکر انداز میں سگار کا گوشہ توڑ رہا تھا۔

ناشتہ ختم کر کے حمید اٹھنے لگا تو اس نے کہا۔ "ایک وائر ریکارڈر بھی رکھ لینا.....!"

"کک..... کیا مطلب.....!"

"ساری لڑکیوں کی آوازیں ریکارڈ کرنی ہیں..... اس طرح کہ کسی کو احساس نہ ہونے
ے.....!"

"کیا میں صرف احکامات بجا لانے کی مشین ہوں!" حمید پھر بھنا گیا۔

"چلو..... چلو.....!" فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ "میرا یہ خیال غلط تھا کہ وہ لڑکی
واز بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی.....!"

"اوہو..... تو کیا ان گیارہ لڑکیوں میں سے.....!"

"دیکھ لینے میں کیا حرج ہے..... بدلی ہوئی آواز کا ریکارڈ بھی ہمارے پاس موجود
ہے..... ٹسٹ کر لیں گے.....!"

ٹھیک اُسی وقت ملازم نے ڈائننگ روم میں داخل ہو کر کسی فون کال کی اطلاع دی۔

"عورت تو نہیں ہے!" حمید نے پوچھا لیکن نفی میں جواب پا کر بُرا سا منہ بناتے ہوئے
بہ گاہ کی طرف چل پڑا۔ فریدی سٹنگ روم میں چلا گیا۔

حمید وائر ریکارڈر لے کر واپس آیا تو فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار
ئی جسے وہ کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

"چلو..... خاصا ہنگامہ رہے گا!" فریدی نے اس کے ہاتھ سے وائر ریکارڈر لیتے ہوئے
کہا۔ "بوڑھے کا فون تھا! وہ اس وقت اپنے ٹھنڈے جہنم میں موجود ہے اور اس کی خواہش
ہے کہ ہم وہاں پہنچ جائیں۔"

"وہ تو کہتا تھا کہ وہاں قدم رکھنا بھی اسے گوارا نہیں!"

"چلو دیکھتے ہیں.....!"

سیونتھ ہیون کے پھاٹک پر دو مسلح پہریداروں نے ان کا استقبال کیا۔ شاید انہیں پہلے
ے ان کے بارے میں ہدایات دے دی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے ان کی رہنمائی
دروازے تک کی تھی اور تیسرا جو وہیں موجود تھا انہیں اندر لے چلا۔

اندر قدم رکھتے ہی ہلکی سی موسیقی ذہنوں کو گدگدانے لگی تھی۔

ہر جگہ یکساں آواز..... کہیں پر بھی فاصلے کا احساس نہ ہو سکا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے درودیوار سے موسیقی کی لہریں خارج ہو رہی ہوں۔ پوری عمارت ائرکنڈیشنڈ ثابت ہوئی..... ایک مخصوص قسم کی خوشبو چاروں طرف چکراتی پھر رہی تھی۔

باوردی ملازم انہیں ایک بڑے ہال میں لایا۔ یہاں کی آرائش دیکھ کر حمید کی آنکھیں کھل گئیں۔

پورے ہال میں ایک ہی قالین بچھا ہوا تھا۔ قالین بھی ایسا جس میں پیر دھنستے محسوس ہوتے تھے! پھر فرنیچر کا کیا کہنا.....؟

ہال میں پانچ آدمی نظر آئے۔ بوڑھا شہباز تیموری، تین گول مٹول سے آدمی..... چوتھا جوان تینوں سے چھوٹا معلوم ہوتا تھا۔ گٹھیلے جسم کا قد آور آدمی تھا۔

انہیں دیکھ کر وہ اٹھے تھے اور بوڑھا خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے پھر بیٹھ گیا تھا۔

حمید نے محسوس کیا کہ ان میں سے ایک آدمی اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا ہے وہی، جو دوسرے افراد کے مقابلے میں صحت مند اور توانا معلوم ہوتا تھا۔

تعارف ہوا..... یہ چاروں شہباز تیموری کے بیٹے تھے۔

پہلا گول مٹول سجاد تیموری تھا۔ دوسرا آصف تیموری، تیسرا بابر تیموری اور چوتھا تناسب جسم والا جمشید تیموری تھا..... حمید پانچویں کے بارے میں سوچنے لگا جو، ان میں موجود نہ تھا..... فریدی کا دوست محمود تیموری۔

ٹھیک اُسی وقت فریدی نے بوڑھے سے پوچھا۔ ''کیا محمود نہیں ہیں!''

''وہ پچھلی رات یو۔ کے فلائی کر گیا۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

''فرمایئے.....! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں!'' فریدی نے پانچویں پر اچٹتی سی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''کیپٹن حمید کیا وہ سادہ کاغذ اور لفافہ محفوظ ہے!'' بوڑھے نے حمید سے سوال کیا۔

''جی ہاں.....!''

''ان پر انگلیوں کے نشانات ضرور ہوں گے!''

''یقیناً ہیں!'' حمید کے جواب دینے سے پہلے فریدی بول پڑا۔

''میں چاہتا ہوں کہ چاروں کے فنگر پرنٹ لے لیے جائیں!'' بوڑھے نے اپنے بیٹوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

تینوں گول مٹول آدمی تو خاموش رہے لیکن چوتھا اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ ناممکن ہے!'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''جمشید بیٹھ جاؤ!'' بوڑھا غرایا۔

''آپ ہماری توہین کر رہے ہیں!''

''بیٹھ جا!'' بوڑھا پیر پٹخ کر دہاڑا۔

''ہرگز نہیں.....! میں جا رہا ہوں اور آئندہ کبھی ادھر کا رخ بھی نہیں کروں گا۔''

''دیکھ پچھتائے گا!''

''لعنت ہے پچھتانے والے پر..... آپ آخر مجھے کیا سمجھتے ہیں؟''

''بیٹھ جاؤ..... بیٹھ جاؤ.....!'' تینوں گول مٹول خوفزدہ لہجے میں بولے۔

''آپ لوگ بے حس اور ذلیل ہیں..... میں نہیں ہوں!'' جمشید نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

اکتا دینے والی موسیقی اب بھی ہال میں گونج رہی تھی اور حمید ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے کسی فلم کی پس منظر موسیقی ڈرامے کے لمحات گزر جانے کے بعد ڈھیلی پڑ گئی ہو۔

وہ سب خاموش تھے۔ بوڑھے کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور اس کے تینوں بیٹے بے حد خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً جمشید پھر ہال میں داخل ہوا اور حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ شخص اول درجے کا جھوٹا ہے!''

''وہ کس طرح جناب!'' حمید نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

''تم خود ہی اس حرکت کے ذمہ دار ہو.....!''

''ثابت کرو.....!'' بوڑھا غرایا۔

''شہر میں کون نہیں جانتا کہ کیپٹن حمید عورتوں کے پیچھے دُم ہلاتا پھرتا ہے۔''

''مجھے تو شہر میں ایک بھی دُم دار عورت نظر نہیں آئی۔''

''میں تمہیں دیکھوں گا!''

''گٹ آؤٹ!'' بوڑھا حلق پھاڑ کر چیخا۔

''نہیں....نہیں! یہ زیادتی ہے....!'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔ ''خود کو قابو میں
جناب....جمشید میاں آپ بیٹھ جائیے!''

''شکریہ!'' وہ تلخ لہجے میں بولا۔ ''میں سب سمجھتا ہوں! میں فنکر پرنس ہرگز نہیں ہوں

''اس کی ضرورت نہیں!'' فریدی کا لہجہ بدستور نرم تھا۔

موسیقی کی یکسانیت حمید کو بری طرح کھل رہی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ یہاں سے
بھاگے کسی میوزیکل کلاک کے الارم کی طرح بس ایک ہی دھن بجے جا رہی تھی۔ نہ ا
چڑھاؤ نہ کسی قسم کی دوسری تبدیلی۔

جمشید فریدی کے کہنے پر بھی نہیں بیٹھا تھا۔ بوڑھا اس سب سے منہ موڑے پتہ نہیں کیا
سوچ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے شدید ترین تلخی نمایاں تھی۔

دفعتاً فریدی اسے مخاطب کر کے بولا۔ ''اگر آپ محترمہ تلنی کی بازیابی ہمارے توسط
چاہتے ہیں تو ایک رپورٹ لکھ کر مجھے دیجیے....! ان سب باتوں سے کوئی فائدہ نہیں خواہ
خاندانی زندگی میں کیوں تلخیاں پیدا ہوں۔''

''اچھا....اچھا....!'' بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔ ''لیکن یہ اب اس عمارت میں نہیں رہ سکتا!''
اس نے جمشید کی طرف اشارہ کیا تھا۔

جمشید پھر تیزی سے نکاسی کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس بار فریدی نے حمید کو اس
کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا تھا اور یہ اشارہ بڑی حد تک معنی خیز بھی تھا۔

جمشید نے کچھ دیر پہلے حمید کی توہین کی تھی اس لیے اس نے حکم کی تعمیل میں بڑی پھرتی
دکھائی۔ جلد از جلد اس سے الجھنے کا بہانہ تلاش کرنا چاہتا تھا۔ ہال سے نکلتے ہی اس نے اسے جا لیا۔

''کیا بات ہے!'' جمشید بھنا کر پلٹ پڑا۔

''تم نے مجھ پر ایک الزام لگایا ہے....دوست....!'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''تو کیا میں نے آپ کے بارے میں غلط کہا تھا۔''

''میلی کچیلی گندی عورتیں میری مشغولیات میں شامل نہیں ہیں.... بہت ہی آرٹسٹک

رکھتا ہوں....!''

''جہنم میں جاؤ....!'' وہ کہتا ہوا آگے بڑھ جانے کے لیے مڑا۔

''ٹھہرو دوست....میں بھی جہنم سے نکلنا چاہتا ہوں....ساتھ لیتے چلو!''

''کیا مطلب....!'' وہ دوبارہ مڑ کر حمید کو گھورنے لگا۔

''تم لوگ یہاں کس طرح زندہ ہو مجھے اس پر حیرت ہے....! خدا کی پناہ یہ موسیقی
پانچ منٹ ہی میں دماغ کی چولیں ڈھیلی کر سکتی ہے!''

دفعتاً جمشید تیموری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا۔
کے....چلو میرے ساتھ۔ میں اس سلسلے میں تم سے کچھ گفتگو بھی کرنا چاہتا ہوں....!''

وہ دونوں باہر آئے اور جمشید نے حمید کے لیے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔
میں اس وقت غصے میں تھا۔ تم خود سوچو اگر کوئی باپ اپنے بیٹوں پر اپنی داشتہ کے اغوا کا
ام لگائے تو....!''

''ٹھیک ہے! ٹھیک ہے! میں سمجھتا ہوں.... اسی لیے میں نے بات نہیں بڑھائی
!'' حمید نے اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ جمشید گھوم کر دوسری طرف اسٹیرنگ کے
نے جا بیٹھا۔

گاڑی کمپاؤنڈ سے نکلی....! حمید کنکھیوں سے جمشید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''مگر
ی صاحب تو کہہ رہے تھے کہ تلنی منکوحہ ہے!''

''خدا جانے....!'' جمشید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''عمر کی زیادتی نے ان کا ذہن
ن کر دیا ہے!''

چند لمحے خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔ ''انہوں نے اس سلسلے میں کسی نامعلوم انفارمر کی
بانی بھی سنائی تھی۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔''

''تم لوگوں نے اس کی آواز ریکارڈ کرنے کی کوشش ضروری کی ہوگی!''

''ظاہر ہے!''

''میں اسے سننا چاہتا ہوں!''

''سنوا دوں گا..... ٹیپ کرنل صاحب کی تحویل میں ہے ان سے کہوں گا.....
بات سمجھ میں نہیں آتی۔''

''کیا بات.....!''

''کل رات تیموری صاحب نے درخواست کی تھی کہ تلنی کی تلاش کا کام خاموشی
جائے ورنہ آپ لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملے گا لیکن پھر خود ہی آپ لوگوں کو بھی ملوث کر بیٹھ

''میں نے کہہ دیا نا کہ ان کی ذہنی حالت مشکوک ہے..... اور مجھے یہ کہتے ہوئے
محسوس نہیں ہوتی کہ انہوں نے ایک خاص مقصد کے تحت یہ طرز زندگی اپنایا ہے!''

''خاص مقصد کے تحت!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں..... تاکہ نچلے طبقہ کی عورتوں پر زیادہ سے زیادہ ہاتھ صاف کیا جاسکے!''

''خدا کی پناہ.....!''

''کہاں اترو گے!'' اس نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''اپنے دفتر کے قریب..... تو پھر اب تم سے کہاں ملاقات ہو سکے گی! مطلب یہ ہے
اگر کرنل صاحب تمہیں ریکارڈ کی ہوئی آواز سنانے پر آمادہ ہو جائیں تو تم سے کس طرح را
قائم کیا جائے.....!''

''تھری او تھری سکس ایٹ پر رنگ کر لینا.....!''

پھر وہ حمید کو اس کے دفتر کے قریب گاڑی سے اتار کر چلا گیا تھا۔

''جہنم میں جاؤ!'' حمید دور ہوتی ہوئی گاڑی کو گھورتا ہوا بڑبڑایا۔

ایک گھنٹے بعد فریدی بھی واپس آ گیا تھا..... حمید آرام کرسی پر نیم دراز اختر شیرانی کی
نظموں سے جی بہلا رہا تھا۔

''کیا رہی؟'' اس نے حمید کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''یہی وادی ہے اے ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی.....!''

''کیا بکواس ہے.....!''

''اوہ.....!'' حمید چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

''میں نے تمہیں کئی بار تنبیہ کی ہے کہ شعراء کرام کو دفتر نہ لایا کرو۔''

''سوری۔'' کہہ کر حمید نے مجموعہ کلام میز کی دراز میں رکھ دیا اور پھر بولا۔ ''وہ انفارمر کا
ٹیپ سننے پر مصر ہے.....!''

''گڈ!'' فریدی چٹکی بجا کر بولا۔ ''اور کچھ.....؟''

''بوڑھے کو برا بھلا کہہ رہا تھا.....!''

''قدرتی بات ہے!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''کیا واقعی تلنی بوڑھے کی داشتہ ہے!''

''بکواس ہے! کیا جمشید نے یہ اطلاع دی ہے!''

''جی ہاں.....!''

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ حمید کچھ دیر بعد بولا۔ ''اس نے فون نمبر دیئے ہیں۔ اگر
آپ اسے ٹیپ سنوانے پر آمادہ ہوں تو اسے مطلع کر دیا جائے۔''

''تم اسے چار بجے رنگ کر سکتے ہو!'' فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

''تو کیا سچ مچ.....!''

''وہ کسی مرد کی آواز ہو گی..... تم فکر نہ کرو.....!''

''ان تینوں گول مٹول اولادوں کا کیا رویہ تھا.....!''

''کچھ بھی نہیں! سب کچھ خاموشی سے سنتے رہے تھے.....!''

''اور وہ گیارہ عدد لڑکیاں..... ان میں سے تو کسی کی بھی شکل نہیں دکھائی دی تھی.....!''

''سب باہر تھیں.....!''

''میں پوری عمارت بھی نہ دیکھ سکا!''

''لیکن میں نے تو تمہاری آنکھوں میں اکتاہٹ کے آثار دیکھے تھے!'' فریدی بولا۔

''وہ موسیقی مجھے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی..... آخر وہ بند کس طرح ہوتی!''

''جب صدر دروازہ مقفل کیا جاتا ہے..... بس پوری عمارت کو ایک بہت بڑا برقی کھلونا
سمجھ لو..... بھانت بھانت کے عجائبات نظر آئیں گے۔''

''بوڑھا میری سمجھ سے باہر ہے!''

فریدی مسکرا کر رہ گیا کچھ بولا نہیں..... حمید اسے جواب طلب نظروں سے دیکھے جا رہا

تھا۔ بالآخر بولا۔ ''کیا بوڑھے پر شبہ کیا جا سکتا ہے!''

''فی الحال کوئی بھی شبہ سے بالاتر نہیں ہے!''

اسی شام کو چار بجے حمید نے جمشید سے فون پر رابطہ قائم کر کے اطلاع دی کہ انفارمر کی آواز کا ٹیپ سنایا جا سکتا ہے! فریدی نے ٹیپ ریکارڈر اس کے حوالے کر دیا تھا۔

جمشید نے حمید کو بتایا کہ وہ پندرہ منٹ بعد آرلکچو میں مل سکے گا۔

آرلکچو سے اٹھ کر وہ دونوں ایک پبلک پارک میں پہنچے تھے اور حمید نے گاڑی ہی میں بیٹھے بیٹھے اسے ٹیپ سنایا تھا۔

''سوال تو یہ ہے کہ تلنی...... کیوں......؟ وہ کیوں استعمال کی گئی۔'' جمشید پُرتفکر لہجے میں بڑبڑایا۔

''کیا یہ آواز تمہارے لیے کوئی اہمیت رکھتی ہے!'' حمید نے سوال کیا۔

''قطعی نہیں!'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''میرے لیے بالکل اجنبی ہے اور اصل قصہ یہ ہے کیپٹن حمید کہ ہمارے کچھ کاروباری حریف ہمیں نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تلنی انہی میں سے کسی کی آلۂ کار بنی ہو۔ ذرا ایک بار پھر تو سنوانا ٹیپ!''

حمید نے دوبارہ ٹیپ چلایا...... جمشید بہت غور سے سن رہا تھا۔ حمید نے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھی لیکن اسے انہماک کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

''دشواری تو یہ ہے کہ آپ لوگ کسی کے خلاف شبہ بھی تو ظاہر نہیں کر رہے!'' حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

اس پر جمشید تلخ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''قبلہ والد صاحب نے ہم لوگوں کے خلاف شبہ ظاہر تو کر دیا تھا...... کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے احتجاجاً سیونتھ ہیون سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہے۔''

''مجھے اس ٹریجڈی پر افسوس ہے......!''

''اور مجھے اس پر حیرت ہے کہ تم لوگ بھی انفارمر کی آواز نہیں پہچانتے۔'' جمشید بولا۔

''تم اس طرح کہہ رہے ہو جیسے تم نے پہچان لی ہو۔''

''جب تم جیسے ماہر لوگ نہیں پہچان سکے تو میں بیچارہ کس شمار میں ہوں!''

''میں تمہارے بھائی محمود تیموری سے کبھی نہیں ملا وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔''

''بے حد سعادت مند......! والد صاحب کے بے حد فرمانبردار...... دن کو رات اور رات کو دن کہہ دیں۔ اُن کی خوشی کی خاطر......!''

''ایسے لوگ چھپے رستم ہوتے ہیں!'' حمید بولا۔ ''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ ملک میں نہیں ہیں۔''

''میں کچھ نہیں جانتا!'' وہ بیزاری سے بولا۔ ''مجھے کسی میں دلچسپی نہیں رہی!''

''آپ کے متعلقین تو سیونتھ ہیون ہی میں رہ گئے ہیں!''

''کون سے متعلقین......؟''

''مطلب یہ کہ آپ کے بیوی بچے......!''

جمشید ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ ''میرا کوئی نہیں ہے! میں بالکل تنہا ہوں...... ورنہ اتنی آسانی سے اس جہنم سے چھٹکارا نہ ملتا......!''

''حیرت ہے کہ تم بھی اسے جہنم سمجھتے ہو!''

جمشید کچھ نہ بولا...... اس کے چہرے پر بیزاری کے علاوہ اور کسی قسم کا تاثر نہیں تھا۔

''اچھا...... کیپٹن حمید...... شکریہ......!'' اس نے کچھ دیر بعد کہا اور حمید کی گاڑی سے اتر کر اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

اسکے چلے جانے کے بعد بھی حمید نے اپنی گاڑی وہیں روکے رکھی۔ دن بھر کی تپش کے بعد موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ پارک کی کھلی فضا میں کچھ دیر ٹھہر کر دن بھر کی تھکن اتارنا چاہتا تھا۔

دفعتاً وہ لڑکی یاد آ گئی جس کے پھیلائے ہوئے کھڑاگ نے یہاں تک پہنچا دیا تھا۔ آخر وہ کیا چاہتی تھی۔ اگر یہ منشیات کی تجارت کرنے والے دو مخالف گروہوں کا ٹکراؤ تھا تو پھر اس نے بوڑھے شہباز تیموری کو اس میں کیوں ملوث کرنے کی کوشش کی تھی۔

تو پھر کیا سچ مچ بوڑھا شہباز ہی......! شہباز جو اپنی انسان دوستی کے جھنڈے گاڑتا پھر رہا ہے...... ایسے ہی کسی گروہ کا سربراہ بھی ہے، سب کچھ ممکن ہے! یہاں کیا نہیں ہوتا۔

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گھر کی طرف چل پڑا...... ذہن نے شہباز سے، پھر اسی لڑکی کی طرف چھلانگ لگائی...... تو پھر وہ شہباز ہی کے گھرانے کی کوئی لڑکی ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اسے وہ شام بھی یاد آئی جب وہ ایک گونگی لڑکی کے روپ میں سیونتھ ہیون کی کمپاؤنڈ

سے برآمد ہوئی تھی...... تو گویا شروع ہی سے وہ ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتی رہی تھی۔

گھر پہنچ کر فریدی سے ملاقات نہ ہوسکی۔ اس نے سوچا کہیں اس دوران میں اس کی ٹیلیفون کال نہ آئی ہو لیکن ملازموں سے دریافت کرنے پر مایوسی ہوئی۔ ذہن کی جو کیفیت ہوئی تھی اسے مایوسی ہی کہنا چاہیے کیونکہ اسے اس کی کال کا انتظار رہتا تھا۔

چائے کے دوران میں اچانک اس کی یہ آرزو پوری ہوگئی۔ پیالی ہاتھ میں لیے ڈرائنگ روم تک دوڑا چلا آیا۔

دوسری طرف وہی لڑکی تھی۔ کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ''کہو دوست کیا حال ہیں...!''

''تم نے بڑی مصیبت میں پھنسا دیا ہے! بوڑھا میری جان کو آ گیا ہے!''

''پھر اسے کیا بتایا......!''

''سچی بات بتانا میرے پیشے کے منافی ہے......! تم بتاؤ آخر تمہارا گروہ اس گروہ کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے......؟''

''کہاں کی ہانک رہے ہو پیارے دوست......!''

''ایک بار پھر کہو!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''کیا کہوں......؟''

''پیارے دوست!'' آج تک کسی لڑکی نے اتنے پیار سے مخاطب نہیں کیا۔ جواب میں پھر کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی تھی۔

''کہو نا...... ایک بار پھر کہو......!''

''شاید کسی دوسرے انسٹرومنٹ پر میرے نمبر ڈکٹ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔''

''ہرگز نہیں!'' حمید بولا۔ ''میں تمہیں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ اس گروہ کا قلع قمع ہو جانے کے بعد تمہارے گروہ کی طرف ضرور توجہ دی جائے گی۔ لہٰذا تم اس سے پہلے ہی اپنا تحفظ کرلو۔''

''میری فکر نہ کرو...... پیارے دوست...... او...... اف......!''

ایسی ہی زبردست چیخ تھی کہ حمید کا سر جھنجھنا اٹھا...... بالکل ایسا ہی لگا تھا جیسے اچانک کسی نے لڑکی کی پشت میں خنجر اتار دیا ہو۔

''ہیلو...... ہیلو......!'' حمید چیختا رہ گیا...... لیکن دوسری طرف اب سناٹا تھا۔

آخری کوشش

ریسیور میز پر ڈال کر اس نے تجربہ گاہ کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ وہاں سے دوسری لائن والے فون پر اپنے محکمہ کے آپریشن روم سے رابطہ قائم کر کے پوچھا! ''کیا بوتھ نمبر تیرہ سے ہمارے نمبر پر کوئی کال ہو رہی تھی......!''

''جی ہاں......!'' دوسری طرف سے جواب ملا۔ ''وہ آپ سے گفتگو کر رہی تھی پھر چیخی تھی اور سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ کرنل صاحب کو اطلاع دے دی گئی ہے!''

''وہ کہاں ہیں......؟''

''فون نمبر تھری سکس ایٹ ناٹ پر ملے تھے!''

حمید نے سلسلہ منقطع کر کے مذکورہ نمبر ڈائیل کیے لیکن دوسری طرف صرف گھنٹی بجتی رہی۔ ریسیور نہیں اٹھایا گیا تھا...... ریسیور رکھ کر وہ پھر سٹنگ روم کی طرف بھاگا۔

دو یا تین منٹ کے اندر ہی اندر اس کی گاڑی سڑک پر نکل آئی تھی اور اس کا رخ اپر کلاس ہاؤسنگ سوسائٹی کی طرف تھا۔

بوتھ نمبر تیرہ کے قریب بھیڑ نظر آئی اور حمید کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی! بھیڑ ہٹا کر وہ بوتھ کے دروازے تک پہنچا فریدی اندر کھڑا فرش پر پھیلے ہوئے تازہ تازہ خون کو دیکھے جا رہا تھا۔

حمید کی آمد پر چونکا اور اس کا اس کا بازو پکڑے ہوئے بوتھ سے باہر نکل آیا۔

''لل...... لاش بھجوا دی؟'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کیسی لاش......؟''

''لل...... لڑکی...... کی!''

''جب میں پہنچا ہوں تو یہاں کوئی لاش واش نہیں تھی۔ البتہ ایک آدمی بوتھ کا دروا

کھولے کھڑا فرش پر پھیلے ہوئے خون کو دیکھ رہا تھا۔"

"کون تھا......؟"

"احمقانہ باتیں نہ کرو.....کوئی بھی ہوسکتا ہے.....فون کرنے آیا تھا......!"

"تو اس کا یہ مطلب کہ فوری طور پر لاش بھی غائب کر دی گئی!"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اس جگہ آئے جہاں لنکن پارک تھی۔

"تو کیا یونہی......!" حمید بولا۔

"جی نہیں!" فریدی کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی! ایک آدمی بوتھ کے دروازے پر موجود ہے......! ابھی دوسرے بھی پہنچ کر ضابطے کی کارروائی کریں گے۔ میں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتا! جمشید کا کیا رہا۔

"اس نے دوبارہ ٹیپ سنا تھا......؟"

"ری ایکشن!"

"گہرے انہماک کے علاوہ اور کچھ نہیں محسوس کر سکا! ظاہر ہے کہ آواز کے بارے میں تو اس نے لاعلمی ہی ظاہر کی ہوگی کیونکہ ٹیپ جعلی تھا......!"

"میں نے تمہاری رائے نہیں معلوم کی تھی!" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"فی الحال بُرا ماننے کے موڈ میں نہیں ہوں......!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"بالآخر وہ بیچاری بھی ماری ہی ڈالی گئی!"

فریدی نے لاپرائی سے شانوں کو جانش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ حمید کو اس کا یہ رویہ گراں گزرا تھا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ لڑکی کی حیرت اور کرب میں ڈوبی ہوئی چیخ اسے پھر یاد آ گئی۔

دفعتاً فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔ "تم بالکل گھامڑ ہو!"

"کس بناء پر......!" حمید کا لہجہ بھی اچھا نہیں تھا۔

"ہمیں مجرم کی راہ پر لگا کر اپنا ڈراپ سین کرنا چاہتی ہے تاکہ اس معاملے سے نپٹ کر ہم اسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کریں۔"

"ہوسکتا ہے! ویسے ضروری نہیں کہ آپ کا یہ نظریہ درست ہی ہو۔"

"اس بیچاری کو یہ نہیں معلوم کہ اس خون کا تجزیہ بھی کیا جائے گا!"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"وہ کسی آدمی کا خون تو نہیں ہے!"

"کیا بوتھ کی نگرانی مسلسل جاری ہے؟"

"نہیں......!"

"اونہہ ہوگا کچھ!" حمید نے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے شانوں کو جنبش دی۔

فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالی.....آٹھ بج رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ یہ رات اس سلسلے میں بے حد اہم ثابت ہوگی!" اس نے لنکن کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا! "اپنی گاڑی میں میرے پیچھے آؤ!"

لنکن آگے بڑھی تھی اور جب حمید کی گاڑی بھی حرکت میں آئی تو اس کی رفتار تیز ہوگئی۔

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے ہائی سرکل نائٹ کلب میں داخل ہوئی تھیں۔

لنکن ہی کے قریب حمید کو بھی پارک کرنے کی جگہ مل گئی......فریدی گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔ "میں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"اس لیے میں کل دوپہر تک کا انتظام بھی اسی وقت کرلوں گا......!" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

کھانا کھا کر وہ نو بجے تک ڈائننگ ہال ہی میں بیٹھے رہے! حمید کو اس پر حیرت تھی۔

"کیا فلور شو اتنا ہی دلچسپ ہے؟" اس نے بالآخر کہا۔

"جی نہیں!" خشک لہجے میں جواب ملا۔ "محض وقت گزاری!"

"گھر کیا برا تھا اس کے لیے......!"

"کان نہ کھاؤ.....دس منٹ بعد اٹھ جائیں گے!"

"دس منٹ بعد اس سے بھی اچھی رقاصہ اپنے فن کا مظاہرہ کرے گی!"

"اچھی بات ہے اٹھو!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

باہر نکل کر حمید پارکنگ شیڈ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی اس کا بازو پکڑ کر بولا۔ "جی نہیں! گاڑیاں یہیں رہیں گی!"

''کیا مطلب!''

''چلو......!'' وہ اسے کمپاؤنڈ کے پھاٹک کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

سڑک پر پہنچ کر اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور ڈرائیور سے ارجن پورہ چلنے کو کہا۔ حمید نے اب بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی، ایسے مواقع پر عموماً اسے ضد سی ہو جایا کرتی تھی کہ اب کچھ نہیں پوچھے گا۔

فریدی نے بھی اپنے اس رویہ کی وضاحت نہ کی البتہ ارجن پورہ کی ایک نیم تاریک عمارت کے بالائی منزل کے آٹھویں فلیٹ کا قفل کھولتے وقت وہ بڑبڑایا تھا۔ ''تمہاری ناپ کے بھی سڑے لُسے کپڑے اور جوتے یہاں مل جائیں گے۔''

''اب کیا بھنگی بنانے کا ارادہ ہے!'' حمید بھنا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ معمولی مزدوروں کے سے لباس میں فلیٹ سے برآمد ہوئے تھے اور ان کے چہروں میں بھی کسی حد تک تبدیلی ہوئی تھی۔

پھر دوسری بار ٹیکسی میں بیٹھتے وقت حمید کو معلوم ہوا تھا کہ ان کی منزل وہی بستی تھی جہاں بوڑھا شہباز تیموری رہتا تھا۔

''تو میرا اندازہ غلط نہیں تھا!'' حمید بڑبڑایا۔

''یہ ایک اندھی چال ہے......!'' فریدی نے کہا۔ ''اگر اس میں ناکامی ہوئی تو اس مسئلے پر از سرِ نو غور کرنا پڑے گا۔''

''اس کے بیٹے جمشید کا قول صادق ہوتا نظر آ رہا ہے!''

''دیکھتے جاؤ!''

بستی کے باہر ہی فریدی نے ٹیکسی رکوائی تھی اور کرایہ ادا کر کے آگے بڑھ گیا تھا۔

''کوارٹر بھی بستی کے آخر میں سب سے الگ تھلگ تعمیر کرایا ہے!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''خاموشی سے چلتے رہو!'' فریدی نے مڑے بغیر کہا تھا۔

بستی کے تاریک گوشوں سے گزرتے ہوئے وہ شہباز کے کوارٹر کے عقبی میدان تک پہنچے تھے جہاں دور دور تک پی ڈبلیو ڈی کا تعمیراتی سامان بکھرا پڑا تھا۔

''اوہو......ادھر تو چوکیدار بھی ہوں گے!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''ہونے دو......!'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ وہ کوارٹر کی پچھلی دیوار کے قریب پہنچ گئے تھے۔

چاروں طرف گہری تاریکی تھی......! فریدی حمید کا شانہ دبا کر آہستہ سے بولا۔ ''چھت پہنچنا ہے۔''

''پی ڈبلیو ڈی والوں کی سیڑھی اٹھا لاؤں!'' حمید نے بوکھلا کر کہا۔

''فضول باتیں نہ کرو......آؤ......ہم بہ آسانی اوپر پہنچ سکیں گے!''

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر چڑھتا چلا گیا تھا دیوار کے سرے پر شاید مزید تعمیر کے لیے آدھی آدھی اینٹیں باہر نکلی چھوڑ دی گئی تھیں۔ ان کے سہارے اوپر پہنچنا نہایت آسان تھا۔

دوسرے ہی لمحے حمید بھی اس کی تقلید کر رہا تھا......اوپر پہنچ کر وہ بیٹھے ہی بیٹھے زینوں کی طرف بڑھنے لگے۔

نیچے ایک کمرے میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہ زینوں کے قریب پہنچے ہی تھے کہ نیچے سے ایک گرجدار آواز آئی۔ ''بتاؤ ورنہ......زندہ دفن کر دوں گا۔''

وہ جہاں تھے وہیں ٹھٹک گئے۔ دوسری آواز اتنی بلند نہیں تھی کہ الفاظ سمجھ میں آ سکتے۔

''احتیاط سے نیچے اترو......کام بن گیا ہے!'' فریدی نے سرگوشی کی۔

کمرے میں گہرے نیلے رنگ کا بلب روشن تھا......وہ کھڑکی کی دونوں اطراف دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔

بوڑھا شہباز کرسی سے بندھا بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ایک نقاب پوش سائیلنسر لگا ہوا پستول لئے کھڑا نظر آیا۔

''زبان کھولو ورنہ......!'' نقاب پوش نے پستول کو جنبش دی۔

''م......میں......میں کچھ نہیں جانتا!'' بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید آہستہ آہستہ اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

''تم جھوٹے ہو! تمہی نے پولیس کو میری راہ پر لگایا ہے!'' نقاب پوش غالباً دانت پیس کر بولا تھا۔

''تت......تم کون ہو......!''

"تمہیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہیے.....!"

"جب میں تمہیں جانتا ہی نہیں تو پولیس کو کیسے تمہارے پیچھے لگاؤں گا!"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ تم نے انہیں کس حد تک بتایا ہے!"

"تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی!"

دفعتاً فریدی نے پھرتی سے دروازے کے سامنے پہنچ کر نقاب پوش پر چھلانگ لگا حمید کا ریوالور پہلے ہی نکل آیا تھا۔

نقاب پوش کا پستول اس کی گرفت سے نکل کر دور جا پڑا اور اب وہ خود فریدی کی گرفت میں تھا۔

دفعتاً بوڑھے نے چیخنا شروع کر دیا۔ "دوڑو.....دوڑو.....بچاؤ.....بچاؤ.....!"

"خاموش.....!" حمید اسے ریوالور دکھا کر بولا۔

دوسری طرف نقاب پوش فریدی کی گرفت سے نکل جانے کے لیے اپنا انتہائی زور صرف کر رہا تھا۔

"خاموشی سے ہتھکڑیاں پہن لو.... ورنہ تمہارے ٹخنے اتار کر بے بس کر دوں گا!" فریدی نے اسے فرش پر گراتے ہوئے کہا۔

"تت.....تم کون ہو...!" نقاب پوش ہکلایا۔

"حمید ہتھکڑیاں.....!"

"کہاں ہیں.....!"

"میری پتلون کی دائیں جیب سے نکالو.....!"

حمید کے نام پر ایک بار پھر نقاب پوش نے گلوخلاصی کیلئے زور لگایا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

بوڑھا حیرت سے آنکھیں پھاڑے گم سم بیٹھا تھا..... حمید نے ہتھکڑیاں نکالیں اور تھوڑی سی جدوجہد کے بعد نقاب پوش کے ہاتھوں میں ڈال دیں۔

"یہ.... یہ.....کون ہے؟" بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"منشیات کی غیر قانونی تجارت کرنے والے ایک گروہ کا سربراہ؟" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"...لیکن.....میں.....مجھ سے کیا سروکار.....میں کیوں؟" بوڑھا بدحواس ہو کر بولا۔

"آپ ہی سے تو سروکار ہے!"

اس پر نقاب پوش نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن حمید کی ٹھوکر اسے دوبارہ فرش پر لے آئی۔

"تم کون ہو.....!" بوڑھا فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔

"آپ کا خادم.....فریدی.....!"

"اوہ.....اوہ.....خداوندا یہ سب کیا ہو رہا ہے!"

"ٹھہریئے.....ابھی بتاتا ہوں.....حمید اس کے چہرے سے نقاب ہٹاؤ.....!"

حمید نقاب ہٹانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ اس نے اچھل کر اس کی پیشانی پر ٹکر ماری اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر تو حمید پر گویا شیطان سوار ہو گیا تھا۔ اس بری طرح اس کی مرمت کی تھی کہ اس نے ذرا ہی سی دیر میں ہاتھ پاؤں ڈال دیئے تھے۔ اس کے بعد اس نے اس کے پیر بھی باندھ دیئے۔

چہرے سے نقاب ہٹتے ہی بوڑھا کربناک آواز میں چیخا۔ "نہیں!" اور دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ڈھانپ لیں۔

"یہ اس کا چھوٹا بیٹا جمشید تیموری تھا.....!"

"خداوندا.... یہ کیا ہو گیا.....!" بوڑھا شہباز گلوگیر آواز میں بولا۔

"مجھے بے حد افسوس ہے!" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں نے اس کو اس غلط فہمی میں ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ اس کے خلاف اطلاعات بہم پہنچانے والے آپ ہی تھے.....ورنہ یہ اتنی آسانی سے ہاتھ نہ لگتا۔"

"اوہ.....اسی لیے..... یہ مجھے مار ڈالنے پر تل گیا تھا اور مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں نے ان کو کس حد تک بتایا ہے.....اے میرے پروردگار آخر اسے کس چیز کی کمی تھی کہ یہ اس لعنت میں اتر آیا۔"

"چار افراد کے قتل کا الزام بھی ہے اس پر.....!" فریدی بولا۔

"اللہ مجھ پر رحم کرے!" بوڑھا کراہا۔

جمشید آنکھیں بند کیے پڑا تھا......! ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بے ہوش ہو گیا ہو۔

حمید نے فریدی کے اشارے پر بوڑھے کو کرسی سے کھول دیا لیکن شاید اب اس اتنی سکت بھی نہیں رہ گئی تھی کہ خود سے کھڑا ہو سکتا۔

پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر بوڑھے کو ''سیونتھ ہیون'' اور جمشید کو فریدی کے حوالات میں پہنچا دیا گیا تھا۔

حمید کو اس پر حیرت تھی کہ آخر فریدی نے جمشید کو یہ کس طرح باور کرایا تھا کہ اس باپ ہی نے اس کی مخبری کی تھی۔

فریدی سے پہلا سوال اس نے اسی سے متعلق کیا۔

''جو ٹیپ تم نے جمشید کو سنایا تھا اسے ایک بار پھر سنو!'' فریدی بولا۔

''میں سن چکا ہوں......!''

''کیا ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ بوڑھا تیموری آواز بگاڑ کر بولنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''خدا کی پناہ......!'' حمید چونک پڑا۔ چند لمحے فریدی کو حیرت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''میرے ذہن میں یہی خلش تھی! لہجے میں کسی حد تک شناسائی کی جھلکیاں تھیں۔''

''اب تم پوچھو گے کہ اس طرف ذہن کیونکر گیا؟''

''قدرتی بات ہے......!''

''اس کے ہاتھ کی انگشتری اس کے لیے پھانسی کا پھندا بن گئی جس پر فرعون کا سر بنا ہوا ہے۔ شروع سے بتانا پڑے گا......تم یوں نہیں سمجھو گے؟ تمہیں یاد ہو گا لڑکی نے تمہارے توسط سے مجھے یہ پیغام دیا تھا کہ اگر کہیں کوئی بھیڑیا نظر آئے تو اس کی کھال اتارنے کی ضرور کوشش کروں......!''

''اوہو! اسے تو میں بھول ہی گیا تھا......!''

''اب کیفے دارا کے منیجر سرفراز کی لاش کی طرف واپس چلو......اس کے جوتے کے تلے سرخی مائل کیچڑ سے آلودہ تھے اور اس میں ابرک کے ٹکڑے بھی چپکے ہوئے تھے۔ جھیل کے آس پاس کہیں بھی سرخی مائل مٹی نہ مل سکی اور پھر ابرک کے ٹکڑے......دراصل انہی ابرک کے ٹکڑوں نے رہنمائی کی......جھیل سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک فیکٹری ہے جہاں بجلی کا

بنایا جاتا ہے۔ ابرک کے ٹکڑوں کی وجہ سے ذہن اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں بجلی کی بنائی جاتی ہیں اس لیے ابرک کا اسٹاک بھی رہتا ہے۔ گودام کے سامنے ایک جگہ کا ب کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے آس پاس کیچڑ ہو گئی تھی اور یہ ر سرخی مائل تھا۔ اس میں کے ننھے ننھے ٹکڑے بھی شامل تھے پھر رات کو فیکٹری کی تلاشی کی ٹھہری......وہاں تین یدار تھے۔ کام صرف دن ہی میں ہوتا ہے۔ رات کی شفٹ نہیں چلتی۔ بہرحال چوکیداروں جائے میں خوب آور دوا ملوائی گئی اور تلاشی کا کام شروع کر دیا گیا۔ فیکٹری کے تہہ خانے ں ایک اور فیکٹری نظر آئی جہاں منشیات کی پیکنگ ہوتی تھی......جانتے ہو پیکنگ کس طرح ہوتی تھی۔''

حمید نے غیر ارادی طور پر سر کو منفی جنبش دی۔

''جب تم نے لڑکی کا پیغام مجھ تک پہنچایا تھا تو میں نے کیا کہا تھا......!''

''غالباً آپ نے یہی کہا تھا کہ بھیڑیئے تک میں پہلے ہی پہنچ چکا ہوں!''

''ٹھیک......! وہاں بھیڑیوں کی کھالوں میں منشیات کی پیکنگ ہوتی تھی اور یہ بھیڑیئے یکوریشن پیسز کی حیثیت سے ملک کے باہر بھیجے جاتے تھے۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک فرم ہت عرصے سے یہ کاروبار کر رہی ہے لیکن شہر کے کسی گوشے میں بھی اس فرم کا دفتر نہ مل سکا۔''

''لیکن فیکٹری کا مالک تو سامنے کی چیز ٹھہرا۔''

''ہاں......آں! وہ بھی بلیک میل کیا گیا تھا۔ اس کام پر اُسے بلیک میل کر کے آمادہ کیا گیا تھا لیکن وہ بلیک میلر کی شخصیت سے آگاہ نہیں تھا۔''

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔ پھر بولا۔ ''ہاں تو بات اس انگشتری کی تھی جس پر فرعون کا سر بنا ہوا ہے۔ کچھ بھیڑیوں کے نیچے جہاں کھال کی سلائی ہوئی تھی۔ ویکس پر مہریں ائی گئی تھیں، یعنی ویکس پر فرعون کے سر کی چھاپ تھی۔ جب تک لڑکی نے تمہیں بوڑھے تیموری سے الجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میرا ذہن اس خاندان کی طرح متوجہ نہیں ہوا تھا......بہرحال میں نے ہی بوڑھے کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ لڑکوں کی موجودگی میں مجھے طب کر کے نلنی کا قصہ چھیڑے......!''

''تو آپ نے جمشید کے بھڑک اٹھنے کی بناء پر مجھے اس کے پیچھے جانے کو کہا تھا!''

''نہیں حمید صاحب!'' اس کی محرک صرف انگشتری بنی تھی اور پھر جب اس نے انفار
کی آواز کا ٹیپ سننے کی خواہش ظاہر کی تھی تو مجھے پچاس فیصد یقین ہو گیا تھا کہ جمشید ہی
کاروبار کی پشت پر ہے لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ آج ہی بوڑھے پر حملہ کر بیٹھتا.....
اندازہ تھا جو اتفاق سے درست نکلا''

''ٹیپ میں آپ ہی کی آواز تھی.....؟''

''پھر کس کی ہوتی..... شہباز تیموری کی آواز بارہا سنی تھی اس کے مخصوص لہجوں سے واقف
تھا اس لیے ملتی جلتی آواز کی نقل تیار کر لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ بہرحال جمشید نے اپنے جرائم
اعتراف کر لیا ہے۔ اس کے ہاتھوں وہی لوگ مارے گئے جو سربراہ کی شخصیت سے واقف
تھے..... سرفراز کو خود اسی نے مارا تھا..... یاسمین فریدوں کو ہیڈ ویٹر فاروق سے قتل کرایا اور جب
اسے معلوم ہوا کہ فاروق اپنا بیج یاسمین کے کمرے میں ہی چھوڑ آیا ہے تو اس نے اسے شراب
میں زہر دے دیا۔ ڈیوڈ تلارام کی بیوی کو اس نے اپنے ایک گرگے سے قتل کرایا تھا۔ وکیل نے
اسے اطلاع دی تھی اور اس نے فوری طور پر اپنے ایک گرگے کو فون کیا تھا جو تار جام ہی کا
باشندہ ہے۔ اس نے ڈیوڈ کی بیوی کو قتل کر دیا۔ اس وقت تک وہ بھی گرفتار کر لیا گیا ہوگا۔ ملک
سے باہر بھیجی جانے والی منشیات رقاصہ کے توسط سے ڈیوڈ تک پہنچتی تھیں اور ڈیوڈ انہیں ایک
ویرانے میں پہنچاتا تھا جہاں سے دوسرے لوگ انہیں فیکٹری تک لے جاتے تھے۔''

''آخر جمشید کو کیا سوجھی تھی۔ کسی چیز کی کمی ہے اس گھرانے میں۔''

''عقل سلیم کی.....! چند آدمیوں کی ہوس انہی جیسے لاکھوں آدمیوں کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر
مرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ آزاد معیشت والا نظام ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے انسانیت کے
لیے سم قاتل بن گیا ہے.....!''

''کوئی حل ہے اس کا؟''

''زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کے پیچھے دوڑ لگاؤ..... جی بھر کے عیاشی کرو، اور بڑھاپے میں
اللہ پاک سے معافی مانگ کر جنت الفردوس کو سدھارو!'' فریدی کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔

اس کے بعد حمید کی ہمت نہیں پڑی تھی کہ انفارمر لڑکی کے بارے میں کسی قسم کی گفتگو کرتا۔

دوسرے دن شام کو جب وہ کافی پی کر گھر سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہیں سے فریدی کی

کال آئی۔

''وہ لڑکی شہباز کی پوتیوں میں سے ایک ہے۔ محمود کی بیٹی فریدہ تیموری چٹان پر پائے
جانے والے انگلیوں کے نشانات اسی کی انگلیوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔''

''تو پھر میں کیا کروں!'' حمید بولا۔

''اس سے معلوم کرو جب وہ جمشید کے بارے میں جانتی تھی تو اس نے ایسی پیچیدہ راہ
کیوں اختیار کی۔ چٹان پر پائے جانے والے نشانات کے حوالے سے تم اس سے دوٹوک
بات کر سکو گے..... اس وقت وہ نیشنل لائبریری میں کوئی کتاب پڑھ رہی ہے۔ نارنجی رنگ کے
شلوار سوٹ میں ملبوس ہے!''

''او کے!'' کہہ کر حمید نے ریسیور کریڈل میں رکھا اور نیشنل لائبریری کی طرف دوڑ گیا۔

پورے ہال میں صرف ایک ہی لڑکی نارنجی رنگ کے شلوار سوٹ میں نظر آئی۔ حمید اس
کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس نے چونک کر اسے گھورا تھا..... حمید اس کے قریب ہی کھسکا کر بیٹھتا ہوا آہستہ
سے بولا۔ ''بوتھ نمبر تیرہ میں پایا جانے والا خون کسی حرماں نصیب مرغ کا تھا مس فریدہ تیموری!''

''کک..... کیا مطلب.....!'' وہ ہکلائی۔

''جھیل کے کنارے جب آپ نے گیلی مٹی سے شوق فرمایا تھا تو ایک چٹان پر اپنے
بائیں ہاتھ کا نشان چھوڑ آئی تھیں.....!''

''خدا مجھے معاف کرے!'' وہ طویل سانس لے کر مسکرائی۔ ''مٹی سے اس لیے شوق
فرمایا تھا کہ گھونگریالے بالوں والی وگ پانی ہی میں رہ گئی تھی!''

''جب آپ سب کچھ جانتی تھیں تو ایسا خطرناک طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''میں قطعاً نہیں جانتی تھی کہ اس کالے کاروبار کی پشت پر جمشید چچا ہوں گے۔ صرف اتنا
علم تھا کہ وہ سیونتھ ہیون ہی کا کوئی فرد ہو سکتا ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ گونگی لڑکی سے
ملاقات کے بعد بھی آپ لوگ سیونتھ ہیون کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تو مجبوراً نقلی دادی والا
حربہ چلا کر دادا جان کو آپ لوگوں کے پیچھے لگا دیا..... یہ تدبیر کامیاب ہوئی اور جمشید چچا بالآخر
پکڑ لیے گئے۔''

''بڑی بیدردی سے ذکر کر رہی ہو!''

''سیونتھ ہیون میں کوئی کسی کا نہیں ہے۔ سب اپنے اپنے عذاب میں مبتلا ہیں
جان نے وہ ٹھنڈا جہنم تعمیر کیا اور خود الگ ہو گئے۔''

''آخر آپ نے اس کی جرأت کیسے کر ڈالی تھی.....!''

''پچھلے سال ایک ایسی غریب بیوہ سے ملاقات ہوئی تھی جس کا واحد سہارا ایک نو
تھا جو اپنی دن بھر کی کمائی نشیلے سگرٹوں پر گنوا دیتا تھا۔ بس اسی دن سے تہیہ کر لیا تھا کہ نش
کی کالی تجارت کرنے والوں کا پتہ لگا لگا کر پولیس کو مطلع کرتی رہوں گی۔ معلوم نہیں
چھوٹے موٹے تاجر میرے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے اور پھر اچانک ایک دن معلوم ہو
سیونتھ ہیون بھی اس میں ملوث ہے..... وہاں سے ایک بڑی کھیپ کیفے دارا میں پہنچائی
تھی۔ میں نے ان لوگوں کا طریق کار سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے ایک ٹھکانے سے واقف
گئی، لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اصل مجرم کون ہے۔ بہر حال اب شاید میں بھی عدالت
گھسیٹی جاؤں.....!''

''قطعی نہیں! ہم آپ جیسی نیک ہستیوں کو ان چکروں سے محفوظ ہی رکھنے کی کوش
کرتے ہیں۔ میرے اور کرنل صاحب کے علاوہ اور کسی کو بھی اس کا علم نہیں! آپ کو تو
ایک نامعلوم عورت ہی کی حیثیت سے ریکارڈ میں رہنے دیا جائے گا۔''

''شکریہ..... لیکن میں دادا جان کو سب کچھ بتا چکی ہوں اور انہوں نے للنی دادی کو
سے سمجھایا ہے کہ وہ بھی اسے راز ہی میں رکھیں۔''

''یہ میک اپ وغیرہ کرنا آپ نے کہاں سے سیکھا.....!''

''ایک فینسی ڈریس ایکسپرٹ سے، کئی سال پہلے یورپ میں اس کی شاگردی کی تھی!''

''گونگی لڑکی سے دوبارہ ملنے کا اشتیاق باقی رہا جاتا ہے.....!''

''ملتے رہیے گا کبھی کبھی.....!'' وہ مسکرائی۔

''میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 116

عظیم حماقت

(مکمل ناول)

پیشرس

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،...... مبارک باد قبول فرمائیے۔ لیکن آپ نے تو ۵۰ روپے مہنگائی الاؤنس کی رسید تک نہ دی۔ جب تنخواہ میں ۳۵ روپے اضافہ ہوا تھا تو آپ نے ایک چونی مجھے بھی عنایت فرمائی۔ اب ۵۰ روپے کے اضافے پر بھی صرف چونی ہی کا سوال ہے۔ یہ اضافہ دوسروں نے تو اسی وقت کر دیا تھا جب اچانک کاغذ کی قیمت میں فی ٹن قریباً سو فیصد کا اضافہ ہوا تھا لیکن میں اسی نیک گھڑی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا کہ شاید آپ کی تنخواہوں میں اضافہ ہو جائے، سو اللہ پاک نے میری آرزو پوری کی، (اگر آپ میری کتابیں نہ پڑھتے ہوتے تو آپ کی تنخواہوں میں ہرگز اضافہ نہ ہوتا) بہرحال! اللہ نے چاہا تو آپ کی تنخواہوں میں مزید اضافہ ہوگا۔ بس میرے ناول پابندی سے پڑھتے رہیے (پروفیسروں کی تنخواہیں اسی لیے بہت زیادہ ہوگئی ہیں کہ میرا ہر ناول کئی کئی بار پڑھتے ہیں) دھماکے کے سلسلے میں آپ کا استفسار بہت بڑھ گیا ہے۔ کیا عرض کروں؟ فلم کے لیے کہانی اور میوزک ضروری ہیں۔ میوزک نام ہے سُر اور تال کا، لیکن دھماکے کا سابقہ زیادہ تر ''ہڑتال'' سے پڑتا رہا ہے۔ چاہے وہ قومی پیمانے پر رہی ہو یا اسٹوڈیو کی حد تک...... بہرحال توقع ہے کہ آپ اگست میں دھماکہ دیکھ سکیں گے۔

عظیم حماقت حاضر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

۱-۷-۷۴

پتھر کی لڑکی

اس دیو کو دیکھ کر ان کے دیوتا ہی کوچ کر گئے۔ پھر بہتروں کے تو پاؤں ہی اکھڑ گئے تھے اور جدھر جس کے سینگ سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔ چیخوں میں ہلکی، بھاری، سریلی اور کریہہ ہر طرح کی آوازیں شامل تھیں۔

دیو جہاں تھا وہیں کھڑا چراغ الہ دین کے فلمی جن کی طرح قہقہے لگاتا رہا۔ پکنک منانے والے اپنا سامان تک چھوڑ بھاگے تھے، جس میں کھانے پینے کی چیزیں، ٹرانز سٹروں کے علاوہ دو عدد گاڑیاں بھی شامل تھیں۔

یک بیک خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلنے میں ارادے کو دخل نہیں تھا۔ اضطراری طور پر اس قسم کے افعال سرزد ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جب انہیں ہوش آیا تو ان کے قدم رکنے لگے۔

پھر پندرہ یا بیس منٹ بعد ایک ایک کر کے وہ دوبارہ اسی مقام پر آ پہنچے تھے، جہاں سے خوفزدہ ہو کر بھاگے تھے، ان میں چھ لڑکیاں تھیں اور چار لڑکے! جن کی عمریں بیس بائیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوں گی۔ وہ ڈری ڈری نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر یک بیک ایک لڑکی بولی۔ ''ارے گاڑیاں......!''

اور وہ پھر سب ہی طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگے تھے۔ کیونکہ دونوں گاڑیوں کے پہیے بیکار ہو چکے تھے۔ ان کی ہوا نکل چکی تھی۔

''یہ... یہ...... کیا ہوا۔'' کوئی بولا۔

''کیا ضرورت تھی اس طرح بھاگنے کی۔ وہ تنہا ہی تو تھا۔'' ایک لڑکے نے غصیلے لہجے

میں کہا۔

''تم شاید یہیں ٹھہرے رہے تھے۔'' دوسرے کا انداز طنزیہ تھا۔

''لیکن ہوا کیسے نکل گئی......؟''

جیسے ہم سب بھاگ نکلے تھے۔''

''بہت اچھے......!'' ایک لڑکا خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ بولا'' تم شاید یہ کہنا چاہتے
کہ ڈر کے مارے ہوا نکل گئی۔''

اس پر سب ہی سہمے ہوئے انداز میں ہنسے تھے۔

''اب کیا کریں؟'' کسی نے کہا۔

''کیا کر سکتے ہیں۔ میرے پاس دو فالتو پہیے ہیں اور تمہارے پاس۔'' ایک نے
دوسرے سے سوال کیا۔

''صرف ایک......!''

''مرے بے موت......! اب واپسی کیونکہ ہوگئی۔''

''مم......مگر......وہ کون تھا اور کہاں چلا گیا۔'' ایک لڑکی بولی۔

''ارے سامان تو دیکھو۔'' کسی نے ہانک لگائی۔

''سب کچھ موجود ہے۔''

''کک......کہیں پھر نہ دکھائی دے۔'' ایک لڑکی ہکلائی تھی۔

''پتھر اکٹھے کر لو۔'' ایک لڑکا آگے بڑھ کر خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔'' دیکھتے ہی پتھراؤ
شروع کر دینا۔''

''پہلے کیوں بھاگے تھے۔''

''وہ اضطراری فعل تھا۔ اب دیکھ لیں گے وہ کتنی بڑی خبیث روح ہے۔''

''ایسا نہ کہو......ایسا نہ کہو!'' ایک لڑکی خوفزدہ سی آواز میں بولی۔

''خاموش رہو!'' وہی نوجوان سخت لہجے میں بولا۔'' اگر اب کسی نے ذرہ برابر بھی خوف
ظاہر کیا تو اچھا نہ ہوگا۔''

''یار ختم بھی کرو!'' دوسرا بولا۔''سورج غروب ہونے والا ہے۔ ہمیں کچھ کرنا چاہئے۔''

''کیا کر سکتے ہیں۔ شاہراہ یہاں سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ہمارے فرشتے بھی
رات وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے۔''

''تو پھر......؟'' بیک وقت ساری لڑکیوں نے سوال کیا۔

''شاید ہمیں یہیں رات گزارنی پڑے۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' ایک لڑکی ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لڑکی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں حلقوں سے ابلی
پڑ رہی تھیں۔

دفعتاً اس نے دیو کے سے انداز میں ہنسنا شروع کر دیا۔ آواز حیرت انگیز طور پر بھاری
ہوگئی تھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کسی لڑکی کی آواز تھی۔

''سائرہ......سائرہ......'' وہ بیک وقت چیخے۔

لیکن لڑکی اسی آواز قہقہے لگاتی رہی۔ پھر وہ ویسی ہی بھاری بھرکم مردانہ آواز میں
بولی۔''میں اشقر جن ہوں۔ تم نے میرے گھر میں گندگی پھیلائی ہے۔ میں تم لوگوں کو معاف
نہیں کر سکتا۔''

قہقہہ پھر جاری ہو گیا۔ وہ سب بری طرح سہمے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔
پھر وہی نوجوان آگے بڑھا، جو کچھ دیر قبل مردانگی کا دعویٰ کر چکا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' اس نے کڑک کر پوچھا۔

''پیچھے ہٹو۔'' سائرہ قہقہہ روک کر مردانہ آواز میں بولی۔

''یہ مذاق ختم کرو۔''

''احمق لڑکے! میں اشقر جن ہوں۔ اس وقت اس لڑکی پر میرا قبضہ ہے۔''

''سائرہ بکواس مت کرو۔''

''تم لوگوں کو سزا ضرور ملے گی۔'' سائرہ نے قہقہہ لگایا اور پھر وہ قہقہہ یک بیک نسوانی
چیخوں میں تبدیل ہو گیا۔ اب سائرہ اپنی اصل آواز میں چیخے جاری تھی۔ اس کی آنکھیں بند
تھیں اور وہ آگے پیچھے جھول رہی تھی۔ ایک بار نیچے ہی چلی آئی۔ وہ سب اس کی طرف جھپٹے۔

''پانی کی بوتل لاؤ۔''

''پتا نہیں کیا چکر ہے۔''

''وہ سچ مچ کوئی خبیث روح ہے۔''

پانی کی بوتل لائی گئی اور بیہوش سائرہ کے چہرے پر چھینٹے مارے جانے لگے۔ لیکن بے حس وحرکت پڑی گہری گہری سانسیں لیتی رہی۔

''اب کیا کریں؟''

''کس مصیبت میں پڑ گئے۔''

''یہ جگہ سچ مچ آسیب زدہ معلوم ہوتی ہے۔ دیکھو میرے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔''

''کچھ کرو...... فضول باتوں میں وقت نہ گنواؤ۔''

''کیا کر سکتے ہیں!''

''اسے اٹھا کر گاڑی میں لے چلو!''

''چلو اٹھاؤ......!''

چار لڑکیاں آگے بڑھیں۔ بیہوش لڑکی سائرہ ایک گاڑی میں پہنچائی گئی۔ اس کا جسم اکڑ کر رہ گیا تھا۔

وہ سب بیحد پریشان تھے اور بار بار اسی جانب دیکھنے لگتے تھے جدھر سے دیو نمودار ہوا تھا۔ اس کے سر پر دو عدد چھوٹے چھوٹے سینگ بھی تو تھے اور ڈاڑھی ایسی تھی جیسے کسی ٹیلے پر جھاڑیاں اگ آئی ہوں۔ البتہ سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ ورنہ وہ چھوٹے چھوٹے سینگ بالوں ہی میں چھپ کر رہ جاتے۔ اس کی ہنسی ہیبت ناک تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بادل گرج رہے ہوں۔

''تت...... تمہارے پاس تو ریوالور تھا۔'' ایک نے اس نوجوان سے کہا، جو بہت زیادہ دلیری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''گاڑی میں تھا...... میرے پاس نہیں تھا۔''

''چنگیزی تم ہی ہمت کرو!'' دوسرا بولا۔ ''تمہارے علاوہ شائد ہی کوئی پیدل سڑک تک

پنچ کی جرأت کر سکے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔'' جیالا نوجوان سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن ضروری نہیں ہے کہ کوئی اس آنے پر آمادہ ہی ہو جائے۔''

''ہاں...... یہ بات تو ہے۔''

''لیکن! بہرحال یہ کرنا ہی پڑے گا۔'' چنگیزی طویل سانس لے کر بولا۔ ''میں جاؤں تم فکر نہ کرو۔ ایک باسکٹ میں کافی کا تھرموس اور پانی کی بوتل کے ساتھ کھانے کی کچھ چیزیں رکھ دو۔ سڑک تک پہنچتے پہنچتے خاصی رات ہو جائے گی۔''

سائرہ اب بھی بیہوش تھی اور وہ سب گاڑیوں کے آس پاس اکٹھا تھے۔ چنگیزی کے مشورے کے مطابق ایک باسکٹ اس کیلئے تیار کر دی گئی۔ روانگی سے قبل اس اپنی گاڑی کے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ریوالور نکالا تھا اور جیب میں ڈال لیا تھا۔

سب سے پہلے وہ اس جگہ پہنچا جہاں وہ عفریت دکھائی دیا تھا۔ بائیں جانب والی ڈھلان میں اس نے دور دور تک نظر دوڑائی، لیکن کہیں کوئی غیر معمولی چیز دکھائی نہ دی۔ پھر وہ خوفزدہ ساتھیوں سے ''خدا حافظ'' کہہ کر دائیں جانب والی ڈھلان میں اترنے لگا۔ یہ علاقہ اس کا دیکھا بھالا ہوا تھا۔ اس طرف سے سڑک کا فاصلہ نسبتاً کم ہوتا۔

اس کا تعلق وادی گلبار کے سب سے زیادہ معزز خاندان سے تھا۔ خان دارا کا بھتیجا تھا وادی گلبار کا بادشاہ ہی کہنا چاہئے۔ سرکاری عملہ اس کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے باوجود بھی چنگیزی نے سڑک سے زیادہ دور پکنک منانے کی مخالفت کی تھا۔ لیکن جہاں چار چھ سر پھرے اکٹھا ہوں، وہاں کسی ایک کی کون سنتا ہے۔

وہ جگہ حقیقتاً اس علاقے کی خوبصورت ترین تفریح گاہ بن سکتی تھی لیکن چنگیزی وہاں کے خطرات سے بخوبی واقف تھا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ ماورائی خطرے کا تصور تک اس کے ذہن میں نہ رہا ہو۔

ان اطراف میں سانپوں کی بھی بہتات تھی اور سب سے بڑا خطرہ تو بروبانیوں کا تھا۔ یہ وحشی اور بت پرست قبائلی تھے۔ بروبانی قبیلے میں صدیوں سے عورتوں کی کمی چلی آ رہی تھی۔ اس لیے دوسری اقوام کی عورتوں کا اغوا ان کے لیے مذہبی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

سہل الحصول عورتیں ان کی دانست میں نعمت غیر مترقبہ ہوتی تھیں۔ لہٰذا چنگیزی نے مح...
لیے ان اطراف میں پکنک منانے کی مخالفت کی تھی کہ ان کے ساتھ پوری چھ عدد...
تھیں۔ بروبانیوں کا کوئی گروہ انہیں گھیر لیتا تو وہ چار عدد مردان کا کیا بگاڑ لیتے۔

بہرحال لڑکیاں اس سے متفق نہیں ہوئی تھیں۔ وہ اس خوبصورت اسپاٹ کو دیکھنا
چاہتی تھیں۔ پھر انہوں نے چنگیزی کی غیرت کو بھی للکارا تھا کہ وہ خان دادا کا بھتیجا ہو...
کے باوجود بھی بزدلی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

چنگیزی تخلص نہیں تھا بلکہ اس کی رگوں میں سچ مچ چنگیز خان کا خون دوڑ رہا تھا۔ اس
لیے اسے بھی آ گیا تھا تاؤ اور پھر اسی اسپاٹ پر پکنک منانے کی ٹھہر گئی تھی۔

لیکن وہ دیو کوئی بروبانی تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ پوری وادی
گلبار میں خود اس قبیلے کے علاوہ اور کسی بھی قبیلے میں زیادہ قد آور لوگ موجود نہیں ہیں اور
دیو تو بہت ہی زیادہ لمبا چوڑا تھا۔ اتنا قد آور اور جسیم آدمی تو خود اس کے قبیلے میں نہیں تھا۔

وہ سوچتا ہوا سڑک کی جانب بڑھتا رہا۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا اور تھوڑی ہی دیر بعد ٹارچ
کی ضرورت پیش آنے والی تھی۔ پھر دفعتاً اسے سائرہ کی بیہوشی یاد آئی۔ کون جانے اب تک
اسے ہوش آیا ہو گا یا نہیں...... خدا کی پناہ...... اس کی تو آواز ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ بالکل اسی
دیو کے سے انداز میں قہقہے لگا رہی تھی...... !

اوہ...... کیا نام تھا...... وہ نام یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا...... کسی جن کا نام لیا تھا۔
اس نے عورتوں پر جن آنے کے بہت سے قصے سن رکھے تھے لیکن اس سے پہلے ایسی کوئی
عورت نظر سے نہیں گزری تھی۔ ان کہانیوں پر بھی اسے یقین نہیں تھا، لیکن سائرہ کی آواز؟
خود اس کی آواز تو ہرگز نہیں معلوم ہوتی تھی۔

وہ سوچتا رہا اور پھر اسے وہ نام بھی یاد آ گیا۔ ''اشقر جن'' اس نے یہ نام پہلے کہاں سنا
تھا۔ یادداشت پر زور دینے لگا۔ اشقر جن اشقر جن...... اوہ اشقر دیو زاد...... داستان امیر حمزہ
میں ان کے گھوڑ... نام تھا۔ دیو اور پری کے اتصال کا نتیجہ...... کوہ قاف سے لائے گئے
امیر حمزہ ...... !

...ہر جن...... واہ...... لیکن سائرہ کی وہ حرکت اداکاری تو نہیں تھی۔ ہرگز نہیں! اتنی

...ی آواز نکالنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ وہ آواز بالکل اسی جن یا دیو کی آواز سے
...ملتی جلتی تھی...... !

اس کے ذہن میں دیو کا مسلسل قہقہہ گونجنے لگا اور وہ پھر چلتے چلتے رک گیا۔ قہقہہ اس
کے ذہن کی پیداوار نہیں تھا۔ وہ اسے اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ
...میں دور دور تک چکراتا پھر رہا ہو...... !

اندھیرا پوری طرح پھیل گیا تھا۔ چنگیزی کے جسم سے ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ جہاں تھا
وہیں رک کر ایک پتھر کی اوٹ میں پوزیشن لینے لگا...... ریوالور جیب سے نکل آیا تھا لیکن
حماقت کا احساس جلد ہی ہو گیا۔ بھلا اندھیرے میں پوزیشن کس کے خلاف لے رہا تھا۔ کیا وہ
اس قہقہے کی سمت کا تعین کر سکا تھا۔ پھر پوزیشن لینا چہ معنی دارد...... اس نے محسوس کیا کہ وہ
خائف ہو کر ایک پتھر کی اوٹ میں دبک گیا ہے۔ ریوالور نکال لینا بھی خوفزدگی ہی کا نتیجہ تھا۔

قہقہہ کچھ دیر تک سنائی دیتا رہا پھر سناٹا چھا گیا اور یہ سناٹا اس قہقہے سے بھی زیادہ
بھیانک لگ رہا تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک اسی جگہ دبکا رہا۔ پھر اٹھنے ہی والا تھا کہ ایک عجیب طرح کی خوشبو کا
احساس ہوا اور ساتھ ہی سر بھی چکرا گیا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑتے چلے گئے
تھے اور پھر ذہن بھی گہری تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ اس نے اپنے ذہن پر قابو پانے کی انتہائی
کوشش کر ڈالی تھی، لیکن ناکام رہا تھا۔

پھر دوبارہ ہوش آنے پر بڑی دیر تک اپنی بصارت ہی پر یقین نہیں آیا تھا۔ یہی سمجھا
شائد خواب دیکھ رہا ہے۔

اس کے چاروں طرف نارنجی رنگ کی خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ شائد سورج کچھ ہی
دیر پہلے طلوع ہوا تھا اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر
بیٹھے سو رہے تھے۔ اس کی دونوں جانب لڑکے بھی جاگ نہیں رہے تھے۔

یک بیک چنگیزی نے انہیں جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ سب ہی جاگ پڑے تھے۔

''لل...... لڑکیاں...... ؟'' وہ سبھی بیک وقت ہکلائے۔

''کہاں ہیں لڑکیاں؟'' چنگیزی نے پوچھا۔

''دو اس گاڑی میں تھیں اور دو اس گاڑی میں...... لل...... لیکن ہم سب یہاں میں

''چلو اترو......!'' چنگیزی نے بائیں جانب والے ساتھی کو دھکا دیا۔

دوسری گاڑی بھی تھوڑے ہی فاصلے پر موجود تھی۔ وہ سب اس کی طرف دوڑ
چاروں لڑکیاں گاڑی میں موجود تھیں اور وہ بھی جاگ نہیں رہی تھیں۔ ان میں سے ا
آوازیں دے کر جگائی گئی اور اس نے بقیہ کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ پھر اس کے حلق سے ا
خوفزدہ سی چیخ نکلی تھی اور وہ سائرہ کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی۔

سب بیدار ہوگئی تھیں...... لیکن سائرہ اب بھی بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی تھی اور پھر
سبھی پاگلوں کی طرح چیخنے لگے۔ سائرہ پتھر کی طرح سخت ہوگئی تھی۔ پتھر...... ہیجان...... ا
کی آنکھیں بند تھیں...... پتھر سانس نہیں لیا کرتے...... اس لیے زندگی کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا

اس کے باوجود بھی وہ فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو سکتے تھے۔ گاڑیوں کے پہیے ا
کی لاعلمی میں حیرت انگیز طور پر کارآمد ہو گئے تھے۔

جاسوسی کا پہاڑ

قاسم کی رولز کمپاؤنڈ کے پھاٹک میں برآمد ہو کر سڑک پر آئی اور بہت دھیمی رفتار سے
مغرب کی طرف بڑھنے لگی۔ اس نے عقب نما آئینے کی پوزیشن اس طرح بدلی تھی جیسے کسی
تعاقب کرنے والے کو نظر میں رکھنا چاہتا ہو۔

کچھ دور چل کر اس نے رفتار بڑھائی۔ شائد مطمئن ہو گیا تھا۔ اس کا تعاقب کسی نے بھی
نہیں کیا۔

لیکن جب تیرھویں شاہراہ کے چوراہے سے سچ مچ اس کا تعاقب شروع ہوا تو اسے
تعاقب کا شبہ تک نہ ہو سکا۔

رولز تھوڑی دیر بعد ایک بستی کی کسی دور افتادہ عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔
قاسم گاڑی سے اتر کر برآمدے میں پہنچا۔ صدر دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ قفل کھول کر

ایک کمرے میں پہنچا جہاں بہت بڑی بڑی مصنوعی ڈاڑھیاں دیواروں پر لٹکی نظر آ رہی
بھانت بھانت کے ملبوسات، وگیں اور بھی نہ جانے کتنا میک اپ کا سامان ادھر ادھر
پڑا تھا۔

اس نے ایک وگ اٹھائی جس سے ڈاڑھی مونچھیں اور ناک پر فٹ ہو جانے والا
کا ایک خول بھی اٹیچ تھا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا حلیہ ہی بدل کر رہ گیا...... تن و توش کا میک اپ بھی ممکن
ہوتا شائد اسے قریب سے دیکھنے والے بھی نہ پہچان سکتے۔ اس نے وہ لباس بھی تبدیل کیا،
رے پہن کر آیا تھا۔

کچھ دیر بعد باہر نکل کر صدر دروازے کو دوبارہ مقفل کیا اور گیراج سے ایک جیپ نکالی۔
رولز اسی عمارت میں چھوڑ دی گئی تھی اور اب وہ جیپ ڈرائیو کر رہا تھا لیکن اس کے
نتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ایک گاڑی اب بھی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے جیپ روکی تھی اور فٹ پاتھ پر اتر گیا تھا۔ تعاقب کرنے والی
ڑی کچھ آگے بڑھ کر فٹ پاتھ سے جا لگی۔

قاسم اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چالیس منزلہ عمارت ''الجمہوریہ'' کی طرف چل پڑا تھا۔
وہ جب بھی یہاں آتا تماشہ بن کر رہ جاتا۔ لوگ اس کے لیے راستہ چھوڑ دیتے تھے اور
ٹھ رک کر اس طرح دیکھنے لگتے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔

اٹھائیسویں منزل کے لیے روانگی لفٹ کے ذریعہ ہوئی تھی اور وہ لفٹ میں تنہا تھا۔
اٹھائیسویں منزل تک پہنچتے پہنچتے اس کی کمر اور شانوں میں درد ہو جاتا تھا کیونکہ لمبے
جسم کو موڑے بغیر وہ لفٹ میں سما ہی نہیں سکتا تھا...... لفٹ بوائے ایک گوشے میں دبکا
ہنسی روکنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ قاسم کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ یہ بات پہلے ہی
طے ہوگئی تھی کہ وہ اسے لفٹ میں تنہا لے جایا کرے گا اور اس کی طرف دیکھا نہیں کرے
اس کے عیوض اسے روزانہ پانچ روپے ملتے تھے۔ قاسم لفٹ میں داخل ہوتے ہی اس
ہاتھ پر پانچ روپے کا نوٹ رکھ دیتا تھا۔

معمول کے مطابق اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔

لفٹ بوائے لفٹ کو گراؤنڈ فلور پر واپس لایا تو ایک خوش شکل اور دبلی پتلی عورت
منتظر تھی اور اتفاق سے اس لفٹ کے قریب کوئی ایسا آدمی بھی موجود نہیں تھا جسے اوپر جانا
ہو۔

"کیا آپ اوپر تشریف لے جائیں؟" لفٹ بوائے نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"اسی فلور پر جہاں اسے چھوڑ آتے ہو!" عورت نے جواب دیا۔

"اوہ.....!" لفٹ بوائے کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"دفتر کس نام سے ہے؟" عورت نے اسے نظر انداز کر کے پوچھا۔

"پتا نہیں جناب..... ویسے بہت لوگ پتا پوچھتے ہوئے آتے ہیں۔"

وہ لفٹ میں داخل ہوگئی۔ اسے بھی لفٹ بوائے نے اٹھائیسویں فلور پر چھوڑا۔

اس دوران میں قاسم اپنی میز پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے گھنٹی بجائی اور ایک کیم شیم
عورت نے کمرے کا دروازہ کھول کر کہا۔ "یس باس.....!"

"ادھر آ کر بیٹھو.....!" قاسم نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"یس باس.....!" اس نے مؤدبانہ تعمیل کی تھی۔

"رپورٹ.....!" قاسم اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیس نمبر جناب.....؟"

"قیس نمبر.....!" قاسم اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "قیس نمبر بھی تم ہی بتاؤ۔"

"وہ.....وہ.....!" عورت ہکلائی۔

"زیرو ٹو کہاں ہے؟"

"ابھی نہیں تشریف لائے جناب!"

"لاٹ صاحب کا بچہ ہے سالا.....روز لیٹ آتا ہے..... جاؤ..... غیر حاضری لگا دو....."

"بہت بہتر جناب!" اس نے کہا اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی! قاسم اس
چلنے کے انداز کو بڑی لگاوٹ سے دیکھ رہا تھا۔

وہ چلی گئی! دروازہ بند ہونے پر اس نے بڑی لمبی سانس کھینچی تھی۔ پھر کرسی کی پشت
ڈھیر ہو جانے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ انٹر کوم سے آواز آئی۔ "ایک مؤکلہ فوری طور پر ملنا چا

جناب۔"

"زیرو ٹو آیا یا نہیں؟" قاسم نے پوچھا۔

"نہیں جناب.....!"

"اچھا تو تم ہی مؤکلہ سے پوچھ لو کہ انہیں کیا تکلیف ہے۔"

"وہ صرف آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہیں۔"

"ناممکن..... گفتگو میں نہیں قرتا..... زیرو ٹو کرتا ہے۔"

"وہ موجود نہیں ہیں.....!"

"کہہ دو کہ گفتگو والا موجود نہیں ہے۔ پھر کبھی تشریف لائیں۔"

"وہ کسی طرح مانتی ہی نہیں!"

"جوان ہے.....!" قاسم نے منہ چلا کر پوچھا۔

"جی ہاں.....!"

"اچھا تو لاؤ اسے..... مگر گفتگو تم ہی کرو گی۔"

"بہت اچھا جناب!"

قاسم سیدھا ہو بیٹھا اور آنکھوں میں کچھ اس قسم کی خونخواریت پیدا کرنے کی کوشش
نے لگا تھا کہ آنے والی مؤکلہ کانپ کر رہ جائے لیکن ہوا یہ کہ مؤکلہ کی شکل دیکھ کر خود قاسم
گھگھی بندھ گئی..... یہ مؤکلہ خود اسکی اپنی بیوی تھی جس کی لاعلمی میں یہ کھڑاگ پھیلا بیٹھا تھا۔
بوکھلاہٹ میں نہ جانے کون کون سی حرکتیں سرزد ہو جاتیں لیکن اسے فوراً یاد آ گیا کہ وہ
میک اپ میں ہے۔ پہچان تو ہو سکے گی نہیں لہٰذا جی کڑا کر کے خاموش بیٹھے رہو۔

سیکرٹری مؤکلہ کو کرسی پیش کرتی ہوئی بولی۔ "باس صرف سنتے ہیں۔ بولتے نہیں!"

بیوی قاسم کو گھورے جا رہی تھی اور قاسم بھی آنکھیں پھاڑے بیٹھا تھا۔

"آپ اپنا مسئلہ بیان کیجیے!" سیکرٹری بولی۔ "ہم معقول معاوضے پر نہ صرف مسئلے کا
بتاتے ہیں بلکہ عملی طور پر بھی مدد کرتے ہیں۔"

"میرا مسئلہ میرا شوہر ہے۔" قاسم کی بیوی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"کیا آپ طلاق لینا چاہتی ہیں؟"

''ہرگز نہیں!''

''پھر ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟'' سیکرٹری نے پوچھا۔

''میں اپنے شوہر کو پٹوانا چاہتی ہوں۔''

قاسم نے سختی سے دانت بھینچ لئے لیکن دم بخود بیٹھا رہا۔

''ہم کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتے محترمہ۔'' سیکرٹری بولی۔

''ارے یہ تو عین ثواب کا کام ہوگا۔'' قاسم کی بیوی نے قاسم کی طرف دیکھے بغیر کہا

''میں نہیں سمجھی محترمہ!''

''اگر اسکی دونوں ٹانگیں توڑ دی جائیں تو میں فی ٹانگ دس ہزار روپے تک دے سکتی ہوں

''معقول رقم ہے!'' سیکرٹری سنجیدگی سے سر ہلا کر بولی اور قاسم اسے قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔

''تم لوگ اس مسئلے پر اچھی طرح غور کر لو۔'' قاسم کی بیوی اٹھتی ہوئی بولی۔ ''میں پھر آؤں گی۔''

سیکرٹری اسے رخصت کرنے صدر دروازے تک گئی تھی اور پھر قاسم کے کمرے میں واپس آ گئی تھی۔

''کیا خیال ہے جناب؟ رقم تو خاصی ہے۔'' اس نے قاسم سے کہا۔

''خیال......؟ قاسم دہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ اور بھی کہتا لیکن جلد ہی سنبھل گیا۔ وہ اس میک اپ میں صرف باس تھا......قاسم نہیں......!

سیکرٹری اسے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی۔ قاسم کو کچھ نہ سوجھی تو بولا۔ ''قہاں مر گیا زیروٹو......!''

''وہ......وہ......جناب زیروٹو کی یہ حرکت میری سمجھ میں نہ آ سکی!''

''قونسی حرکت؟''

''اس عورت کے پیچھے پیچھے ہی وہ بھی آفس میں داخل ہوا تھا لیکن اس کی شکل دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔''

''ہاں......ہاں......اب تو بھاگے ہی غا سالا......کھیر کھیر......دیخ لوں غا۔''

''میں نہیں سمجھی جناب!''

''چپ رہو......میں قون ہوں؟''

''زیرون جناب!''

''وہ قون ہے؟''

''زیروٹو......!''

''تم کون ہو؟''

''زیروتھری جناب!''

''ٹھیخ ہے......جاؤ اپنا کام کرو!''

''لیکن اس عورت کا مسئلہ......؟''

''مسئلے کی ایسی تیسی......جو کہہ رہا ہوں قرو......!''

وہ کمرے سے چلی گئی اور قاسم کرسی پر گر کر ہانپنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا تھا اور کرائم رپورٹر انور کی شکل دکھائی دی تھی۔

قاسم بھڑک اٹھا۔ ''اتنی دیر سے کیوں آئے؟''

''پہلے تم بتاؤ سب خیریت ہے نا۔'' انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''تم بھاغے قیوں تھے۔ سب سالے مصیبت میں پھنسانے والے ہی ملتے ہیں۔''

''کیا پہچان لیا بیگم صاحبہ نے؟''

''میں نہیں جانتا......!''

''آخر بات کیا تھی......؟ کیوں آتی تھیں!''

''میں قہتا ہوں......خاموش رہو!''

''زیروتھری......!'' انور نے انٹرکوم کی طرف جھک کر سیکرٹری کو آواز دی۔ ''یہاں آؤ......!''

''نہیں۔ یہاں نہیں!'' قاسم دہاڑا۔ ''وہیں جا کر پوچھ لو......!''

انور نے اسے گھور کر دیکھا تھا اور سیکرٹری کے نمودار ہونے سے پہلے ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔

قاسم نے انٹرکوم کا سوئچ آف کیا اور بہ آواز بلند سوچنے لگا۔ ''دیخو سالی اب کیا گل

کھلاتی ہے...... پٹوائیں غی مجھے...... میری ٹانگیں تڑوائیں گی...... ایک ٹانگ کے دس ہزار روپے...... اچھا...... اچھا...... دیکھوں غا۔ ابے ہاں...... میرا جو دل چاہے غا کروں غا... چپاتی سالی بیغم......!''

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ انور واپس آ گیا۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے۔ پھر انور سنجیدگی سے بولا ''تم... سے ہم بزنس کر رہے ہیں۔ آخر آج ہی کیوں......؟''

''میں قیا جانوں......!''

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا اشتہار دیکھ کر آئی ہوں...... سچ مچ تمہاری ٹانگیں تڑوانا چاہتی ہو۔''

''بس بس...... کھاموش......!''

''یا پھر ہو سکتا ہے کہ تمہارے اچانک غائب ہو جانے کی بنا پر انہیں شبہ ہوا ہو۔ آخر مجھے کیوں نہیں بتاتے کہ تین دن کہاں غائب رہے تھے۔''

''ٹاپ سیکرٹ!'' قاسم مسکرا کر بولا۔ ''نہیں بتایا جا سکتا۔ ابے میں جاسوسی کا پہاڑ ہوں۔''

''اگر میری لاعلمی میں اپنے طور پر کچھ کر بیٹھے تو تمہاری پریشان حالی کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔'' انور خشک لہجے میں بولا۔

''میں قہتا ہوں کھاموش رہو۔''

''اور میں کہتا ہوں فی الحال دفتر میں تالا ڈالو اور گھر بیٹھ رہو۔''

''زیرو تھری کا کیا حال ہوگا۔''

''بدستور ملازم رہے گی۔ دفتر بند کر دینے سے اس کی ملازمت پر کیا اثر پڑے گا۔''

''مگر میں دفتر کیوں بند کروں!''

تمہاری بیگم صاحبہ کے توسط سے یہ خبر حمید تک ضرور پہنچے گی اور کرنل صاحب اسے ہرگز پسند نہیں کریں گے۔''

''بہت دیکھے ہیں قرنل ورنل...... میں قیا کسی سے کم ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہمارا یہ بزنس قانونی طور پر جائز نہیں ہے۔''

''اے جاؤ...... کسی اور قو الو بنانا...... قانونی طور پر جائز نہیں ہے...... ہونہہ۔''

''میں غلط نہیں کہہ رہا۔''

''کیا ہم چوری چھپے یہ قام قر رہے ہیں۔ ارے ہمارا اشتہار تو اخباروں میں چھپتا ہے۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو...... میں نے اشتہار ہی کچھ اس قسم کا بنایا ہے کہ عام طور پر ہمارا نفسیاتی مسائل سے متعلق سمجھا جائے لیکن دوسرے ضرورت مند سمجھ لیں کہ ہم اس سے زیادہ کچھ کر سکیں گے لہٰذا ایسے لوگ جو پولیس سے مدد نہیں لینا چاہئے۔ ہمارے پاس آتے ہیں اور تم یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ ہمارے پاس کچھ نفسیاتی مریض بھی آئے ہیں۔ یہ اس ناکام لیڈی ڈاکٹر کو زیرو تھری بنانا پڑا ہے۔ دو ہزار روپے ماہوار وہ اپنی پریکٹس نہیں کما سکتی تھی۔ اپنے مطب میں بیٹھی مکھیاں مارا کرتی تھی۔''

''میں سمجھ غیا۔'' قاسم پر تشویش لہجے میں بڑبڑایا۔

''اس لیے اب مجھ بتا دو کہ تین دن تم کہاں غائب رہے۔''

''ہرگز نہیں بتاؤں غا۔''

''آخر کیوں......؟ ہمارے معاہدے میں رازداری تو نہیں شامل تھی!''

''اے جاؤ...... اب قیا بزنس میں تمہیں یہ بھی بتا دوں غا کہ زیرو تھری مجھ سے محوبت رنے لگی ہے۔''

''دیکھو بیٹے جاسوسی کے پہاڑ...... میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ اس چکر میں نہ پڑنا۔''

''کونسی آفت آ غئی!''

''یہ جو آ کر فی الحال چلی گئی ہے۔ ضرور کوئی آفت لائے گی۔ تم دیکھ لینا۔''

''ابے ہاں...... یہ تو ہے!'' قاسم دفعتاً بدحواس ہو گیا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر بھرائی ہوئی از میں بولا۔ ''اچھی بات ہے! ایک ہفتے کی چھٹی کر دو...... !لیکن زیرو تھری......؟''

''وہ کہیں بھاگی نہیں جاتی۔ شہر ہی میں موجود رہے گی۔''

''اچھا...... اچھا......!''

''میں تو چلا...... تم بھی چلتے پھرتے نظر آؤ۔ زیرو تھری کو سمجھا دوں گا۔''

''مگر بیٹا...... اسے یہ نہ بتانا کہ موکلہ قون تھی...... وہ سمجھتی ہے کہ ابھی میری شادی نہیں

ہوئی!'' قاسم شرما کر بولا۔

لیکن انور اس کی پوری بات سنے بغیر ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔ قاسم نے برا سا منہ کر بند دروازے کو گھونسہ دکھایا اور پھر اس طرح پیٹ سہلانے لگا جیسے مروڑ اٹھی ہو۔

فریدی پر حملہ

''یقین کرو...... میں کچھ بھی نہیں جانتا۔'' حمید نے زچ ہو کر بُرا سا منہ بنایا۔

''تو جناب! خود ان میں تو اس کی صلاحیت نہیں ہے کہ کسی سہارے کے بغیر کوئی ایسا کام کر بیٹھیں۔'' قاسم کی بیوی نے خشک لہجے میں کہا۔

''یہ بھی درست ہے!'' حمید سر ہلا کر بولا۔''اچھا اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جو اس کی سیکرٹری بنی ہوئی تھی۔''

''میں نہیں جانتی...... وہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے۔'''' قاسم نے کچھ نہیں بتایا۔''

''میں نے اسی عورت سے نام پوچھا تھا۔'' قاسم کی بیوی ہنس کر بولی۔''زیرو تھری...!''

''کیا مطلب؟''

''اس نے یہی بتایا ہے...... بہت تیز عورت معلوم ہوتی ہے۔''

''دفتر میں...... اس عورت کے علاوہ کوئی اور بھی تھا۔''

''نہیں...... میں کہتی ہوں حمید بھائی اگر آپ انہیں اس حلیے میں دیکھ لیتے تو کسی طرح بھی اپنی ہنسی نہ روک سکتے۔ یہاں تو سنجیدگی برقرار رکھنے کے سلسلے میں پیٹ میں درد ہو گیا تھا۔''

''تو اب وہ گھر سے باہر نہیں نکل رہا۔''

''جی نہیں! کہتے ہیں ایک ہفتے تک آرام کروں گا۔''

''تم نے اس پر ظاہر تو نہیں ہونے دیا کہ وہ میک اپ میں پہچانا جا چکا ہے۔''

''قطعی نہیں! میں نے اپنے معمولات میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔''

''یہ بہت اچھا کیا۔'' حمید بولا۔

قاسم کی بیوی اسے غور سے دیکھتی ہوئی ہنس پڑی۔

''اوہ! تو تمہیں اب تک یقین نہیں کہ میں اس میں ملوث نہیں ہوں۔''

''کیسے یقین آجائے! انہیں بھی جانتی ہوں اور آپ کو بھی۔''

''سنو! میں اس کا دوست ہوں۔ اسے کسی ایسے کام کی ترغیب نہیں دے سکتا۔ جس کی بنا پر وہ قانون کی گرفت میں آجائے۔''

''قانون تو آپ لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا ہے۔''

''اب مجھے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔'' حمید ناخوشگوار لہجے میں بولا۔''کیا تم مجھے اس عمارت کا پتا بتا سکو گی جہاں اس نے گاڑی تبدیل کی تھی اور میک اپ کیا تھا۔''

''آپ نہیں جانتے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

''بس اب اس مسئلے پر گفتگو نہیں ہوگی۔'' حمید بھڑک اٹھا۔

قاسم کی بیوی ٹٹولنے والی نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''چلئے یقین آگیا کہ آپ لاعلم ہیں!'' اس نے بالآخر کہا اور حمید نے ایک طویل سانس لی۔

آج قاسم کی بیوی نے اسے فون کر کے گھر نہیں بلایا تھا بلکہ خود آئی تھی...... فریدی گھر میں موجود نہیں تھا۔

''سوال تو یہ ہے کہ تمہیں دفعتاً اس حد تک شبہ کیوں ہوا کہ تم اس کے تعاقب میں نکل کھڑی ہوئیں۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد سوال کیا۔

''بغیر بتائے تین دن گھر سے غائب رہے تھے۔'' قاسم کی بیوی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔''مجھے یقین ہے کہ یہ سلسلہ بہت دنوں سے جاری ہے۔''

''یہ کس بنا پر کہہ سکتی ہو؟''

''دفتر جانا دو تین دن کی بات نہیں اور اب تو میں نے اشتہارات کے تراشے بھی اکٹھا کر لئے تھے۔ ان میں تین ماہ قبل کے اشتہارات بھی شامل ہیں۔ ادارے کا نام ''راز دار'' ہے۔''

''راز دار حمید۔'' حمید چونک پڑا۔

''کیوں؟ کیا بات ہے!'' وہ اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"وہ تو کسی ماہر نفسیات کا کھڑاگ ہے۔"

"جی نہیں!"

ارے ہاں...... لیڈی ڈاکٹر فوزیہ کا ادارہ ہے۔ اس دوران میں کئی پارٹیوں میں اُس سے ملاقات ہو چکی ہے۔ ذہنی امراض کی معالج ہے "راز دار" اسی کا اسٹیبلشمنٹ ہے۔

"ذرا حلیہ تو بیان کیجئے اس لیڈی ڈاکٹر کا۔"

حمید لیڈی ڈاکٹر فوزیہ کا سراپا بیان کرنے لگا۔

"آپ زیرو تھری کا حلیہ بیان کر رہے ہیں۔" وہ اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"اگر یہ بات ہے تب تو پھر مجھے سنجیدہ ہونا پڑے گا۔"

"چلئے...... میں آپ کو وہ عمارت دکھاؤں...... جہاں سے وہ حضرت میک اپ میں برآمد ہوئے تھے۔"

"ضرور چلوں گا۔"

"قفل شکنی کے آلات بھی رکھ لیجئے گا۔ عمارت مقفل ہی ہوگی۔"

عمارت گھنی آبادیوں سے دور واقع تھی۔ وہاں پہنچ کر حمید کو ایسی تدبیروں سے قفل کھولنا پڑا تھا کہ اسے دوبارہ بند بھی کیا جا سکتا۔

وہاں ایک کمرے میں میک اپ کے سامان اور ملبوسات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ شائد دوسرے کمرے استعمال ہی نہیں کئے گئے تھے۔

"ناممکن......" حمید بڑبڑایا۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" قاسم کی بیوی اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"بلاشبہ وہ اپنے طور پر اس حد تک نہیں جا سکتا۔"

"میں سمجھتی ہوں...... اسی لئے تو خیال آپ کی طرف گیا تھا۔"

"شہر میں اونٹ بدنام......!"

"بہرحال میں کچھ نہیں جانتی۔ اس معاملے کو آپ ہی دیکھیں گے۔"

"ایک آدمی ایسا بھی ہے۔ جس نے ایک آدھ بار اسے اپنی مقصد برآری کے لئے استعمال کیا۔

"کون ہے؟"

"لیکن وہ مشکل ہی سے اعتراف کرے گا۔"

"مجھے بتائیے نا کون ہے؟"

"اسٹار کا کرائم رپورٹر انور......!"

"وہ رشیدہ والا......!"

"ہاں...... وہی...... اگر تم اس کے منہ پر تھوڑا سا جھوٹ بول سکو تو میں اگلوا لوں گا۔"

"میں نہیں سمجھی!"

"بتاتا ہوں......" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا تم نے اسے کبھی دیکھا ہے۔"

"قاسم صاحب کے پاس تصویر دیکھی تھی۔"

"یعنی اسے دیکھ کر پہچان لوگی۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"بہرحال اسے دیکھتے ہی تمہیں بیساختہ کہنا ہوگا کہ یہی صاحب تھے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"تم نے اسے "راز دار" کے آفس میں دیکھا تھا۔"

"مگر میں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... تمہیں کہنا یہی ہوگا کہ وہاں تمہیں دیکھتے ہی کھسک گیا تھا۔ شائد سمجھا تھا کہ تمہاری اس پر نظر نہیں پڑی۔"

"اوہ...... میں سمجھ گئی...... لیکن اس کی جرح کے جواب میں گڑبڑا گئی تو؟"

"تمہیں صرف اتنا ہی کہنا پڑے گا۔ اس کے بعد تم اس کی کسی بات کا جواب نہ دوگی۔"

"ٹھیک ہے...... میں تیار ہوں......!"

انور اتفاق سے آفس ہی میں مل گیا۔ حمید اور قاسم کی بیوی کو دیکھ کر بری طرح چونکا تھا۔ پھر ایسا نظر آنے لگا تھا جیسے قاسم کی بیوی کو پہلی بار دیکھا ہو۔

"آپ کی تعریف؟" وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا اور قاسم کی بیوی بولی۔ "یہی صاحب تھے۔"

حمید انور کو گھورے جا رہا تھا۔

"کیا قصہ ہے؟" اس نے بھی تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"راز دار؟" حمید نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا بکواس ہے!"

"اس بار تمہیں نہیں بخشوں گا۔ شائد کرنل صاحب بھی اس معاملے میں دخل اندازی نہ کر سکیں۔" حمید نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"آؤ چلیں!" حمید نے قاسم کی بیوی سے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"بات تو سنو!" انور اٹھتا ہوا بولا۔

"وقت نہیں ہے..... آفس میں طلب کر کے سنوں گا۔"

انور نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

یہ دونوں نکلے چلے آئے۔

"اب کیا ہوگا۔" قاسم کی بیوی نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس میں اسی کا ہاتھ ہے۔ لیکن شائد اسے ثابت نہ کیا جا سکے۔ اس کا انحصار قاسم کے اعتراف ہی پر ہوگا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"الجمہوریہ کا وہ اپارٹمنٹ قاسم کے نام سے حاصل نہ کیا گیا ہوگا۔ خیر میں دیکھوں گا۔"

"وہ ڈاکٹر فوزیہ!"

"تم جانتی ہی ہو کہ قاسم لحیم شحیم عورتوں کے پیچھے کس طرح بھاگتا ہے۔"

"میں دیکھ لوں گی اس کتیا کو بھی۔"

"تمہیں مزید دخل اندازی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اب یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ قاسم کی دانست میں ایسی ہی بنی رہو۔ جیسے تم نے اسے راز دار کے دفتر میں پہچانا نہیں تھا۔"

"میرا تو خون کھول رہا ہے۔"

"خود کو قابو میں رکھ۔ ورنہ وہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔ عاصم صاحب نے بھی آخر کار ٹھیک

ے ڈھیل دے دی ہے۔ آج کل تمہارے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ کیا فائدہ کہ تم اپنا
بھی کھو بیٹھو۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

حمید کا خیال درست نکلا۔ الجمہوریہ میں "راز دار" کا دفتر قاسم کے نام پر نہیں حاصل کیا گیا
س کی کرایہ دار ڈاکٹر فوزیہ تھی اور وہ عمارت ...... جہاں قاسم بھیس بدلا کرتا تھا۔ اس کے اپنے
ہی کی ملکیت ثابت ہوئی۔ حال ہی میں خریدی گئی تھی۔ کرائے کے لیے خالی تھی لیکن عاصم
اب کی لاعلمی میں اس پر سے "Tolet" بورڈ ہٹا دیا گیا تھا۔

حمید نے انور کو سچ مچ اپنے آفس میں طلب کر لیا۔ وہ آیا تھا اور مضحکہ اڑانے والے انداز
ں بولا تھا۔ "وقت ضائع کر رہے ہو۔ میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہ کر سکو گے۔ قاسم کی بیوی
نے مجھے وہاں ضرور دیکھا ہوگا۔"

"تمہیں اعتراف ہے۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"گلے گلے پانی میں۔"

"کیا یہ ثبوت نہیں ہے۔"

"کس بات کا.....؟"

"تم لوگوں نے غیر قانونی طور پر سراغ رسانی کا ادارہ قائم کر رکھا ہے۔"

"ہوش کے ناخن لو پیارے شرلاک! ڈاکٹر فوزیہ میری معالج ہے۔ آج کل میری ذہنی
الت ٹھیک نہیں ہے۔ دو ماہ سے اس کے زیر علاج ہوں۔"

"قاسم کا وہاں کیا کام؟"

"میں کیا جانوں..... ہو سکتا ہے اس نے بھی اپنے علاج کے سلسلے میں ڈاکٹر فوزیہ سے
رجوع کیا ہو۔"

"نہیں چلے گی۔"

"یہ تو ایسی چلے گی پیارے شرلاک کہ تمہیں دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔"

حمید نے بے بسی سے طویل سانس لی۔ اسے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ نہیں چلے
نا۔ پھر بھی دھونسانے کے لیے اسے طلب ہی کر لیا تھا۔ اس طرح کم از کم قاسم کی بیوی کی پریشانی

تو رفع ہو سکتی تھی۔ ظاہر تھا کہ ان حالات میں خود انور قاسم کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا۔

بہر حال وہ اب بھی انور کو خونخوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

"اور کچھ......؟" انور نے طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تم جا سکتے ہو!"

"لیکن اب اگر تم نے پھر کبھی اس طرح مدعو کیا تو تمہارے لیے ایک عدد جھنجھنا ٹافیوں کا ڈبہ ضرور لاؤں گا۔"

حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ انور جاتے جاتے دروازے کے قریب رک کر ایک بار اس کی طرف مڑا تھا اور بائیں آنکھ دبا کر باہر نکل گیا تھا۔

"دیکھوں گا بیٹا تم کو......!" حمید گردن جھٹک کر بڑبڑایا۔

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے بے دلی سے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز سن کر چہرے پر کسی قدر بحالی کے آثار نظر آئے تھے۔

"میں ائیر پورٹ پر تمہارا منتظر ہوں۔"

"ایسی کوئی بات طے تو نہیں تھی۔" حمید بولا۔

"ایمرجنسی...... چھ بجے والی فلائٹ سے رام گڑھ روانہ ہونا ہے۔"

"یونہی اٹھ کر چلا آؤں۔"

"نہیں! میرا اور اپنا سوٹ کیس بھی لیتے آنا۔ جلدی کرو وقت کم ہے۔"

"زیادہ عرصہ قیام رہے گا۔"

"فی الحال یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہری اَپ!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی اور حمید نے پُر تفکر انداز میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر قاسم کے نمبر ڈائیل کئے۔ اس کی بیوی کو صورت حال سے مطلع کرنا چاہتا تھا لیکن دوسری طرف سے قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

"میں انور بول رہا ہوں۔" حمید نے انور کی آواز بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "گھر سے باہر قدم نہ نکالنا۔"

"قیوں؟ اتنے ڈرپوق ہو غئے ہو پیارے...... ہی ہی ہی ہی......!"

"تمہاری بیوی سارے شہر میں زیرو تھری کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ اگر پولیس کو علم ہو گیا تو غضب ہو جائے گا۔"

"اوہ...... تو یہ بات ہے۔" قاسم آہستہ سے بولا۔ "ابھی ابھی کہیں سے واپس آئی ہے۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہا۔" حمید طویل سانس لے کر بولا۔

"لیقن اس نے مجھ سے تو قچھ نہیں کہا۔ پہچان ہی نہیں سکی تھی۔"

"اس وہم میں نہ رہنا۔ بہت چالاک عورت ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ کو تلاش کر لینے کے بعد تمہاری خبر لے گی۔"

"امے یہ عورت مجھے پاگل قر دے غی۔ میں کہاں مر جاؤں۔"

"دوسری عورت کا خیال ترک کرو!"

"میں زیرو تری کے بغیر زندہ نہیں رہ سقتا...... سمجھے زیرو ٹو......!"

حمید پر معنی انداز میں سر کو جنبش دے کر بولا۔ "عورت کے بغیر زندہ رہنا سیکھو۔"

"نہیں سیکھتا!" دوسری طرف سے قاسم دہاڑا۔ "قیا تم عورت کے ابا میاں ہو......!"

"تمہارے بھلے کو کہتا ہوں۔"

"میرے بھلے کی ایسی تیسی...... پہلے سالے تم نے مجھے جنجال میں پھنسایا اب جیرو تھری سے چھڑا دینا چاہتے ہو۔ میں سمجھ غیا...... میری بیوی کو بھی تمہی نے اطلاع دی ہو غی...... چار سو بیس سالے...... جانتے ہو میرے بیاسی ہزار خرچ ہوئے ہیں!"

"جہنم میں جاؤ!" کہہ کر حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

پھر وہ ہنس پڑا تھا۔ قاسم کو مزید پریشان کرنے کے لیے ایک پلاٹ اس کے ذہن میں جنم لے رہا تھا۔ لیکن فی الحال وہ اسے عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔ خیر واپسی پر سہی...... اس نے سوچا اور گھر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ ساڑھے پانچ بجے تک اسے ائیر پورٹ پہنچنا تھا۔ دفتر کے دروازے ہی تک پہنچا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ پھر میز کی طرف پلٹ آیا۔

"ہیلو...... حمید اسپیکنگ!" اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

دوسری طرف سے سارجنٹ شاہد کی آواز سنائی دی۔ "فوراً ائیر پورٹ پہنچئے! کسی نے فائر کر کے کرنل فریدی کو زخمی کر دیا ہے۔"

''کیا بکواس ہے۔'' حمید بوکھلا کر بولا۔

''گولی بائیں بازو میں لگی ہے۔''

''خدا کی پناہ! میں پہنچ رہا ہوں۔'' حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہ رہ سکے گا۔

ٹماٹر

پتا نہیں کس طرح وہ ائر پورٹ پہنچا تھا۔ دفتر سے سیدھا ادھر ہی نکلا چلا گیا تھا۔ اس خبر کے بعد سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ وہ سوٹ کیسوں کے لیے گھر بھی جاتا۔

فریدی نے اس دوران میں اس سے کسی اہم معاملے کا بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ ان کے پاس کوئی ایسا کیس بھی نہیں تھا جس کے سلسلے میں اچانک رام گڑھ جانے کی ضرورت پیش آ سکتی۔ پھر یک بیک رام گڑھ کا سفر کیا معنی رکھتا تھا اور یہ حملہ ایئر پورٹ ہی پر ہوا تھا جب کہ وہ چھ بجے والی فلائٹ سے رام گڑھ جانے والے تھے۔

سارجنٹ شاہد ایئر پورٹ پر موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ ایمبولنس کار فریدی کو پولیس ہاسپٹل لے گئی ہے۔

''لیکن یہ ہوا کیسے...... بازو کی ہڈی تو متاثر نہیں ہوئی۔''

''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ فائر سائیلنسر لگے ہوئے ریخ پستول سے کیا گیا تھا۔''

''جس وقت گولی لگی...... وہ کہاں تھے؟''

''کسی کو فون کر کے ٹیلیفون بوتھ سے برآمد ہو رہے تھے۔''

''کون سا بوتھ ہے...... مجھے دکھاؤ۔''

''وہ بعد میں دیکھیے گا۔ کرنل صاحب نے کہا تھا کہ جیسے ہی آپ یہاں پہنچیں آپ کو پولیس ہاسپٹل بھیج دیا جائے۔'' شاہد نے کہا۔ یہ ابھی حال میں ہی فریدی کی ماتحتی میں آیا تھا۔ خوش شکل توانا اور جوان العمر تھا۔

38

''یہاں کون چھان بین کر رہا ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''ابھی تو کوئی بھی نہیں۔ صرف میں ہی ہوں۔ پہلے سے کرنل صاحب کے ساتھ تھا۔''

''ہوں...... اچھا تو تم یہیں ٹھہرو...... میں ابھی واپس آتا ہوں۔ اس بوتھ کے قریب کسی کو بھی نہ جانے دینا۔''

''پہلے ہی اس کا انتظام کر چکا ہوں۔ دو ڈیوٹی کانسٹیبل اس کے سامنے موجود ہیں اور اس جگہ سے بھی لوگ ہٹا دیئے گئے ہیں۔ جہاں سے فائر کیا جا سکتا ہے۔''

''کنڈیشن کیسی ہے؟''

''وہی جو کسی زخمی شیر کی ہو سکتی ہے۔'' شاہد طویل سانس لے کر بولا۔

اس کے بعد حمید ہاسپٹل کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ شاہد کے آخری جملے نے اسے بڑی ڈھارس بندھائی تھی کہ حالت بہتر ہی ہو گی۔ بیہوش ہو جانے والوں کو زخمی شیر نہیں کہا جا سکتا۔

ہاسپٹل پہنچتے ہی اپنے اندازے کی تصدیق بھی ہو گئی۔ اس نے فریدی کو آرام کرسی پر نیم دراز پایا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''کوئی خاص بات نہیں۔ ہڈی محفوظ ہے۔'' اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''حملہ آور نے شائد دل کا نشانہ لیا تھا۔ لیکن ٹریگر دباتے وقت ہاتھ بہک گیا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

''کیا دل ہی دل میں مجھے برا بھلا کہہ رہے ہو۔'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''نہیں! سوچ رہا ہوں کہ مجھ سے راز داری برتنے کا انجام یہی ہونا چاہیے۔''

''کیسی راز داری؟''

''آخر اچانک رام گڑھ کا پروگرام کیسے بن گیا تھا۔''

''ایک بجے تک مجھے علم نہیں تھا کہ رام گڑھ جانا پڑے گا۔''

''بہر حال اس طرح آپ کو رام گڑھ جانے سے روک دیا گیا۔''

''ضروری نہیں ہے کہ یہی بات ہو۔ حملہ آور ہاتھ نہیں آ سکا۔ فائر بے آواز تھا اور مجھے یقین ہے کہ ٹیلیفون بوتھ کے سامنے والے ٹوائلٹ سے کیا گیا تھا، جس کا دروازہ کسٹم چیک پوسٹ کی طرف بھی کھلتا ہے۔''

''معاملے کی نوعیت کا علم ہوئے بغیر میں آپ سے متفق نہیں ہوسکتا۔''

''کیوں.....؟''

''ضروری نہیں کہ آپ کا کوئی غیر متعلق دشمن آپ پر اسی دوران میں حملہ آور ہو جب آپ کسی فوری ضرورت کے تحت رام گڑھ جا رہے ہوں۔''

''کام فی الحال نجی ہی ہوسکتا ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''میں کسی سرکاری کام سے رام گڑھ نہیں جا رہا تھا۔''

''بات کو طول دے کر آپ میری الجھنوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔''

''بیٹھ جاؤ!'' فریدی نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آج ایک بجے خان دارا کا ایک خصوصی قاصد اس کا خط لایا تھا۔''

''خان دارا.....!'' حمید چونک پڑا۔

ہاں..... یہ دیکھو!'' فریدی نے ایک لفافہ جیب سے نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

خان دارا نے لکھا تھا۔

کرنل فریدی!

میرے دادا اور تمہارے دادا ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ تمہارے باپ کا دل میرے باپ کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے کبھی اس دشمنی کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا۔ تم ان خاندانی رنجشوں کے قائل نہیں تھے۔ دادا کا انتقام پوتے سے لینے کو غیر انسانی فعل سمجھتے تھے۔ لیکن لارڈ زوپن ڈیل والے کیس[1] میں تم نے مجھے بھی شامل کر لیا.....زوپن ڈیل نے عدالت میں سارا الزام اپنے سر لے لیا اور میں باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔ تم چاہتے تو مجھ پر دوسرے الزامات عائد کر کے میری گلو خلاصی کو ناممکن بھی بنا سکتے تھے۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ مجھے تم سے شرمندگی تھی۔ اس لیے کبھی تمہارا سامنا نہیں کر سکا۔ ہو سکتا ہے تم

[1] اس داستان کیلئے ''دھواں ہوئی دیوار'' جلد نمبر 35 ملاحظہ فرمائیے۔

نے اسے میری نسلی اکڑ پر محمول کیا ہو۔ بہرحال یہ بھی حقیقت ہے کہ میں اس کیس میں پوری طرح ملوث تھا لیکن تم نے عدالت کے فیصلے کو چیلنج نہیں کیا تھا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے نا کہ تم ذاتی طور پر مجھ سے کوئی پرخاش نہیں رکھتے۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ تم میری موجودہ پریشانی رفع کرنے میں میری مدد کرو گے۔ مجھے یقین ہے اس پریشانی سے مجھے تمہارے علاوہ اور کوئی نجات نہیں دلا سکتا۔ میں خود آتا لیکن اس پریشانی کی بناء پر یہاں سے ہل بھی نہیں سکتا۔ کیا میں امید کروں کہ تم پچھلی ساری باتوں کو بھلا دو گے۔

''خان دارا''

حمید نے خط ختم کر کے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''اب تم اور شاہد رام گڑھ جاؤ گے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''اور مجھے خان دارا سے ملنا پڑے گا۔''

''اس کی تشفی کے لیے۔ اس سے کہہ دینا کہ میں کسی وقت بھی پہنچ سکتا ہوں۔ تم اسے بتا سکتے ہو کہ فی الحال میری بجائے تم کیوں پہنچے ہو۔ اگر وہ خود اپنی اس پریشانی کا ذکر کرے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ کسی قسم کی پوچھ گچھ مت کرنا۔''

''لیکن یہ شاہد کیوں؟ اپنی سالیوں کے قصے سنا سنا کر مجھے زندہ درگور کر دے گا۔''

''وہ ساتھ جائے گا۔'' فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

''جیسی آپ کی مرضی!''

''لیکن اب روانگی کی دوسری صورت ہوگی۔ عادل آباد تک کار سے سفر کرو گے اور وہاں ایئرپورٹ پر ایک آدمی تمہارا منتظر ہوگا، جو پہلی فلائٹ سے تمہیں رام گڑھ بھجوا دے گا۔ وہ خود ہی تمہیں پہچان کر مل بیٹھے گا۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں!''

اس سے رخصت ہو کر حمید نے گھر کی راہ لی۔ یہ حملہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ خان دارا کا خط اس سے زیادہ چونکا دینے والا تھا لیکن حملے میں خود اس کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ وہ تو اس خط کے بغیر بھی حملہ کرا سکتا تھا۔ کسی کو شبہ بھی نہ ہو پاتا کہ حملہ خان دارا کی طرف سے ہوا ہوگا۔

گھر پر شاہد اس کا منتظر تھا۔ اس نے سب سے پہلے فریدی کی خیریت معلوم کی۔ پھر
بولا تھا۔ ''شائد معاملہ دبا دیا گیا ہے۔''

''کیسا معاملہ؟''

''ارے کرنل صاحب پر حملہ ہوا اور بات آئی گئی ہو گی۔ بھلا کیا بات ہوئی۔ میں نے
کو فون پر اطلاع دے دی تھی۔ سنتے ہی رو پڑی۔''

''اس کی اطلاع بھی دے دی سالی کو؟'' حمید نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''کک......کیوں......کیا غلطی کی!''

''باہر کے معاملات پر سالیوں سے گفتگو کرنے والے گدھے ہوتے ہیں۔''

''وہ تو کرنی ہی پڑتی ہے۔ شائد اسی لیے آپ نے بیوی نہیں پالی۔''

''فضول باتیں نہ کرو......کیا تم تیار ہو!''

''جی ہاں! روانگی کس وقت ہو گی۔ کرنل صاحب نے فون پر کہا تھا کہ عادل آباد تک سفر
بائی روڈ ہو گا۔''

''ویسے یہ بتاؤ! رام گڑھ میں بھی تو تمہاری کوئی سالی نہیں رہتی۔''

''سالی کی نند رہتی ہیں۔'' شاہد خوش ہو کر بولا۔ ''کفل بالا میں آپ کو ملواؤں گا ان
سے......بہت خوش اخلاق ہیں!''

''کتنے بچے ہیں؟'' حمید نے اسے قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پانچ تو تین سال پہلے تھے......اب کی نہیں معلوم۔''

''آٹھ ہو چکے ہوں گے۔'' ''اس حساب سے تو آٹھ ہی ہونے چاہئیں۔''

''کس حساب سے۔'' حمید پھر غرایا۔

''سالانہ ہائے ہائے کے حساب سے۔'' شاہد کہتے کہتے ہنس پڑا۔

''دانت بند کرو اور سامان گاڑی میں رکھواؤ......جس عورت کے آٹھ بچے ہوں وہ خوش
اخلاق ہو ہی نہیں سکتی۔''

شاہد نے سامان گاڑی میں رکھوایا تھا اور وہ عادل آباد کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ حمید
ڈرائیو کر رہا تھا اور شاہد اگلی سیٹ پر اس کے برابر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ حمید نے خاموشی ہی میں عافیت

فی ورنہ بات خواہ کہیں سے شروع ہوئی ہو اس کا اختتام شاہد کی سسرال ہی پر ہوتا۔ بکواس
ت کرتا تھا۔ ہر وقت بولتے ہی رہنا چاہتا تھا۔ خاموشی کے عالم میں عجیب سا کرب اس کی
ں سے جھانکنے لگتا تھا۔

اس وقت بھی یہی حالت تھی۔ کنکھیوں سے حمید کی طرف دیکھتا اور پہلو بدلنے لگتا۔ حمید اس
ی کیفیت سے بے خبر نہیں تھا۔ دفعتاً شاہد بول ہی پڑا۔

''میرے سسر صاحب اس بڑھاپے میں بھی بڑی اچھی 'ڈرائیونگ' کرتے ہیں۔''

''اے باپ دادا بھی ہیں تمہارے یا پیدائش بھی سسرال ہی میں ہوئی تھی؟''

''بہت اچھے ہیں کیپٹن!'' شاہد نے برا مانے بغیر کہا۔

''برا کون ہے اس دنیا میں......!''

''اچھا تو آپ اپنا ہی کوئی قصہ سنایئے۔ خاموشی سے میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔''

''میرا کوئی قصہ نہیں آج کل۔ لڑکیاں اتنی موڈرن ہو گئی ہیں کہ شلجم لگنے لگی ہیں۔''

''شلجم......؟ کیا بات ہوئی......میں نہیں سمجھا۔''

''میرے لیے قطعی سکس اپیل نہیں رکھتیں۔ عورت میں نسائیت نہ ہو تو اسے شلجم ہی تو کہیں گے۔''

''یہاں آپ میرے چچیا سسر سے بالکل متفق ہیں۔''

''یہ چچیا سسر کیا چیز ہے؟''

''سسر کے بھائی کو چچیا سسر کہتے ہیں......سسر کے سالے کو ممیا سسر کہتے ہیں۔ سسر کے......!''

''شٹ اپ!''

''اوہ......کھی کھی کھی کھی......'' وہ شرمندگی سے ہنسا۔

''ایک بات سمجھ میں نہیں آتی!'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''جی......کیا بات!''

''تم اپنی بیوی کا ذکر کبھی نہیں کرتے۔''

شاہد ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

''کیوں؟ کیا بات ہے؟'' حمید اسے کنکھیوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''بیوی؟ بیوی کا دو سال ہوئے انتقال ہو گیا۔''

"اوہ...... مجھے افسوس ہے۔" حمید نے کہا لیکن سوچنے لگا کہ پھر آخر سسرال کیوں؟

"کیا بیماری تھی؟" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں...... اچھی بھلی تھی...... امرود کے درخت پر سے گر پڑی تھیں۔"

"امرود کے درخت پر سے......؟"

"جی ہاں...... شاخ ٹوٹ گئی تھی۔"

"درختوں پر چڑھنے کا شوق تھا؟"

"جی نہیں بچپن ہی سے عادت تھی۔ کسی بات پر غصہ آتا تو درخت پر چڑھ کر بیٹھ جاتی تھیں۔"

"میں ہوتا تو آس پاس کے سارے درخت کٹوا دیتا۔"

"درخت کٹوا دینے کی دھمکی پر بیہوشی کے دورے پڑنے لگتے تھے۔"

"کوئی نفسیاتی مرض تھا۔"

"میری ساس صاحبہ تو کہتی ہیں کہ آسیب تھا۔"

"تم پڑھے لکھے آدمی ہو کہ ایسی باتیں کرتے ہو۔"

"وائرس اور جراثیم بھی تو نہیں دکھائی دیتے، لیکن ان کا وجود ہے۔ اسی طرح آسیب بھی ہوتا ہوگا۔"

"منطق کو تو سسرالی نہ بناؤ۔"

وہ پھر غمزدہ سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔

نو بجے رات کو وہ عادل آباد پہنچے اور حمید نے گاڑی ائر پورٹ پر روکی تھی۔

ایک ایسا شخص وہاں ان کا منتظر تھا جسے حمید نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن اس نے انہیں حیرت انگیز طور پر پہچانا تھا۔ گاڑی رکتے ہی تیر کی طرح ان کی طرف آیا تھا۔

انہوں نے رات کا کھانا بھی اسی کے ساتھ کھایا اور گیارہ بجے والی فلائٹ سے رام گڑھ کی طرف پرواز کر گئے۔

ڈیڑھ بجے رام گڑھ پہنچے۔ وہاں بھی ایک ایسا آدمی موجود تھا، جو انہیں شب بسری کی جگہ تک لے گیا۔ یہ بھی حمید کے لیے اجنبی ہی تھا۔

"شاہد صاحب یہیں مقیم رہیں گے اور آپ صبح کو وادی گلبار کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔"

نی نے حمید سے کہا۔

"لیکن مجھ سے یہ تو نہیں کہا گیا تھا۔"

"کرنل صاحب کی ہدایت کے مطابق عرض کر رہا ہوں۔" اجنبی آہستہ سے بولا۔ پھر وہ ہیں اسی عمارت میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

"یہ تو بہت برا ہوا" شاہد بولا۔

"مجھے تمہاری سسرال سے نجات ملی۔ خدا کا شکر ہے۔"

شاہد کچھ نہ بولا۔ وہ کسی قدر مغموم نظر آنے لگا تھا۔ حمید نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔ "کوئی ری نظر میں ہو تو بتاؤ پیغام بھجوا دیا جائے۔ دوسری سسرال بناؤ۔"

"معافی چاہتا ہوں۔ اب نہیں کروں گا...... ان لوگوں کی باتیں۔" شاہد نے دل برداشتگی ے ساتھ کہا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں اسے سونا تھا۔

حمید برا سا منہ بنائے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوا اور مسہری کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کوئی لجلجی سی چیز چہرے سے ٹکرا کر پھٹ گئی۔ وہ اچھل کر پیچھے ہٹا۔ لیکن پھر وہی ہوا...... پلپلے ٹماٹر تھے...... جس سے اس کی مدارات ہو رہی تھی۔

سلاخوں دار کھڑکی کے قریب ایک خوبصورت ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔

"ٹھہر تو جانا......" حمید دہاڑتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن برآمدے تک پہنچتے پہنچتے پوری عمارت دفعتاً تاریک ہو گئی۔

جھکی باپ

شائد مین سوئچ آف کر دیا گیا۔ اس کے باوجود بھی حمید برآمدے تک پہنچ ہی گیا۔ تاروں کی چھاؤں میں ایک سایہ سا دوڑا جا رہا تھا۔ حمید نے برآمدے سے نیچے چھلانگ لگائی اور سائے کے پیچھے دوڑنے لگا۔ دفعتاً سایہ چیخنے لگا۔ "ڈیڈی ڈیڈی! بھوت نہیں ہے...... بھوت ہوتا تو غائب ہو جاتا...... وہ تو میرے پیچھے دوڑا آ رہا تھا۔"

یہ کسی لڑکی کی آواز تھی۔ حمید کی رفتار سست ہونے لگی۔

پھر دور سے کسی مرد کی آواز آئی۔ ''آنے دو..... سر پھاڑ دوں گا۔ میرے ہاتھ میں ڈنڈا ہے۔''

ادھر عقب سے شاہد پکار رہا تھا۔ ''کیپٹن..... کیپٹن..... آپ کہاں ہیں۔ کیا بات ہے؟''

''بھوتنی معلوم ہوتی ہے!'' حمید دہاڑا۔

''خبردار.....!'' دور سے مردانہ آواز آئی۔ ''ٹھہر جاؤ..... ورنہ گولی مار دوں گا۔''

''ڈنڈے سے.....؟'' حمید نے چیخ کر پوچھا۔

پھر اس نے سائے کو رکتے دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے قریب ایک اور سائے کا اضافہ ہوگیا۔

ادھر شاہد بھی حمید کے پاس آ پہنچا تھا۔ ان سے دونوں سایوں کا فاصلہ اتنا ہی تھا کہ وہ ان کی گفتگو صاف سن سکتے تھے۔

''آؤ..... آؤ..... رک کیوں گئے۔'' نسوانی آواز نے انہیں مخاطب کیا۔

''ڈنڈا ہے نا تمہارے ڈیڈی کے ہاتھ میں!'' حمید بولا۔

''تم کون ہو؟'' مردانہ آواز آئی۔

''تمہاری بیٹی مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔ اسی سے پوچھو۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب بھی وہی بتائے گی۔''

''میں کیا جانوں۔'' لڑکی تنک کر بولی تھی۔

''اچھا..... اچھا..... ختم کرو.....!'' مردانہ آواز آئی۔ ''ہم تمہیں بھوت سمجھے تھے۔ لیکن تم بھوت نہیں معلوم ہوتے۔''

''میں نے آج تک نہیں سنا کہ بھوتوں پر ٹماٹر پھینکے جاتے ہوں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''تم کوئی بھی ہو ہمیں افسوس ہے۔'' مردانہ آواز آئی۔

''شکلیں دیکھے بغیر معاف نہیں کر سکتا۔''

''میں بھی تمہاری شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔'' مردانہ آواز میں اس بار غضبناک تھی۔

''اچھی بات ہے..... تو چلو میرے ساتھ۔''

دونوں سائے ان کی طرف بڑھنے لگے اور حمید نے شاہد سے کہا۔ ''تم مین سوئچ آن کر دو۔''

وہ تیزی سے برآمدے کی طرف پلٹ گیا۔ مین سوئچ آن ہوتے ہی برآمدے کا بلب بھی روشن ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ برآمدے میں کھڑے ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے۔ لڑکی بیس اکیس سال کی رہی ہو گی۔ شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھی۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں خمار آلود تھیں۔ مجموعی طور پر خاصی دلکش تھی۔ مرد چالیس اور پچاس کے درمیان تھا۔ جسمانی ساخت کے لحاظ سے طاقتور اور توانا معلوم ہوتا تھا۔

''تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟'' اس نے حمید کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بھوت ہیں! مرگھٹ سے آئے ہیں!''

''آدمیت کے جامے میں رہ کر گفتگو کرو۔''

''آخر اس لڑکی نے مجھ پر پلپلے ٹماٹر کیوں پھینکے تھے۔ تم دیکھ رہے ہو میرا حلیہ!'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ تم بھوت نہیں ہو!''

''اور تم بھوت سمجھے تھے۔''

لڑکی کے باپ نے سر کی جنبش سے اقرار کیا۔

''کس بنا پر؟''

''یہ عمارت ہمیشہ بند رہتی ہے۔ کبھی کبھی رات کو اس کی کھڑکیاں روشن نظر آتی ہیں اور پھر ویرانی..... اتفاق سے ایک روشن کھڑکی میں آج تم دکھائی دیئے۔ ہم سامنے والے بنگلے میں رہتے ہیں! نوشی کتنی بے خوف ہے تم نے دیکھ ہی لیا۔''

''نوشی کیا چیز ہے جناب؟'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ..... یہ..... اس کا نام نوشی ہے۔'' اس نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بڑی خوشی ہوئی۔'' حمید چہک کر بولا۔ ''میرا نام خوردنی ہے اور یہ میرا ساتھی کشیدنی ہے۔'' اس نے شاہد کی طرف ہاتھ اٹھایا تھا۔

''کیا تم میرا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔ میں خانزادہ اشرف ہوں۔''

''اندر تشریف لے چلئے خانزادہ صاحب، آپ کی صاحبزادی نے مجھے تباہ کر دیا اور آپ الٹا مجھے الزام دے رہے ہیں۔''

''چلو.....چلو.....اس حماقت کی تلافی کر دیا جائے۔'' خانزادہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔ حمید انہیں اپنے بڈ روم تک لیتا چلا آیا تھا۔

''یہ دیکھئے! بستر بھی تباہ ہو گیا ہے۔''

''مجھے افسوس ہے۔'' خانزادہ بولا۔ لیکن لڑکی کی آنکھوں میں شوخ سی چمک تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اپنے کارنامے پر بیحد مسرور ہو۔

''آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ اس بنگلے کا مالک کون ہے۔'' خانزادہ نے حمید کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''صاحب کوئی بھی مالک ہو۔ آخر آپ کی صاحبزادی کو ٹماٹر بازی کا حق کس نے دیا ہے۔''

''دیکھو برخوردار! مجھے بار بار شرمندہ نہ کرو۔''

''آپ اپنی صاحبزادی کو کچھ نہ کہیں گے۔''

''قطعی نہیں! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جب کہ اسے میری تائید حاصل تھی۔''

''تب تو آپ سے مل کر بیحد خوشی ہوئی۔'' حمید نے مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''دونوں نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ شاہد انہیں حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔

''کہاں سے آئے ہو؟'' خانزادہ نے حمید سے پوچھا۔

''مریخ سے.....ہمارا خلائی جہاز لیکم جھیل کی سطح پر موجود ہے۔''

''جہنم میں جاؤ!'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

لڑکی دروازے کے قریب پہنچ کر مڑی تھی اور حمید کو زبان دکھا کر تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

''جاؤ صدر دروازہ بند کر آؤ۔'' حمید نے طویل سانس لے کر شاہد سے کہا۔

وہ چلا گیا تھا اور حمید بستر صاف کرنے لگا تھا.....شاہد نے واپسی میں دیر نہ لگائی تھی۔ بے سرو پا واقعے سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے بُری طرح بے چین تھا۔

''کیا قصہ تھا کیپٹن؟''

''کاش مجھے معلوم ہوتا۔'' حمید نے کہا اور جو کچھ گزری تھی کہہ سنائی۔

''کیا وہ دونوں پاگل تھے۔'' شاہد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر ہنس پڑا۔

''اب شاید تم پاگل ہونے والے ہو۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

''آپ بہت خوش قسمت ہیں جہاں بھی جاتے ہیں کوئی لڑکی پہلے ہی سے منتظر ہوتی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ کچھ دنوں کے بعد مجھے پتھر ماریں گی.....ذرا اس نامعقول کھڑکی کو بھی بند کر دینا۔''

''شاہد نے کھڑکی بند کر دی اور احمقانہ انداز میں حمید کی شکل دیکھتا رہا۔

''سنو.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ چھیڑ چھاڑ محض اتفاقیہ نہیں ہو سکتی۔ کرنل صاحب رام گڑھ آ رہے تھے اور ان پر فائر ہوا تھا۔''

''ٹماٹر اور ریوالور کی گولی میں فرق ہوتا ہے کیپٹن.....!''

''تم محتاط رہنا.....میں تو صبح وادی گلبار چلا جاؤں گا۔ کیوں نہ ایک گھنٹے کی نیند لے لیں۔''

''جیسی آپ کی مرضی! ویسے میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا۔''

''وہ کیوں جناب؟''

''نہ مجھ پر فائر ہوا تھا اور نہ ٹماٹر پھینکے گئے تھے۔''

''جاؤ!'' حمید دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا اور شاہد چپ چاپ چلا گیا۔

حمید بُری طرح تھک گیا تھا۔ لیکن روشنی بند کر کے لیٹا تو نیند کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ ذہن پر عجیب سی الجھن مسلط تھی۔ آخر خان دارا جیسا آدمی کن پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا ہے جن کا حل فریدی کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں.....فائر.....ٹماٹر.....پھر وہ لڑکی.....!''

پھر کچھ دیر بعد اس پر غشی کی طرح نیند طاری ہوئی تھی۔ پتہ نہیں کب تک سوتا رہا۔ گھنٹی کی تیز آواز نے اسے بیدار کیا تھا بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ سرہانے رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ بائیں ہاتھ سے آنکھیں ملتے ہوئے اس نے ریسیور اٹھایا..... ''ہیلو.....!''

''کیپٹن پلیز.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں ہی بول رہا ہوں۔''

''رات والے واقعے کے بعد مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ میں آپ سے ملوں۔''

''اوہو.....تو آپ ہیں.....وہ جو مجھے اس عمارت تک پہنچا گئے تھے۔''

”جی ہاں......!“

”اور ہم پر جو کچھ گزری تھی اس سے باخبر بھی ہیں!“

”جی ہاں!“

”معاملہ میری سمجھ میں نہیں آسکا۔“

”آپ فکر نہ کیجئے۔ ہم دیکھ لیں گے......ناشتے کے لیے کچن میں سب کچھ موجود ہے۔ بس آپ کو تھوڑی سی تکلیف کرنی پڑے گی۔ گیراج میں جیپ موجود ہے۔ ناشتے کے بعد روانہ ہو جایئے۔ شاہد صاحب یہیں رہیں گے۔“

”خانزادہ اشرف کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ۔“

”فی الحال اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ سامنے والے بنگلے میں رہتا ہے۔“

”ایک لڑکی بھی ہے۔“

”جی ہاں......اچھا خدا حافظ“

سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

”خدا ہی حافظ ہے۔“ وہ آہستہ سے بڑبڑایا تھا۔

شاہد کو جگانا پڑا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر حمید نے گیراج سے جیپ نکالی۔ فیول چیک کیا۔ ٹینکی لبریز تھی۔ تین گیلن پٹرول ڈبوں میں بھی ملا۔

”اچھا......تو بس اب میں چلا“ حمید نے شاہد سے کہا۔

”واپسی کب تک ہوگی؟“

”حالات پر منحصر ہے۔“

”کیا مجھے اسی عمارت تک محدود رہنا ہوگا۔“

”نہیں! ایک آدھ بار سالی کی نند کے گھر تک بھی ہو آنا۔“

”دو......دیکھئے......اب آپ ہی نے شروع کیا ہے۔“

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عقب سے آواز آئی ”اخاہ......تو روانگی ہو رہی ہے۔“

”وہ دونوں مڑے۔ سامنے خانزادہ اشرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”آپ کو اعتراض ہے کوئی؟“ حمید جھلا کر بولا۔

”سنو مسٹر!“ دفعتاً خانزادہ چیخ کر بولا۔ ”میرے پڑوس کی کوئی عمارت سمگلنگ کا اڈا نہیں بن سکتی۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں!“

”یہ تو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ میں ہوش میں ہوں یا نہیں۔“

”بھلا کس طرح معلوم ہو جائے گا؟“

”جب کسٹم والوں کا چھاپہ پڑے گا۔“

”کیا آپ نے انہیں مطلع کر دیا ہے؟“

”کیوں نہ کر دیتا......میں ایک ذمہ دار شہری ہوں۔“

اتنے میں اس کی لڑکی نوشی بھی آتی دکھائی دی۔

”لو کسٹم بھی چلی آ رہی ہیں چھاپہ مارنے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”یہ کیا بکواس ہے۔“ خانزادہ غرایا۔

”ڈیڑھ پونڈ چرس لے کر پیچھا چھوڑ دیجئے۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“

”کیا بات ہے ڈیڈی؟“ لڑکی قریب پہنچ کر بولی۔

”داغ ٹماٹر لئے جا رہا ہوں۔ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”ارے تو کیا جا رہے ہو......دو چار دن تو اور رہتے۔“

”تمہارے ڈیڈی ہمیں اسمگلر سمجھتے ہیں۔ کسٹم والوں کو ہمارے خلاف اطلاع دے چکے ہیں اس لیے اب تو بھاگنا ہی پڑے گا۔“

”یہ کیا کیا ڈیڈی؟“ وہ خانزادہ کی طرف مڑی۔

”پھر کیا کرتا؟“

”کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ یہ لوگ اسمگلر ہیں۔“

”تم مجھ سے کس لہجے میں گفتگو کر رہی ہو“ خانزادہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

”ہاں! یہ بری بات ہے......باپ ہیں۔“ حمید نے فہمائشی انداز میں کہا۔

”میں تنگ آ گئی ہوں۔ یہ اسی طرح دوسروں کے بارے میں بیباکی سے اظہار کر دیتے ہیں۔“

"تم مجھ سے تنگ آ گئی ہو!"

"میں غلط نہیں کہہ رہی۔"

"جہنم میں جاؤ" خانزادہ نے کہا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔

حمید کبھی لڑکی کی طرف دیکھتا کبھی باپ کی طرف، جو اسے وہاں چھوڑ کر چلا جا رہا تھا۔

لڑکی نے اپنی داہنی کنپٹی کے قریب انگلی نچائی۔

"کیا.....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.....خاندان والے انہیں جھکی اور سنکی سمجھتے ہیں۔ پچھلی رات انہوں نے ہی مجھے ٹماٹر پھینکنے کی ترغیب دی تھی۔

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"جی ہاں! کہنے لگے ٹماٹر مارو.....بھوت ہو گا تو فوراً غائب ہو جائے گا۔"

"بھلا ٹماٹر اور بھوت.....!"

"میں بتاتی ہوں۔" وہ حمید کی بات کاٹ کر بولی۔ "بہت دن گزرے ڈیڈی کے والد یعنی میرے دادا کو ٹماٹر کے کھیت میں بھوت دکھائی دیا تھا۔ انہوں نے اضطراری طور پر ایک ٹماٹر توڑا تھا اور بھوت پر کھینچ مارا تھا۔ بس بھوت غائب!"

"سوال یہ کہ جب تم انہیں سنکی سمجھتی ہو تو ان کے مشورے پر عمل کیوں کر بیٹھی تھیں۔"

"ادھر چلو.....تو بتاؤں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"تم اندر جاؤ.....!" حمید نے شاہد سے کہا اور لڑکی سے بولا۔ "اب یہیں بتا دو۔"

شاہد چلا گیا تھا۔ لڑکی شرمیلی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "تم مجھے اچھے لگے تھے۔ میں نے کہا اسی طرح جان پہچان پیدا کی جائے۔ یقین کرو۔ تم بالکل میری والدہ مرحومہ کی طرح مسکراتے ہو اور غصے میں بھی بالکل ویسے ہی لگتے ہو۔"

حمید کچھ کہنے والا تھا کہ برآمدے سے شاہد کی آواز آئی۔ "آپ کی فون کال ہے۔"

حمید لڑکی کو چھوڑ کر بیڈ روم میں آیا۔ فون پر دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا۔ "خان زادہ اشرف وادیٔ گلبار کے خان دارا کا بہنوئی ہے۔ کسی زمانے میں ملک کا مانا ہوا بیکٹیریالوجسٹ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن پھر ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ بہت دنوں مینٹل ہاسپٹل میں رہا۔ اب ٹھیک ہے۔ لیکن کبھی

ی ذہنی رو بہک جاتی ہے.....ویٹس آل.....!"

حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور اپنی ناک پکڑ کر ہلانے لگا۔

جیلی کا ڈھیر

"مجھے بیحد افسوس ہے کیپٹن.....تم نے بہت بُری خبر سنائی!" خان دارا نے پر تفکر لہجے ں کہا۔

"آپ فکر نہ کریں گے.....وہ جلد ہی پہنچیں گے۔" حمید بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ فریدی پر اسی لیے حملہ ہوا ہے کہ وہ یہاں آ رہے تھے۔"

"مجھے آپ کے یقین پر حیرت ہے۔" حمید اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"کیوں.....؟"

"اگر آپ کو یقین ہے تو پھر آپ حملہ آور سے بھی واقف ہوں گے۔"

"صرف اسی حد تک کہ وہ کوئی میرا دشمن ہے اور میری بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ میرے معاملات سے اس حد تک باخبر ہے کہ کرنل فریدی بھی محفوظ نہ رہ سکا۔"

حمید خاموشی سے سنتا رہا وہ سوچ رہا تھا کہ خان دارا خود ہی اصل معاملے کی طرف آ رہا ہے۔ لہٰذا براہ راست قسم کے سوالات سے اجتناب کرنا چاہئے۔ لیکن خان دارا نے بات آگے بڑھنے دی۔

پھر حمید کو مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسی بوریت کا منا ہو گا۔ رام گڑھ کے اس بنگلے ہی میں بھلے تھے۔ جہاں خان دارا کے رشتے داروں سے ہوئی تھی اور فون پر خانزادہ اشرف کے بارے میں انکشاف سن کر باہر آیا تھا تو لڑکی تھی اور اسے رام گڑھ کے لیے روانہ ہونا پڑا تھا۔

رات کے کھانے پر خان دارا سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ وہ پہلے ہی کی طرح دکھائی

دے رہا تھا۔ حمید نے سوچا چلو خانزادہ اشرف اور اسکی نوشی ہی سے متعلق کچھ گفتگو ہو جائے۔

''پچھلی رات رام گڑھ میں بڑی پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔'' اس نے خان دارا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''ایک صاحب ہیں خانزادہ اشرف اور انکی بیٹی... دونوں نے زندگی تلخ کر دی۔''

''کیا مطلب!'' خان دارا کھانا چھوڑ کر حمید کی طرف متوجہ ہو گیا اور حمید نے پوری کہانی دہراتے ہوئے کہا۔ ''پتہ نہیں وہ لوگ کیا چاہتے تھے۔ اگر یہاں نہ آنا ہوتا تو دیکھتا۔''

دفعتاً خان دارا ہنسنے لگا۔ ''تو..... وہ تم تھے..... لاحول ولاقوۃ.....!''

''میں نہیں سمجھا خان.....'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''اس کے بعد ان دونوں میں جھگڑا ہو گیا تھا اور وہ یہاں چلی آئی تھی۔'' خان دارا نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

''یہاں..... کون.....؟ وہ نوشی!''

''ہاں..... ہاں..... وہ میری بھانجی ہے۔''

''خدا کی پناہ..... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اشرف صاحب آپ کے بہنوئی ہیں۔''

''ہاں بھئی..... تم نہیں جانتے ورنہ تمہیں اشرف پر غصہ نہ آتا۔ پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ وہ یہاں کا معزز ترین آدمی تھا۔ ملک کے گنے چنے بیکٹریالوجسٹ میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اچانک دماغ الٹ گیا۔ علاج ہوا۔ کئی سال بعد کسی قدر ہوشمندی کی باتیں کرنے لگا۔ لیکن پوری طرح صحت آج تک نصیب نہیں ہوئی۔ تم اپنے ہی معاملے کو دیکھ لو۔ پچھلی رات اس نے نوشابہ کو سوتے سے جگا کر تمہیں پریشان کرنے پر مجبور کیا تھا۔''

''تب تو مجھے افسوس ہے۔''

''ٹھہرو.....! میں نوشابہ کو بلواتا ہوں۔'' خان دارا ہنس کر بولا۔ ''وہ تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر متحیر رہ جائے گی۔''

حمید نے طویل سانس لے کر سر کو جنبش دی۔

خان دارا نے ملازم کو طلب کر کے اس سے کچھ کہا اور وہ چلا گیا۔

''کیا خیال ہے؟ اس کی حیرت کا عالم دیکھنے کے قابل ہوگا۔''

''یقیناً.....!'' حمید زبردستی ہنس پڑا۔

نمبر 38

کچھ دیر بعد نوشی آئی تھی اور دروازے ہی میں ٹھٹھک کر رہ گئی تھی۔

''آؤ..... آؤ.....!'' خان دارا نے کہا۔

حمید نے مسکرا کر نوشی کی طرف دیکھا تھا۔

''یہی..... یہی..... تو تھے.....!'' وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

''کیا بک رہی ہو۔''

''بھوت..... ٹماٹر والا.....!''

''یہ یعنی..... کیپٹن حمید.....!''

''ج..... جی..... ہاں۔''

''لاحول ولاقوۃ..... تو تم لوگوں نے میرے مہمان کو پریشان کیا تھا۔''

''م..... میں..... کیا کرتی.....!''

''اوہ..... آپ پریشان نہ ہوں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''مجھے آپ کے ڈیڈی کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔''

''آؤ بیٹھو.....!'' خان دارا نے کہا۔

''معافی چاہتی ہوں۔ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... جاؤ۔''

نوشی سر جھکائے ہوئے چلی گئی۔

''دس سال کی تھی تب ہی ماں مر گئی۔ باپ ذہنی طور پر غیر متوازن ہے۔'' خان دارا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''تو اب اشرف صاحب کیا کرتے ہیں۔''

''کچھ بھی نہیں..... جائیداد پر گزارا ہے۔''

''بعض لوگ ساری زندگی دکھوں میں گزار دیتے ہیں۔''

''میں نے چاہا تھا کہ نوشی ہمارے ہی ساتھ رہے لیکن وہ خود اس پر رضامند نہیں ہوئی۔ جب باپ سے جھگڑا ہوتا ہے تو کچھ دنوں کے لیے یہاں چلی آتی ہے پھر یہ سوچ کر واپس چلی جاتی ہے کہ اشرف کو اس کی ضرورت ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ پھر بوریت۔ وہ تو سمجھا تھا شاید اس لڑکی کی موجودگی اس بوریت کو
رفع کر دے گی۔ لیکن یہاں تو داستان غم چھڑ گئی۔

کھانے کے بعد کچھ دیر خان دارا کا ساتھ رہا۔ پھر وہ مہمان خانے کی طرف واپس
گیا تھا۔ یہاں وہ بالکل تنہا تھا اسے فریدی پر تاؤ آنے لگا۔ آخر کو رام گڑھ ہی میں کیوں
گیا تھا۔ اسے یہاں کب تک جھک مارنی پڑے گی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ تھکن اور پچھلی رات
سونے کی وجہ سے جلد ہی نیند آ گئی۔ ورنہ تنہائی اسے مزید جھنجھلاہٹوں میں مبتلا کر دیتی۔

دوسری صبح خود ہی بیدار ہوا تھا۔ کسی کو جگانے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔

ٹوائیلٹ سے نکل کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ ہی رہی تھا کہ کسی نے دروازے پر
دستک دی۔ پھر دروازہ کھلتے ہی ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔ فریدی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''آپ......؟''

''نہیں......بھوت......!''

''کب آئے......؟'' حمید پیچھے ہٹتا ہوا بولا'' پچھلی رات......گیارہ بجے......تم بہت
جلد سو گئے تھے۔''

''اچھا ہی ہوا تھا۔ ورنہ اس تنہائی میں پاگل ہو جاتا۔ آپ کے زخم کا کیا حال ہے۔''

''ٹھیک ہے......کوئی خاص بات نہیں......کام کے قابل ہوں......!''

''بھوت کے حوالے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ خان دارا سے گفتگو کر چکے ہیں۔''

فریدی بستر کے قریب والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔'' ہاں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔''

''اس کی پریشانی بھی......!''

''وہ بھی......لیکن میں فی الحال اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''کیا مطلب؟''

''ضروری نہیں کہ وہ پریشانی ہی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خان دارا مجھے اس معاملے میں
الجھانا چاہتا ہو۔''

''کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ پریشانی کیا ہے۔''

''ضرور بتاؤں گا......کیا ابھی سننا چاہتے ہو۔''

''کیا حرج ہے......ابھی تو ناشتے میں دیر ہوگی۔''

فریدی نے خان دارا کے بھتیجے چنگیزی کی کہانی شروع کر دی۔ دیو کے ذکر پر حمید چونکا
ضرور لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔ خاموشی سے پوری داستان سن کر بولا ''آپ نے وہ لاش دیکھی،
جو پتھر ہو گئی ہے۔''

''خان دارا مجھے وہ لاش دکھانے کے لیے لے گیا تھا لیکن لاش کی بجائے اسی جگہ جیلی کا
بہت بڑا ڈھیر ملا۔''

''جیلی کا ڈھیر......؟''

''ہاں......!''

''کیا اس نے وہ لاش پولیس کے حوالے نہیں کی تھی۔''

''نہیں......! کیونکہ اس کا بھتیجا بھی ملوث تھا اس لیے اس نے وہ لاش اپنے ہی پاس
روک رکھی اور چنگیزی کے ساتھیوں کو ہدایات کر دی ہے کہ وہ فی الحال اس کا تذکرہ کسی سے
بھی نہ کریں۔''

''بہرحال وہ آپ سے مشورہ کیے بغیر اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' حمید بولا۔

''یہی کہہ رہا تھا۔ لیکن لاش کو اتنے دنوں تک اپنے پاس روکے رکھنا قانوناً درست نہیں
ہے۔ فوری طور پر اس کی اطلاع مقامی حکام کو کر دینی چاہیے تھی۔''

''لیکن یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ جیلی کا وہ ڈھیر کبھی لاش رہا ہوگا۔''

''کوئی وجہ نہیں یقین کر لینے کی۔''

''پھر دوسری بات یہ کہ کیا وہ لڑکی دنیا میں تنہا تھی جس کے غائب ہو جانے پر کسی کو بھی
تشویش نہیں ہوئی۔''

''یہ نکتہ بھی قابل غور ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا'' میں نے اسی لیے کہا تھا کہ اس کہانی
کو فی الحال محض کہانی ہی سمجھو۔ پہلے مرحلے پر چنگیزی اور اس کے دوستوں سے گفتگو ہوگی۔
ویسے میرا خیال ہے کہ دیو کے تذکرے پر تم چونکے تھے۔''

''کہیں بھی دیو کا نام سنتا ہوں تو قاسم کا ڈیل ڈول آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔''

''اس کا قصہ بھی سن چکا ہوں۔ تمہارے جانے کے بعد انور ہاسپٹل پہنچا تھا۔ تم سے

شائد اس نے اکڑ کر گفتگو کی تھی۔''

''واپسی پر اسے بھی دیکھ لوں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے اعتراف کرلیا ہے۔''

''کس بات کا اعتراف کرلیا۔''

''اسی نے قاسم کو ''راز دار'' کے قیام کی ترغیب دی تھی۔ مقصد یہی تھا کہ پرائیویٹ کیس لیے جائیں اور آمدنی میں اضافہ ہو اور انور کو بھی کسی اور نے خیال دلایا تھا۔''

''کس نے؟''

''ڈاکٹر فوزیہ نے...... انور کو بہت دنوں سے جانتی ہے اور اس کی صلاحیتوں سے بھی واقف ہے۔ سرمایہ قاسم کا تھا۔ اس کے لیے تو بس اتنا ہی کافی تھا کہ وہ خود کو اس ادارے کا سربراہ سمجھتا تھا۔''

''انور نے آخر آپ کے سامنے خود بخود اعتراف کیوں کرلیا۔''

''قاسم اسے بتائے بغیر غائب رہنے لگا تھا۔ انور جب بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتا وہ اپنے باس ہونے کا حوالہ دے کر اسے خاموش کر دیتا۔''

''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔''

''انور کا خیال ہے کہ وہ شاید کسی غیر قانونی حرکت میں کسی کا آلہ کار بن رہا ہے اور اسے ''ٹاپ سیکرٹ'' کہتا ہے۔ تین تین دنوں کیلئے غائب ہو جاتا ہے۔ شہر ہی میں نہیں ہوتا۔''

''بہرحال قاسم کے لیے تو ڈاکٹر فوزیہ ہی کافی ہوتی۔ انور کو اس نے خواہ مخواہ گھسیٹا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

اتنے میں ایک ملازم نے آکر ناشتے کی میز لگ جانے کی اطلاع دی۔

حمید کا ذہن الجھ گیا تھا۔ ناشتے کی میز پر خان دارا بھی موجود تھا۔ فریدی اور اس کے درمیان گفتگو ہوتی رہی تھی۔ حمید کچھ نہیں بولا تھا۔

خان دارا کہہ رہا تھا۔ ''میں نے چنگیزی کے ان دوستوں کو بلایا تھا جو وہاں موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد پہنچ جائیں گے۔ چنگیزی خود انہیں لینے گیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' فریدی نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''وہ لڑکی سائرہ اب

تب میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ کسی نے اس کی گمشدگی کی بھی پرواہ نہ کی......!''

''مجھے خود بھی اس پر حیرت ہے لیکن میں نے چنگیزی سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔''

''کوئی خاص وجہ؟'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''آپ ہی اس سے پوچھ گچھ کریں تو بہتر ہے۔ ان حالات سے دوچار ہونے کے بعد آپ ہی کا خیال ذہن میں آیا تھا اور میں سب کچھ آپ پر چھوڑتا ہوں۔''

''خیر...... خیر...... میں دیکھوں گا۔''

دس کے قریب چنگیزی کے دوستوں کا قافلہ مہمان خانے میں داخل ہوا تھا۔ چنگیزی سمیت چھ لڑکے اور تین لڑکیاں۔

خان دارا انہیں دیکھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ فریدی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ چنگیزی نے فریدی سے اپنے ساتھیوں کا تعارف کرایا۔ وہ سبھی خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ ان کے چہرے کملائے ہوئے تھے۔

''سب سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کی مدد کرنے آیا ہوں اس لیے مجھ سے کوئی بات چھپائی نہ جائے۔'' فریدی نے انہیں مخاطب کیا۔

وہ کچھ نہ بولے لیکن ان کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ ''ایسا ہی ہوگا۔''

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر چنگیزی نے اسپاٹ پر جانے کی سختی سے مخالفت کی تھی۔''

''جی ہاں۔'' ایک لڑکا بولا۔ پھر سب نے اس کی تائید کی۔

''لیکن اس کے باوجود بھی۔'' فریدی ایک ایک کا چہرہ دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ سب وہیں جا پہنچے۔ کیا آپ بتا سکیں گے۔ اس تجویز کی ابتدا کس کی طرف سے ہوئی تھی۔''

''غالباً فلورا نے سب سے پہلے کہا تھا۔''

فریدی نے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کی رنگت کچھ اور زرد نظر آنے لگی تھی۔

وہ تھوک نگل کر بدقت بولی۔ ''حقیقتاً تجویز خود سائرہ ہی کی تھی۔''

''وہ کس طرح؟''

''پکنک کا پروگرام دو دن پہلے بنا تھا اور وہ مجھے اس اسپاٹ کے بارے میں بتاتی رہی تھی۔ کہتی رہی تھی کہ وہیں چلنا چاہئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب دوسروں کے سامنے

یہ مسئلہ پیش ہوا تھا تو خود قطعاً نہیں بولی تھی اور یہ لوگ سمجھے کہ تجویز میری اپنی ہے۔ بہرحال چنگیزی کے علاوہ اور سب نے میری تجویز سے اتفاق کیا تھا۔''

''اسے تم کب سے جانتی ہو؟''

''دو ماہ سے۔ میرے ہی توسط سے وہ بقیہ دوستوں سے متعارف ہوئی تھی۔''

''کہاں رہتی تھی۔ اس کے متعلقین کون لوگ ہیں۔''

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ قالین بافی کے ایک کارخانے میں سپروائزر تھی۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتی۔ کبھی اس کے گھر بھی نہیں گئی۔ ہم سب ایک کیفے میں اکٹھے ہوا کرتے تھے۔''

''پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟''

''قالین بافی کے کارخانے ہی میں۔ مجھے ایک قالین کی ضرورت تھی۔ اس نے مجھے بہتر مشورے دیئے تھے اور پھر ہم دوست بن گئے تھے۔''

پھر فریدی نے قالین بافی کے کارخانے کا نام اور پتہ نوٹ کیا تھا۔

''کیا آپ لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتی تھی۔'' فریدی نے کچھ دیر بعد ان سبھوں سے سوال کیا۔

اس کا جواب نفی ہی میں ملا۔

''آپ میں سے کسی کے اس سے خصوصی تعلقات بھی تھے؟'' فریدی نے اس بار صرف لڑکوں کو مخاطب کیا۔

اس کا اعتراف بھی کسی نے نہیں کیا تھا۔

دفعتاً ایک زوردار دھماکا سنائی دیا۔ دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔ کھڑکیاں لرز گئیں اور زمین ہلنے لگی۔ وہ سب اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹے۔ کھلے میں نکل آئے۔ محل کے گوشے سے غلیظ دھواں اٹھ کر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔

''شاید جیلی کا ڈھیر بھی ضائع کر دیا گیا۔'' فریدی کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

گھوڑے بھڑکے

لوگوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ محل کا ایک حصہ تباہ ہو گیا تھا۔

چنگیزی اور اس کے ساتھی تتر بتر ہو گئے تھے۔ فریدی اور حمید تنہا رہ گئے۔

آگ محل کے دوسرے حصوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''یہ وہی حصہ ہے جہاں ایک کمرے میں جیلی کا ڈھیر دیکھا تھا۔'' فریدی حمید کا بازو دبا ربولا۔

''سوال تو یہ ہے کہ وہ ڈھیر ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی کیوں نہیں ضائع کر دیا گیا تھا؟'' ید نے کہا۔

''سوا لاکھ روپے کا سوال ہے۔''

حمید کچھ اور کہنے والا تھا کہ خان دارا دکھائی دیا۔ بدحواسی میں ادھر ادھر دوڑتا پھر رہا تھا۔

ریدی نے آگے بڑھ کر اسے روکا۔ ''کوئی تھا تو نہیں ادھر؟''

''خدا جانے..... خدا جانے..... میں کچھ نہیں جانتا..... پہلے آپ پر فائر ہوا۔ پھر ..... پتا نہیں کون کیا چاہتا ہے۔'' خان دارا مضطربانہ انداز میں بولا۔

پھر فریدی اس حصے کی طرف بڑھ گیا تھا جہاں سے شعلے اٹھ رہے تھے۔

حمید کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتا گیا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔'' خان ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

حمید نے کچھ عجیب سی بات محسوس کی تھی۔ اس کے رویئے میں..... خان دارا جیسے لوگ حال میں خودسری کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن یہ تو اس وقت بالکل کیچوا لگ رہا تھا۔ اسے وہ قع بھی یاد آیا جب اس کا ٹکراؤ فریدی سے ہوا تھا۔ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا لیکن اس کی اکڑ ں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''آپ فکر نہ کیجئے! سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' حمید بالآخر بولا۔

”کیا ٹھیک ہو جائے گا۔ ابھی تو یہی نہیں معلوم کہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔“

”ہم یہی تو دیکھیں گے۔“

”اوہ......خدایا......میں یہاں کھڑا کیا کر رہا ہوں۔“ خان دارا نے کہا اور دوڑتا ہوا عمارت کی طرف چلا گیا۔

حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ ویسے اس نے خان دارا کو کینہ توز نظروں سے دیکھا تھا۔ ”میں اچھی طرح سمجھتا ہوں بیٹے۔“ وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”خود تمہی نے کوئی چکر چلایا ہے۔“

پھر اس کی مٹھیاں سختی سے بھنچ گئی تھیں۔ اتنے میں فریدی بھی پلٹ آیا۔

”سب محفوظ ہیں۔“ اس نے کہا۔ ”جب دھماکہ ہوا تھا تو آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔“

”اب کیا خیال ہے آپ کا۔“

”یہی کہ جیلی کا ڈھیر اس لیے ضائع کر دیا گیا کہ کہیں میں تجزیہ نہ کر بیٹھوں۔“

”سامنے کی بات ہے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا اور فریدی اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”آپ کے پہنچنے سے قبل وہ پتھر کی تھی۔ آپ پہنچے تو جیلی کے ڈھیر میں تبدیلی ہو چکی تھی اور اب اس لیے بالکل ہی فنا ہو گئی کہ کہیں آپ پس ماندہ کا تجزیہ نہ کر بیٹھیں۔“

”ہوں......تو پھر......!“

”خان دارا اپنے کسی دشمن کو غارت کرنا چاہتا ہے۔“

”غالباً تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خان دارا نے مجھے کچھ باور کرانے کیلئے یہ کھیل خود کھلا ہے۔“

”ہاں میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔“

”نتائج اخذ کرنے میں جلدی نہ کرو۔“

”مجھے تو آپ کی زندگی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔ ذرا محتاط رہئے گا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”اس نے آپ کو چیلنج کیا تھا۔ کچھ لوگ حقیقتاً بیحد لومڑی ہوتے ہیں جبکہ شیروں کی طرح دہاڑتے بھی رہتے ہیں۔“

”خیر......خیر......دیکھیں گے۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں ذرا قالین بافی کے اس کارخانے کو بھی

ہو آؤں۔ ساتھ ہی مجھے مقامی حکام کو اس سائرہ والے واقعے کی اطلاع بھی دینی ہے۔“

”فوری طور پر خان دارا کی گردن پھنس جائے گی۔“

”میں کوشش کروں گا کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اگر ایسا ہوا تو اس واقعے کی پبلسٹی ہو گی جو کم از کم میرے مفاد میں نہ ہو گی۔“

”جائیے......! خدا کو سونپا۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر آگ پر قابو پا لیا گیا تھا۔

حمید نے ایک بار پھر چنگیزی اور اس کے ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور انہیں تاکید کر دی کہ وہ اس سلسلے میں اپنی زبانیں قطعی طور پر بند رکھیں۔ پبلسٹی تفتیش کیلئے مضر ثابت ہو گی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس سے انحراف نہیں کریں گے۔

ان کے چلے جانے کے بعد صرف چنگیزی وہاں رہ گیا۔

”اب آپ فرمائیے۔“ حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

”پوچھئے......جو کچھ پوچھنا ہو۔“

”آج تک کسی سے محبت بھی ہوئی یا محض پکنک پر گزارا ہے۔“

”معاف کیجئے گا میں نہیں سمجھا۔“

”ان لڑکیوں میں سے کس پر نظر ہے۔“

”اوہ......آپ غلط سمجھے......ہم صرف دوست ہیں۔“

”دشمن کو کون گلے لگاتا ہے صاحبزادے۔“

”آخر آپ مجھ سے اس قسم کی گفتگو کیوں کر رہے ہیں۔“

”اس لیے کہ دنیا میں اس سے زیادہ دلچسپ موضوع اور کوئی نہیں ہے۔“

”کیا آپ مجھ پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہیں۔“

”ہرگز نہیں......ویسے اشقر دیوزاد حمزہ صاحبقراں کے گھوڑے کا نام تھا۔“

”مجھے علم ہے۔“

”لہٰذا اشقر جن بکواس ہے۔“

”سائرہ اسی دیو کی آواز میں گفتگو کرتی ہوئی بیہوش ہوئی تھی۔“

''نو افراد کے علاوہ اور کوئی اس کا گواہ نہیں تھا۔ جن میں سے آٹھ افراد اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ تمہاری مخالفت کر کے سکھ سے نہ رہ سکیں گے۔''

''تو گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کہانی میری گڑھی ہوئی ہے۔''

''جو چاہو سمجھو......! میں نے تو ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں کہی۔''

''اب مجھے اجازت دیجئے۔'' چنگیزی نے اٹھتے ہوئے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''ضرور......ضرور......!''

وہ حمید کو گھورتا ہوا چلا گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی اسے یہاں کیوں چھوڑ گیا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کا مقصد یہی ہو کہ ان لوگوں پر پوری طرح نظر رکھی جائے۔

وہ پھر مہمان خانے سے محل کی طرف چل پڑا۔ آخر اس دھماکے سے متعلق پوچھ گچھ کرنی تھی۔ خان دارا کے توسط سے محل کے سارے ملازمین کو اکٹھا کرایا۔

''کیا سب موجود ہیں۔'' حمید نے بہ آواز بلند پوچھا۔

''جی ہاں......!'' بیک وقت کئی آوازیں آئیں۔ پھر کسی نے کہا۔

''شکور......شکور......کدھر ہے؟''

''شکور......!'' خان دارا نے اونچی آواز میں پکارا۔ لیکن جواب نہ ملا۔

''وہ آخر کہاں گیا؟'' خان دارا مضطربانہ انداز میں بولا۔

''اسی نے تو ہماری جانیں بچائی ہیں سرکار۔'' ایک ملازم نے آگے بڑھ کر کہا۔

''وہ کس طرح......؟''

''کچھ دیر پہلے اس نے ادھر جراثیم کش دواء کا چھڑکاؤ کیا تھا اور سب کو مطلع کر دیا تھا۔ اس لیے کوئی ادھر گیا ہی نہیں۔ دوا بڑی بدبودار ہوتی ہے سرکار۔''

''خدا کی پناہ!'' حمید اپنی گدی سہلاتا ہوا بولا۔ ''اسے فوراً تلاش کرائیے خان۔''

''ہاں......ضرور......ضرور۔''

اور پھر کچھ دیر بعد محل کے ایک دور افتادہ حصے میں شکور کی لاش ملی تھی۔ اس کی بائیں کنپٹی میں سوراخ تھا جس سے خون بہہ کر فرش پر پھیل رہا تھا۔

''جس نے اس کے ذریعے وہاں ٹائم بم رکھوایا تھا اسی نے بالآخر اسے بھی ختم کر دیا۔

بڑائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''دوسرا قتل......!''

''میرا تو ذہن ہی ماؤف ہو رہا ہے۔'' خان دارا کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

حمید نے دل میں کہا۔ ''داہ بے مکار! تو بھلا کب چاہتا ہے کہ تیرے خاندان کا کوئی فرد دھماکے کا شکار ہو جائے۔ اچھا بیٹے! اب ہم تمہیں دیکھ ہی لیں گے۔''

مقامی حکام کو دھماکے کی اطلاع پہلے ہی دی جا چکی تھی۔ لاش ملتے ہی ایک بار پھر ان سے رابطہ قائم کیا گیا اور حمید نے ان کے بھی یہی ذہن نشین کرایا کہ کسی نے شکور ہی سے ٹائم بم رکھوایا تھا اور پھر اس کا خاتمہ بھی کر دیا۔

کسی نے اس کے بیان پر جرح نہیں کی۔ ممکن تھا کہ فریدی نے پہلے ہی انہیں خصوصی ہدایات دی ہوں۔ اس کے بعد ہی قالین بافی کے کارخانے کا رخ کیا ہو۔ ایس۔ پی کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا رہا تھا جیسے وہ خود کو بولنے سے روکے رکھنے کی کوشش کرتا رہا ہو۔

فریدی کی واپسی شام سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ شکور کے بارے میں اس نے خاموشی سے سنا تھا اور اس پر کوئی تبصرہ کیے بغیر سائرہ کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

''وہ تو عجیب صلاحیتوں کی مالک ثابت ہوئی ہے۔ البتہ اس نے اپنے گھر کا جو پتہ فیکٹری کے رجسٹر میں درج کرا رکھا تھا۔ وہ قطعی غلط تھا۔ لہٰذا اسکی جائے رہائش کا علم نہ ہوسکا۔''

''اس کی عجیب صلاحیتوں کا بھی ذکر ہو جائے۔'' حمید بولا۔

''حیرت انگیز طور پر دوسروں کی آوازوں کی نقل اتار سکتی تھی۔ میں نے ریکارڈ کی ہوئی فلمیں سنی ہیں اور اصل سے ان کا موازنہ بھی کیا ہے۔ مشکل ہی سے دونوں میں امتیاز کیا جا سکے گا۔ فیکٹری میں پچھلے ماہ ایک ورائٹی شو ہوا تھا جس میں اس نے اپنے اس کمال کا مظاہرہ کیا تھا۔ سیٹھ، منیجر اور اکاؤنٹنٹ کی آوازوں کی نقل اتاری تھی اور پورا پروگرام ریکارڈ کیا گیا تھا۔ اسی میں یہ آئیٹم بھی شامل تھا۔''

''خوب!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''بس ثابت ہوا کہ وہ مرنے سے پہلے اس دیو کی آواز کی نقل اتارتی رہی تھی اور اس کے ساتھی سمجھے تھے کہ اس پر سچ مچ جن آگیا ہے۔ یہاں اصل مجرم کا طریق کار واضح ہو جاتا ہے۔ شکور کا قتل بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے لیے کام کرنے والوں کو بالآخر ختم کر دیتا

ہے۔ سائرہ بھی اس کی آلہ کار تھی۔ اس کے ساتھیوں کو کسی طرح بیہوش کیا گیا اور ان کی
کے دوران میں اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔''

''مقصد......؟'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''چراغ کے جن سے پوچھ کر بتاؤں گا۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''موڈ خراب معلوم ہوتا ہے۔''

''میں جادوگر تو نہیں ہوں کہ تفتیش کے اس مرحلے پر جرم کا مقصد بھی معلوم کرلوں گا

''میں بتا سکتا ہوں۔''

''بکو......''

''خان دارا اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورہ پیٹ کر کسی بڑے جرم کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے
ہوسکتا ہے وہ بڑا جرم ہم دونوں کا قتل ہی ہو۔''

''ایسی صورت میں تمہارا جسم ٹماٹروں سے داغدار ہونے کے بجائے گولیوں سے چھل
ہو جاتا۔ ایک ٹائم بم مہمان خانے میں بھی رکھوایا جا سکتا تھا۔''

''ہوسکتا ہے اب ایسا ہو جائے۔ خود کو شبہے سے بالاتر رکھنے کے لیے محل میں پا
دھماکہ ہونا ضروری تھا۔''

''مرجائیں گے...... کیا فرق پڑتا ہے۔'' فریدی اکتا کر بولا۔

''اتنی آسانی سے مرجائیں گے۔''

''میں آسانی ہی سے مرجانے کی خواہش رکھتا ہوں۔''

''اگر ہم یہاں کی بجائے ہوٹل گلریز میں مقیم رہ کر تفتیش کریں تو کیا حرج ہے۔''

''سوچوں گا۔ خیر دوسری خبر سنو۔ انور کی ٹیلی پرنٹر میسج آئی ہے کہ قاسم ڈاکٹر فوزیہ
سمیت غائب ہو گیا ہے۔''

''عیش کر رہا ہوگا کہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔'' خان دارا کے مرنے سے کسے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یا کوئی
ایسا بھی ہے جس کی موت سے خان دارا کو فائدہ پہنچ سکے۔''

''ایک پرانی وصیت کے مطابق اقتدار خان دارا کے ہاتھ آیا ہے۔ جائیداد پر اسی کا
ہے اور دوسروں کے حصے وہی ان تک پہنچاتا ہے۔ خان دارا کے بعد یہ اقتدار
کی طرف منتقل ہو جائے گا۔''

''اگر یہ دونوں نہ رہ جائیں تو پھر کیا صورت ہوگی۔''

''اس سوال کا جواب وصیت نامے کا مطالعہ کئے بغیر نہیں دے سکوں گا۔''

''اب اگلا قدم کیا ہوگا۔''

''اس پکنک اسپاٹ کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔''

اور پھر دوسرے دن وہ خان دارا کی شکار گاہ سے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس اسپاٹ کی
روانہ ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ تین بروبانی قبائلی بھی تھے۔

دراصل وہ علاقہ بروبانیوں ہی کا تھا۔ انہوں نے بھی کسی دیو کا ذکر کیا تھا جس کے جسم
چنگاریاں نکلتی تھیں اور اندھیرے میں اس کے قہقہے دور دور تک گونجتے تھے۔ خود
انہوں نے اس مخصوص حصے میں قدم رکھنا چھوڑ دیا تھا۔ جہاں دیو دکھائی دیتا تھا۔
اس وقت بھی وہاں جانے کے لیے بدوقت تیار ہوئے تھے۔ فریدی اور حمید غیر ملکی
ریوں کے میک اپ میں تھے۔

خان دارا کے مشورے کے مطابق انہوں نے جو راستہ منتخب کیا تھا۔ اس سے صرف
وڑے ہی گزر سکتے تھے لیکن اسپاٹ سے دو میل کے فاصلے پر ایک ایسی جگہ بھی تھی جہاں
نہ گاڑیاں جا سکتی تھیں۔ لہٰذا ایک بڑی گاڑی وہاں کھڑی کردی گئی تھی۔ یہ بھی خان دارا ہی
کے مشورے سے ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ آس پاس کسی گاڑی کی موجودگی بھی ضروری ہے۔
نہیں انہیں کن حالات سے گزرنا پڑے۔ وہ خود بھی ساتھ چلنے پر مصر تھا لیکن فریدی اس پر
نہیں ہوا تھا۔

بروبانیوں کو نہیں معلوم تھا کہ وہ دونوں کون ہیں اور وہاں جانے کا اصل مقصد کیا ہے۔
بتایا گیا تھا کہ وہ سیاہ خرگوشوں کا شکار کھیلنا چاہتے ہیں۔ جن کی ان اطراف میں بہتات تھی۔
پانچ آدمیوں کا یہ قافلہ اس اسپاٹ کی طرف بڑھتا رہا جہاں ایک لڑکی حیرت انگیز طور پر
ئی تھی۔ بروبانی قبائلی بھی مسلح تھے اور شائد ان میں ایک آدمی ایسا ضرور تھا جسے جائے حادثہ

کا صحیح علم تھا۔ وہی ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔

''واقعی بڑی خوبصورت جگہ ہے۔'' حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

بروبانی خوفزدہ نظر آنے لگے تھے۔ اچانک ان کے گھوڑے بھڑکنے لگے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہوں نے کسی بڑے خطرے کی بو سونگھ لی ہو۔ پھر اگر وہ سبھی گھوڑوں سے کود نہ پڑے ہوتے تو انہیں پچھتانا پڑتا۔

حملہ

گھوڑے لگامیں چھڑا کر بھاگ نکلنا چاہتے تھے اور وہ انہیں روکے رکھنے کے لیے پورا زور لگا رہے تھے۔

ٹھیک اسی وقت ایک گھوڑے کے بائیں پہلو سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا اور فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''چھوڑ دو گھوڑوں کو اور ادھر پوزیشن لے لو...... جلدی کرو......!''

زخمی گھوڑا گر گیا تھا۔ لگامیں چھوٹتے ہی دوسرے گھوڑے ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ پھر ایک اور گرا۔ اس بار فریدی نے ایک سمت فائر کر دیا تھا۔ وہ ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں تھا۔ دوسرے بھی آس پاس بکھر کر پوزیشن لے چکے تھے۔

بقیہ تین گھوڑے وحشیانہ انداز میں ایک جانب دوڑتے چلے گئے۔

حمید ایک بروبانی کے قریب تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''دیکھا صاحب ہم بولا تھا ادر نئیں آئے گا...... ہمارا گھوڑا مر گیا۔''

''خان جانے......!''

''ہم خان سے لے گا...... اپنا جانور......!''

''ضرور...... ہم دلوائیں گے تمہیں۔''

''اب دیکھا......! ادر بھوت رہتا۔''

''یہ بھوت نہیں...... بلکہ سائیلنسر لگی ہوئی رائفل تھی۔''

بروبانی نے برا سا منہ بنایا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگ نکلنے والے گھوڑوں کی

آواز اب دور سے آ رہی تھی۔

''آپ کہاں ہیں؟'' دفعتاً حمید نے فریدی کو آواز دی۔

''جہاں ہو وہیں اسی پوزیشن میں ٹھہرو۔'' جواب ملا۔ آواز قریب ہی کی معلوم ہوتی تھی اور پھر انہوں نے الہ دین کے فلمی جن کا سا قہقہہ سنا تھا۔ حمید کے قریب والا بروبانی اچھل کر بھاگا۔

''ٹھہرو...... ٹھہرو......'' حمید کہتا ہی رہا لیکن وہ نشیب میں غائب ہو گیا۔ پھر حمید نے کئی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنی تھیں۔ شائد سارے ہی بروبانی بھاگ نکلے تھے۔

''جانے دو......!'' اس نے فریدی کی آواز سنی جو اس بار نسبتاً قریب سے آئی تھی اور پھر وہ ذرا ہی سی دیر میں ان کے قریب تھا۔ غالباً اس کی آواز کے رخ کا اندازہ کر کے اس تک پہنچا تھا۔

قہقہہ پھر سنائی دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پوری وادی قہقہے سے گونج رہی ہو۔

''مائیکروفون...... قہقہہ ریکارڈڈ ہے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''سوال تو یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔ بے آواز فائرنگ تو ہمیں آسانی سے چاٹ جائے گی۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''بروبانی بھی بھاگ نکلے۔ گھوڑے بھی گئے۔''

''دیکھا جائے گا۔''

''یہاں تو ہمیں ہیلی کوپٹر سے آنا چاہیے تھا۔''

''یہ مناظر دیکھنے میں نہ آتے۔''

''پتہ نہیں! صرف دیو ہے یا پریاں بھی ہیں۔''

''کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے کی کوشش کرو۔'' فریدی بائیں جانب کھسکتا ہوا بولا۔

شائد دونوں گھوڑے دم توڑ چکے تھے کیونکہ اب ان کی کربناک آوازیں نہیں سنائی دیتی تھیں۔ بالکل ایسا ہی سناٹا طاری تھا جیسے ذرا دیر پہلے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ وہی سرسراتی ہوئی خنک ہوائیں تھیں اور وہی بنفشے کے پھولوں کی خوشبو۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ نشیب میں اترتے رہے۔ تینوں بروبانی نہ جانے کدھر نکل بھاگے تھے۔ پتہ نہیں زندہ بھی تھے یا بے آواز فائروں کی نذر ہو گئے تھے۔

وہ بڑی احتیاط سے اس راستے کی طرف بڑھ رہے تھے جس سے وہ گاڑی تک پہنچ سکتے۔

دو گھنٹے میں دو میل کی مسافت طے ہوئی تھی لیکن گاڑی کا دور دور تک پتہ نہیں تھا

''دیکھا آپ نے......'' حمید بھنا کر بولا۔ ''اب فرمایئے۔''

''میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''ہماری واپسی سے قبل ہی گاڑی کہاں غائب ہوگئی۔''

''پتہ نہیں۔'' فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

پھر وہ وہیں بیٹھ کر ایک جگہ ستانے لگے تھے۔ حمید نے پائپ میں تمباکو بھرا اور ابھی اسے سلگانے بھی نہ پایا تھا کہ کسی بھاری گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی۔ پائپ اپنے جیب میں ڈالا تھا اور بغلی ہولسٹر پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ فریدی بدستور بیٹھا لاپرواہی سے سگار پیتا رہا۔

گاڑی کی آواز قریب ہوتی جا رہی تھی اور پھر بائیں جانب والے نشیب سے وہ بھاری ٹرک ان کی جانب بڑھتا نظر آیا جس پر نصف درجن سے زائد مسلح لوگ موجود تھے۔ ڈرائیور کے قریب خان دارا بیٹھا ہوا تھا۔

ٹرک قریب پہنچتے ہی وہ سیٹ سے کود کر ان دونوں کی طرف جھپٹا۔

''آپ لوگ بعافیت ہیں نا۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''آپ کے دو گھوڑے ضائع ہوگئے۔'' فریدی نے کہا۔

''اس کی فکر نہ کیجئے۔ وہ تینوں جیسے ہی شکار گاہ پہنچے، ہم سب دوڑ پڑے۔''

''اوہ.....تو شاید گاڑی وہی لے گئے تھے۔''

''جی ہاں۔'' خان دارا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ کہہ رہے تھے کہ گھوڑوں کے پہلو شق ہوگئے۔''

''جی نہیں!'' فریدی بولا۔ ''بے آواز فائروں نے انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہے۔''

''بروبانی تو کہہ رہے تھے.....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید خان دارا کو بغور دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''آپ نے دیکھا اس دیو کو۔''

''نہیں مجھے تو نہیں دکھائی دیا۔''

''بروبانیوں نے دیکھا تھا۔ جب وہ بھاگ رہے تھے۔''

''کیا وہ ساتھ آئے ہیں؟''

''نہیں! شکار گاہ میں ہیں.....حالت خراب تھی ان کی۔''

پھر وہ اسی ٹرک کے ذریعے شکار گاہ تک آئے تھے۔ تینوں بروبانی بیحد خوفزدہ نظر آ رہے ان میں سے ایک کو بخار ہوگیا تھا۔

انہوں نے بتایا کہ انہیں وہ دیو اس وقت دکھائی دیا جب وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر اضطراری بھاگ نکلے تھے۔

''آخر چکر کیا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''جو مقصد تھا وہ پورا نہیں ہو سکا۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''کس کا مقصد؟''

''انہیں واقعات کا..... پہلے بروبانی ڈرائے جاتے رہے تھے۔ پھر شہری ڈرائے گئے لیکن معاملہ خان دارا کا تھا اس لیے واقعے کی پبلسٹی نہ ہو سکی۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''میری دانست میں کوئی اس علاقے کو آسیب زدہ مشہور کر کے اسے ''ممنوعہ علاقہ'' قرار نا چاہتا ہے۔ اس سے پہلے بھی ہم کئی بار ایسے حالات سے نپٹ چکے ہیں۔''

''میرا خیال ہے وہ شخص اول درجے کا احمق ہے جس نے اس ایٹمی دور میں یہ طلسم ہو ترتیب دیا ہے۔''

''ہے تو۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''میری دانست میں اتنا ہی کافی ہوتا جیتے جاگتے لوگ پتھر کے مجسموں میں تبدیل ہو جاتے۔ یہ جن دیو اور قہقہے تو کھل کر اسے کارنامہ ثابت کر رہے ہیں۔''

''میں یہی کہنا چاہتا تھا۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن ہم آخر پتھر کے مجسموں کا ذکر اتنے سے کیوں کر رہے ہیں۔ کیا آپ نے کوئی ایسا مجسمہ دیکھا ہے۔''

''نہیں۔ میں نے تو جیلی کا ڈھیر دیکھا تھا۔''

''اور وہ بھی دھماکے سے اڑا دیا گیا۔'' حمید پُرتفکر لہجے میں بولا۔ ''گھوڑوں کے جسموں لیاں برآمد کی جاسکیں گی۔''

"کون برآمد کرے گا۔ اس علاقے میں صرف تین بے آواز رائفلیں پوری بٹالین کا خا
کرسکتی ہیں۔ فائروں کی سمت تک معلوم نہ کی جاسکے گی۔"

"حیف ہے اس بے بسی پر۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

شکار گاہ سے وہ محل میں واپس آئے۔ دونوں ہی فکرمند نظر آرہے تھے۔

"میں رام گڑھ جارہا ہوں۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "تم چنگیزی اور خانزادہ اشرف کی
پر نظر رکھو گے۔ شکور کے بارے میں بھی زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔"

"اگر جیلی کا ڈھیر نہ ہوگیا تو۔ ویسے کب تک واپسی ہوگی آپ کی۔"

"یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

لیکن مہمان خانے میں گھنٹوں حمید کے خراٹے گونجتے رہے۔ پہاڑی راستوں کی تھکن
نڈھال ہو کر سویا تھا۔

آنکھ کھلی تو اندھیرا پھیل چکا تھا اور شام کی چائے بھی نیند کی نذر ہوگئی تھی لیکن مہمان خا
کے ملازمین نے چائے اور رات کے کھانے کا وقفہ برقرار رکھنے کے سلسلے میں بڑی پھرتی دکھائی۔

چائے سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ چنگیزی کی آمد کی اطلاع ملی۔ ملازم نے آکر بتا
کہ وہ فوری طور پر ملنا چاہتا ہے۔

"تو پھر یہیں لے آؤ۔" حمید نے ملازم سے کہا۔

چنگیزی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے..... آپ کچھ پریشان سے نظر آرہے ہیں۔"

"کچھ اور لوگوں کو بھی علم ہے کہ سائرہ ہمارے ساتھ گئی تھی۔"

"کون لوگ ہیں؟" حمید نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے یہ خط موصول ہوا ہے۔" اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر حمید کی طرف
بڑھاتے ہوئے کہا۔

لفافہ معمولی ڈاک سے آیا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ٹکٹ پر مہر صاف نہیں تھی، جس سے روانگی
کے مقام کے بارے میں معلوم ہوسکتا۔ خط میں لکھا گیا تھا۔

"سائرہ کہاں غائب ہوگئی۔ وہ تمہارے ساتھ کہیں گئی تھی اسکے بعد سے سراغ نہیں مل
کا۔ تم نے جس طرح آٹھ گواہوں کی زبان بند کی ہے اسطرح میری زبان بند نہیں کی جاسکتی!"

"خوب.....!" حمید سر ہلا کر بولا۔

"میں نے انکل کو مشورہ دیا تھا کہ فوراً پولیس کو اطلاع دے دی جائے لیکن انہوں نے
ری بات نہیں مانی۔ آپ لوگ ذاتی تعلقات کی بنا پر بلوائے گئے ہیں۔"

"اچھا تو پھر.....؟"

"ذاتی تعلقات کی بنا پر آپ معاملے کو دبا بھی سکتے ہیں۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو!"

"نہیں! جس نے یہ خط لکھا ہے کہہ سکتا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"اس خط کا انداز کہہ رہا ہے کہ ہمیں بلیک میل کیا جائے گا۔"

"کچھ اندازہ ہے کہ کون ہوسکتا ہے۔"

"پتہ نہیں.....!"

"اگر کوئی ہوسکتا ہے تو انہی آٹھوں میں سے جو تمہارے ساتھ گئے تھے۔"

"نہیں.....یہ ناممکن ہے۔"

"بھلا کس طرح۔"

"وہ سب میرے بہترین دوست ہیں۔"

"اچھے مواقع کوئی بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ انہی میں سے کوئی ہوسکتا ہے۔"

"تو پھر اب کیا کیا جائے؟"

"فکر مت کرو! تم نے اچھا کیا کہ ہمیں مطلع کردیا۔ کیا خان کو بھی خبر کرچکے ہو۔"

"نہیں! وہ موجود نہیں ہیں۔ شائد شکار گاہ واپس گئے۔ زیادہ تر وہیں رہتے ہیں۔"

"ہم دیکھیں گے..... تم یہ خط میرے ہی پاس رہنے دو۔"

چنگیزی کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "آخر آپ لوگ بھی وہاں نہ ٹک سکے۔"

"ہاں.....اور ہم نے قہقہہ بھی سنا تھا۔"

''بروبانیوں نے تو اسے دیکھا بھی تھا۔''

''ہم ابھی نہیں دیکھ سکے لیکن دیکھیں گے ضرور۔''

''کیپٹن......!'' چنگیزی حمید کو غور سے دیکھتا ہوا بولا ''مجھے شروع ہی سے ایسا محسوس ہو رہا ہے، جیسے آپ کو میری باتوں پر یقین نہ ہو۔''

''میرا کوئی ایسا دوست نہیں ہے جس کی رہائش سے میں واقف نہ ہوں۔''

''غالباً آپ کا اشارہ سائرہ کی طرف ہے لیکن وہ براہ راست فلورا کی دوست تھی۔ اس نے حلقے میں اس کا تعارف کرایا تھا۔ جب اسے علم نہیں تو دوسرں کو کیسے ہو سکتا ہے۔''

''خیر چھوڑو! مس اشرف یہیں مقیم ہیں یا واپس گئیں۔''

''مقیم......ہے۔'' چنگیزی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''غالباً تم انہیں پسند نہیں کرتے۔''

''باپ ہی کی طرح کریک ہے۔''

''آپ کو ان کی والدہ یعنی اپنی پھوپھی یاد ہیں۔''

''کیوں؟'' چنگیزی چونک کر حمید کو گھورنے لگا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ انہیں میری مسکراہٹ اپنی والدہ کی مسکراہٹ سے مشابہ نظر آتی ہے۔''

''کیا اسے آپ کا دماغ چاٹنے کا موقع مل گیا تھا۔''

''بدقسمتی سے۔''

''لیکن اس نے ایک بار بھی آپ کا ذکر نہیں کیا۔''

''میاں عقل کے ناخن لو۔ میں نے یہ معلوم کرنے کے لیے یہ سوال نہیں کیا تھا۔ وہ بھی میرا ذکر کرتی ہیں یا نہیں لیکن آپ نے میرے اصل سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''مجھے پھوپھی کا چہرہ یاد نہیں۔ آپ انکل سے پوچھئے گا۔''

''مس اشرف اس وقت کہاں مل سکیں گی۔''

''سیلانی ہے۔ ہو سکتا ہے انکل کے ساتھ شکار گاہ چلی گئی ہو۔ مجھے تو یہاں کہیں نہیں دکھائی دی۔''

''کیا ڈاکٹر اشرف یہاں کبھی نہیں آتے؟''

''پچھلے تین سال سے تو نہیں آئے۔''

''غالباً خان سے تعلقات بہتر نہ ہوں گے۔''

''جہاں تک انکل کا سوال ہے وہ تو انہیں ہمیشہ اچھے ہی الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔''

''کبھی کوئی جھگڑا ہوا تھا ان کے درمیان۔''

''مجھے تو یاد نہیں۔'' یہ میں یونہی پوچھ رہا تھا۔ شائد تمہیں علم نہیں کہ ان دونوں کے ہاتھوں مجھ پر رام گڑھ میں کیا گزری تھی۔''

اور پھر حمید نے اسے بھی ٹماٹروں والی کہانی سنادی۔

چنگیزی بیحد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ حمید کے خاموش ہوتے ہی بولا ''انکل سے معلوم ہوا ہے کہ کرنل کا بایاں بازو زخمی ہے۔ ان پر یہاں آتے وقت حملہ ہوا تھا۔''

''یہ درست ہے۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''تب پھر میں آپ سے اس چھیڑ چھاڑ کو محض اتفاقیہ نہیں سمجھتا۔''

''کیا مطلب......؟''

''انکل اشرف کسی کا آلہ کار بھی بن سکتے ہیں۔''

''خان دارا کے خلاف......!''

''ایسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ان کی ذہنی صحت بھی مشکوک ہے۔ انہیں کسی بھی راہ پر لگایا جا سکتا ہے اور نوشابہ ان کی لڑکی ہے وہ اسے کم از کم آپ کی راہ پر ضرور لگا سکتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''کہ وہ آپ کی ٹوہ میں رہے۔ آپ پر نظر رکھے ورنہ آپ کے پیچھے ہی پیچھے یہاں کیوں پہنچتی۔ ہو سکتا ہے۔ ٹائم بم بھی اسی نے رکھوایا ہو۔''

''اور شکور کو قتل بھی کر دیا ہو۔'' حمید بولا۔

''سب کچھ ممکن ہے۔''

''لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ رام گڑھ میں جہاں میں قیام کرتا۔ اس کے سامنے ہی اشرف صاحب کا بنگلہ بھی ہوتا۔''

''ان کے بائیس بنگلے ہیں رام گڑھ میں۔''

''میں خان دارا سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"شکار گاہ چلنا پڑے گا۔"

"تم چل رہے ہو ساتھ۔"

"ضرور چلوں گا۔ ورنہ رات کا وقت ہے آپ دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔"

جیپ میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ چنگیزی بھی مسلح تھا۔ ہیڈ لائیٹس کی شعاعیں دور تک سڑک پر پھیل رہی تھیں۔ محل سے شکار گاہ کا فاصلہ پندرہ میل سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ اس فاصلے کو طے کرنے میں کم از کم ایک گھنٹہ ضرور لگتا تھا۔ پیچ دار اور دشوار گزار راستے کی بنا پر کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ وقت صرف ہوتا تھا۔ شکار گاہ کے قریب پہنچ کر انہوں نے فائروں کی آوازیں سنیں۔ مسلسل گولیاں چل رہی تھیں۔

ٹاپ سیکرٹ

"یہ کک.....کیا ہو رہا ہے۔" چنگیزی ہکلایا۔

اور ٹھیک اسی وقت ایک گولی جیپ کی چھت پھاڑتی ہوئی گزر گئی۔ حمید نے پورے بریک لگائے تھے اور انجن بند کر کے نیچے کود گیا تھا۔

"تم بھی.....نیچے آؤ اور لیٹ جاؤ۔" اس نے نیچے پہنچ کر چنگیزی سے کہا تھا۔

اس نے حمید کے بعد ہی چھلانگ لگائی تھی۔ دونوں زمین پر اوندھے پڑے تھے۔ گولیاں ان کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

"شاید بروبانیوں سے ٹھن گئی ہے۔" چنگیزی آہستہ سے بولا۔ "لیکن اس وقت یہ معلوم کرنا محال ہوگا کہ کون کس طرف ہے۔"

"چپ چاپ پڑے رہو!" حمید بولا۔

"میرا خون جوش مار رہا ہے۔"

"ہوسکتا ہے تمہاری فائرنگ سے تمہارے اپنے ہی آدمی زخمی ہو جائیں۔"

"یہی تو دشواری ہے۔"

"لیکن یہاں سے کسی اور طرف نکل چلو۔ ہماری آمد کا علم نہ خان کو ہے اور نہ حملہ آوروں کو۔ ہوسکتا ہے دونوں ہی اس جیپ پر یلغار کر دیں۔" حمید بولا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اچھا تو پھر اسی طرف پلٹ چلیے۔ جدھر سے گاڑی لائے تھے۔"

وہ اسی طرح زمین سے لگے ہوئے دوسری سمت مڑے تھے اور رینگنا شروع کر دیا تھا۔ فائرنگ کے درمیان سے گزرتے ہوئے وہ گھوڑوں کے اصطبل تک پہنچ گئے۔

"سوال تو یہ ہے کہ اس ہنگامے کا اختتام کس طرح ہوگا۔" حمید بولا۔

"ہنگامہ تو پل بھر میں ختم ہو جاتا۔ ہم بڑی اچھی پوزیشن میں ہیں لیکن یہ بتانا دشوار ہے کہ حملہ آور کس طرف ہیں اور ہمارے آدمی کس طرف۔" چنگیزی نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"تو ہم اصطبل ہی میں بندھے رہیں گے۔" حمید بھنا کر بولا۔

"میں تو ان حالات میں کوئی مشورہ نہیں دے سکوں گا کیپٹن۔"

"یہاں گھوڑیاں زیادہ ہیں یا گھوڑے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" چنگیزی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"سمجھے بوجھے بغیر جواب دو۔"

"گھ گھ.....گھوڑے۔"

"تو آؤ.....انہیں عشق کرنا سکھائیں۔"

"کیوں مذاق کرتے ہیں!" چنگیزی نروس سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"عشق مذاق نہیں۔ عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو۔ سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق.....اسی کو گانا شروع کر دو تو قوالی کہلائے گی۔"

"کیپٹن پلیز.....کوئی ڈھنگ کی بات سوچئے۔"

"جب تم یہی نہیں بتا سکے کہ کون کس طرف ہے تو پھر ڈھنگ کی بات سوچنے کا فائدہ۔"

"گولیاں اس وقت تک چلتی رہیں گی جب تک پیٹیاں نہ خالی ہو جائیں۔"

"کچھ بروبانی تو تمہارے ساتھ بھی ہیں۔"

"انہیں ان کے قبیلے والے غدار سمجھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت وہ اسی لیے چڑھ آئے ہوں گے کہ ان کے علاقے میں جا کر بھوت کو کیوں چھیڑا گیا۔ یا پھر وہ ان بروبانیوں کو پکڑنے آئے ہوں گے، جو آپ لوگوں کے ساتھ وہاں گئے تھے۔"

"بھوت یا دیو والا قصہ پرانا معلوم ہوتا ہے۔ کیا تمہیں اس کا علم نہیں۔"

''نہیں۔ بات بروبانیوں سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ ان کے معاملات انہی تک رہے
ہیں۔ آج جب ان تینوں بروبانیوں کو آپ لوگوں کے ساتھ وہاں جانے کو کہا گیا تو انہوں نے
بتایا تھا اور مشکل سے جانے پر آمادہ ہوئے تھے۔''

''شش......'' دفعتاً حمید آہستہ سے بولا۔ ''کوئی ادھر آ رہا ہے۔''

چنگیزی خاموش ہو گیا۔ حمید نے آہٹ کی طرف کان لگا دیئے تھے۔ آنے والا بھی
شاید بہت احتیاط سے چل رہا تھا۔ فائروں کی آوازیں پہلے ہی کی طرح سنائی دے رہی تھیں
ایسا ہی لگتا تھا جیسے دونوں طرف سے نتیجہ خیز اختتام کے لیے جدوجہد جاری ہو۔ اچانک
چنگیزی کھانسنے لگا۔ پھر حمید نے بھی محسوس کیا جیسے اس کے حلق میں مرچوں کی دھانس سما گئی
ہو اور پھر اس نے بھی کھانسنا شروع کر دیا۔ گھوڑے بھی اس طرح اچھلنے کودنے لگے جیسے
رسیاں تڑا کر بھاگ نکلیں گے۔''

''بھاگو...... گیس......!'' حمید بدقت تمام بولا اور اس نے اصطبل سے نکل بھاگنے کی
کوشش کی تھی۔ پتہ نہیں کس چیز سے ٹھوکر کھا کر گرا۔ پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔ نہ فائروں کی
آوازیں تھیں اور نہ گھوڑوں کی اچھل کود...... اپنی اور چنگیزی کی کھانسیاں بھی سماعت سے دور
ہو گئی تھیں۔ گہری تاریکی اور مکمل بے حسی۔

اس بے حسی اور خود فراموشی کی مدت خواہ کتنی ہی طویل رہی ہو...... بالآخر شعور کی رو
جاگی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ اپنی کوشش کے بغیر ہوا میں تیرتا چلا جا رہا ہو۔ یہی
نہیں بلکہ شاعری والی ''سراپا درد'' کی ترکیب بھی اسی وقت سمجھ میں آئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا
جیسے پورے وجود کو عجیب طرح کی اذیت نے جکڑ رکھا ہو۔

پھر آہستہ آہستہ ذہن کا غبار چھٹتا گیا تھا اور یہ حقیقت اس پر واضح ہوئی تھی کہ وہ ہوا میں
نہیں تیر رہا بلکہ کسی گھوڑے کی ننگی پشت پر ڈال کر رسیوں سے جکڑ دیا گیا ہے اور گھوڑا غیر
معمولی رفتار سے کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اس بُری طرح جکڑا ہوا تھا کہ
جسم کو جنبش تک نہیں دے سکتا تھا۔ بتدریج اپنی صحیح حالت کا احساس ہوتا رہا تھا۔ آنکھوں پر پٹی
بھی بندھی ہوئی تھی۔ گھوڑے کی پشت پر اوندھا پڑا تھا اور ہاتھ پیر ادھر ادھر جھول رہے تھے۔
خدا خدا کر کے کسی جگہ گھوڑا رکا تھا اور رسی کے بل ڈھیلے کیے جانے لگے تھے جس نے

گھوڑے کی پشت سے جکڑ رکھا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد آنکھوں کی پٹی کھولی گئی تھی...... اس نے خود کو ایک بڑے غار میں پایا،
چاروں طرف مشعلوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور وہ چار مسلح بروبانیوں کے نرغے میں تھا۔

''خدا کی پناہ!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ان بروبانیوں میں سے ایک کو اس نے پہچان لیا
تھا، جو انہیں خان دارا کی شکارگاہ سے...... آسیب زدہ علاقے میں لے گئے تھے۔

''تم ہو...... شجر بر......!'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ہاں صاحب......'' جواب ملا۔

''دونوں طرف کام کر رہے ہو۔''

''ہاں صاحب...... ابی واپس جائے گا۔''

حمید کو اس کی ڈھٹائی پر تاؤ آ گیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ شجر بر کے چلے جانے کے بعد
وہاں صرف تین ہی رہ گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

حمید خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ دفعتاً ان میں سے ایک نے پیال کے بستر کی طرف
اشارہ کیا۔

''آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔'' حمید اسے گھورتا ہوا غرایا۔

دفعتاً کسی جانب سے آواز آئی۔ ''وہ کچھ نہیں بتا سکیں گے۔''

''تم کون ہو۔ سامنے آؤ۔'' حمید دہاڑا۔

''میں عذاب کا فرشتہ ہوں۔ وقت سے پہلے سامنے نہیں آ سکتا۔''

''تو پھر وقت سے پہلے مجھے کیوں تکلیف دی گئی ہے۔''

''یہاں آرام سے رہو گے۔''

''اچھی بات ہے۔ لیکن پیال کے بستر پر رات نہیں بسر کر سکوں گا۔''

''یہاں تمہیں عیش پسندی اور تن آسانی کی سزا بھی مل سکتی ہے۔'' کیا تم رات کا کھانا
کھا چکے ہو۔''

''نہیں......!''

''اچھا...... کھانا بھجوا دیا جائے گا۔ اس وقت چپ چاپ سو جاؤ۔ صبح کو تم سے بات کی

جائے گی۔''

''تمہاری مرضی۔'' حمید نے بیزاری سے کہا۔

تینوں مسلح بروبانی غار کے دہانے کے قریب جم گئے تھے۔

پھر آواز نہیں آئی تھی۔ حمید ان بروبانیوں کو دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتاً ان سے سوال کر بیٹھا۔ ''یہ عذاب کا فرشتہ کہاں سے آیا ہے۔''

وہ کچھ نہ بولے۔ اس طرح دیکھتے رہے جیسے اس کی بات سمجھ ہی میں نہ آئی ہو۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی غار میں داخل ہوا تھا لیکن حمید اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا کیونکہ وہ سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک بڑا برتن لایا تھا۔ بہرحال کھانے کے لیے جو کچھ بھی آیا تھا۔ حمید کو زہر مار کرنا پڑا۔ ابلی ہوئی ترکاریاں تھیں۔

وہ آدمی بھی چلا گیا۔ تینوں پہرہ دار اب بھی موجود تھے۔ حمید کو خان دارا کا ملازم بروبانی شجر بریاد آیا۔ اب تو اس میں شبہے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی کہ خود خان دارا ہی ان حرکتوں کا ذمہ دار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ فائرنگ محض ایک ڈرامہ ہی رہا ہو۔ خان دارا کو اطلاع مل گئی ہو کہ وہ چنگیزی کے ساتھ شکارگاہ کی طرف آرہا تھا۔ اچھا ہی ہوا تھا کہ فریدی رام گڑھ چلا گیا تھا۔ اب وہ اس معاملے کو خود حمید کے زاویہ نظر سے بھی دیکھ سکے گا۔ یہی سب کچھ سوچتے سوچتے اسے بالآخر پیال کے بستر پر نیند آ گئی تھی۔

دوسری صبح آنکھ کھلی تو پھر ایک ''طلسم ہوشربائی'' منظر سے سابقہ پڑا۔ نہ وہ اس غار میں تھا اور نہ پیال کے بستر پر۔ سلیقے سے سجایا ہوا کسی عمارت کا ایک کمرہ تھا۔ اس نے بستر سے اٹھتے ہی سب سے پہلے دروازے کو آزمایا تھا۔ وہ مقفل نہیں تھا۔ کسی دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔ پھر دوسرے کمرے سے تیسرے میں پہنچا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

سامنے فرش پر قاسم پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ نیچے موٹے موٹے گدیلے بچھے ہوئے تھے۔ حمید خود کو کسی طرح بھی قابو میں نہ رکھ سکا۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے قاسم پر چھلانگ لگائی تھی۔

''ارے...... باپ رے......'' قاسم نے بوکھلا کر اٹھ بیٹھنے کی کوشش کی اور حمید چھٹک کر دور جا پڑا۔

''ہائیں...... ابے...... ارے۔ خواب سے بھی باہر نقل پڑے سالے۔'' وہ بھرائی ہوئی میں کہہ کر کھسیانی سی ہنس کے ساتھ بولا۔ ''ہی ہی...... ہی ہی...... سالے خواب میں بھی نہیں لینے دو غے......!''

حمید اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔''

''تو تم مجھے نکاح نہیں قرنے دو غے......!'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کیسا نکاح......!''

''خواب میں ڈاکٹر فوجیہ سے میرا نکاح ہو رہا تھا کہ تم سالے آ ٹپکے...... بچ...... بچ آ ...... خدا تمہیں غارت کرے اور وہ سالا پہلے جاسوسی قراتا تھا۔ اب اجاب کا فرشتہ بن غیا ہے۔ میرے کمرے میں نہیں سونے دیتا فوجیہ کو...... قہتا ہے...... پہلے نکاح قرو......!''

''کون کہتا ہے؟''

''وہی سالا...... اجاب کا فرشتہ۔''

''وہ ہے کون......؟''

''میں نہیں جانتا۔''

اتنے میں قدموں کی چاپ سنائی دی اور دونوں خاموش ہو گئے پھر ڈاکٹر فوزیہ کمرے میں داخل ہوئی۔ حمید کو دیکھتے ہی اچھل پڑی۔

''خدا کی پناہ......!'' اس کی زبان سے نکلا تھا۔ پھر ہنس پڑی۔ اور بولی۔ ''اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیا ٹھیج ہو جائے گا۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''جس نے بھی ہمیں پکڑا ہے جہنم رسید ہو جائے گا۔''

''تم میرے موکل تو جہنم میں بھیجو غی......!'' قاسم دہاڑا۔

''سب کچھ تمہاری حماقتوں کا نتیجہ ہے۔ ہم سے مشورہ لئے بغیر تم نے یہ کیس کیوں لے لیا تھا۔''

''تم قون ہوتی ہو مشورہ دینے والی۔ میں باس ہوں۔''

''تم بکواس ہو۔''

''دیکھو......دیکھو.....اس سالے کے سامنے بے عزتی نہ قرو۔'' قاسم حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''تم تینوں قانون کی نظر میں مجرم ہو۔'' حمید نے قاسم کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''پرائیویٹ سراغرسانی کا ادارہ قائم کرنے کا حق تمہیں حاصل نہیں ہے۔''

''راز دار'' سراغرسانی کا ادارہ نہیں۔ میں ذہنی امراض کا نفسیاتی علاج کرتی ہوں اور انور پرائیوٹ کیس لیتا تھا۔

''اور یہ بھینسا میک اپ کر کے باس بنا بیٹھا رہتا تھا۔''

''دیکھا تم نے......میں نہ قہتا تھا کہ اس زہر کی پڑیا کو معلوم ہو گیا ہے، اپنے ابا جان کو جرور بتائے غی۔'' قاسم نے فوزیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم خاموش رہو۔'' فوزیہ بولی۔ ''مجھے بتانے دو کہ ہم کس طرح اس جنجال میں پھنسے ہیں۔''

''بتاؤ......بتاؤ......میں تو جانتا ہی تھا کہ اب گھپلا ہو جائے غا۔'' قاسم حمید کو گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ ''سالے تم میری قبر میں بھی گھس آؤ گے۔''

''یہ حضرت باس بنائے گئے تھے اور یہ طے ہوا تھا کہ انور کے علم میں لائے بغیر کوئی کیس نہیں لیں گے۔ انہیں تو موکلوں کے سامنے بولنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ انور ہی کیس سنتا تھا اور مشورے دیتا تھا لیکن انہوں نے ایک معاملے میں ہم دونوں کو بتائے بغیر ہاتھ ڈال دیا اور کئی کئی دن غائب رہنے لگے۔ دو دن پہلے کی بات ہے یہ میرے گھر آئے اور بولے جلدی سے نکل چلو پولیس ہمارے پیچھے ہے۔''

''بیوی سے ٹکراؤ کے بعد!'' حمید بولا۔

''جی ہاں۔'' فوزیہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''میں ان کی بیگم صاحبہ کو پہچانتی نہیں تھی ورنہ اس کی نوبت ہی نہ آنے پاتی۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ بیوی سے ان کے تعلقات کیسے ہیں۔ بہرحال ان کے اسی پراسرار موکل نے انہیں بہکایا تھا اور ہم دونوں رام گڑھ آنا پہنچے تھے۔ پھر وہاں ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئی تھیں اور یہاں لائے گئے تھے۔''

''یہاں کہاں؟''

''میں نہیں جانتی یہ کون سی جگہ ہے۔''

''کیا باہر نہیں نکل سکتیں۔''

''کیوں نہیں! لیکن شائد میلوں تک اس عمارت کے علاوہ اور کوئی دوسری نہ ہو گی۔ یہاں چار قیدی بھی ہیں۔''

''کیسے قیدی......؟''

''ایک ریٹائرڈ جج ہے......ایک ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس ہے۔ ایک عالم ہے اور ایک سیاسی لیڈر......وہ طرح طرح کے خوفناک امراض میں مبتلا ہیں اور دن رات چیختے رہتے ہیں۔''

''وہ کون ہے؟ جو تمہیں یہاں لایا ہے۔''

''پتہ نہیں کون ہے لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ بھی میک اپ ہی میں تھا۔''

''اب تم بتاؤ بیٹا......ورنہ سچ مچ جیل میں ہی رہو گے۔'' حمید قاسم کو گھورتا ہوا بولا۔

''بتا دوں گا......!'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مگر تمہاری دھونس نہیں ہے۔ ان کی وجہ سے بتا دوں غا۔ یہی چاہتی ہیں تو یہی سہی۔''

پھر قاسم نے بتایا کہ دو ماہ پہلے ایک آدمی اس سے ملا تھا اور اس نے کہا تھا کہ وہ اس سے ایک بہت بڑا کام لینا چاہتا ہے لیکن وہ اسے ٹاپ سیکرٹ کے فائیل میں رکھے گا۔ انہیں کو بھی کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ وہ اسے رام گڑھ لایا تھا اور رام گڑھ سے ایک جگہ لے گیا جہاں اسے دیو بنا کر لوگوں کو ڈراتا تھا۔''

''وجہ بتائی تھی؟'' حمید نے قاسم کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''یہ دیکھو......یہ سالے جاسوس ہیں۔ ابے ٹاپ سیکرٹ۔ ٹاپ سیکرٹ ہوتا ہے۔ وجہ معلوم ہو جائے تو ٹاپ سیکرٹ کیوں رہے......ٹھینگے سے......میں قچھ نہیں جانتا۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ اپنے معاملات میں تمہیں ٹانگ نہیں اڑانے دوں غا۔ میں بھی جاسوس بن غیا ہوں۔''

''بھوت بن گئے ہو۔''

''ٹھینگے سے......!'' قاسم نے کہا اور حمید فوزیہ کی طرف مڑ کر بولا۔ ''مجھے دکھاؤ وہ قیدی کہاں ہیں۔''

''فی الحال وہ جگہ مقفل ہے۔ دن میں دو بار انہیں کھانا دیا جاتا ہے۔ ان اوقات میں دروازہ کھولا جاتا ہے۔''

''کتنے آدمی آتے ہیں؟''

''دو مسلح آدمی۔ ابھی ہمارے لیے ناشتہ آئے گا۔ لیکن قیدیوں کو ناشتہ نہیں ملتا۔ صرف دوپہر اور رات کا کھانا۔''

''پتہ نہیں کب لائیں گے سالے۔ میرا تو دم نکلا جا رہا ہے بھوک کے مارے۔''

دفعتاً کہیں چھپے ہوئے مائیکروفون سے آواز آئی۔ ''کیپٹن حمید تم نے کیس سن لیا۔ اب فوراً بتاؤ کہ کرنل فریدی کہاں غائب ہو گیا۔ تم دونوں کو بھی میرے لیے کام کرنا ہے..... دونوں اچھے لوگ ہو۔ رشوت نہیں لیتے اور خواہ مخواہ دوسروں پر زیادتیاں نہیں کرتے۔ اس لیے تمہارا مقام جنت ہے۔ میرے کام میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔''

عذاب کا فرشتہ

حمید برا سا منہ بنائے سنتا رہا۔ قاسم ڈاکٹر فوزیہ کی طرف دیکھتا ہوا احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا پھر آہستہ سے بولا ''یہ تو میرا مئوکل بول رہا ہے۔''

''تو تم عذاب کے فرشتے ہو؟'' حمید نے فوزیہ کو آنکھ مار کر پوچھا۔

''ہاں! خدا نے مجھے اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ میں گنہگاروں کو سزا دوں اور نیکوکاروں کو اپنا معاون و مددگار بناؤں۔ کیا تم نے کلام الٰہی پڑھا ہے۔'' نادیدہ آدمی کی آواز آئی۔

''پڑھا ہے اور پڑھتا رہتا ہوں۔''

''جہنم کا بیان پڑھا ہے۔''

''ہاں..... تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''جہنم ایک استعارہ ہے اور آگ اس تکلیف کا نام ہے جو کسی برے فعل کے نتیجے میں آدمی کو پہنچتی ہے۔ مثال کے طور پر جنسی بدکاروں کو کبھی کبھی بڑے خطرناک امراض چمٹ جاتے ہیں اور ان کی زندگیاں ہی جہنم بن کر رہ جاتی ہیں۔''

''ہاں! میں نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں۔''

''اپنے بچپن میں دیکھے ہوں گے۔ اب انہیں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ ایسے سائنٹیفک طریقے اختیار کرتے ہیں کہ بدکاریوں کے باوجود بھی ان کی تندرستی برقرار رہتی ہے۔ یعنی

جہنم میں محفوظ رہتے ہیں۔ اسی لیے خدا نے مجھ کو دنیا میں بھیجا ہے کہ میں انہیں دوسرے طریقوں سے جہنم میں ڈال دوں۔ میں ان کے جسموں میں انہی امراض کے جراثیم دوسرے طریقوں سے پہنچا دوں گا۔''

''خدا کی پناہ..... ! لیکن اس لڑکی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو پتھر کی ہو گئی۔''

''اس نے اپنے باس سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے اور میرے لیے کام کی بھی نہیں۔ لہٰذا میں نے اس سے ایک کام لے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

''خان دارا کے ملازم شکور کا کیا قصور تھا۔''

''اسنے اپنے مالک سے غداری کی تھی مجھ سے رشوت لے کر محل میں ٹائم بم رکھا تھا۔''

''لیکن اسے تمہی نے تو اس پر آمادہ کیا ہوگا۔''

''میں خدا کی طرف سے امتحان بھی لیتا ہوں۔''

''اتھارٹی لیٹر دیکھے بغیر یقین نہیں کر سکتا۔''

''میرا مذاق اڑا رہے ہو۔''

''ہرگز نہیں..... دنیا کیسے یقین کرے گی کہ تمہیں خدا نے اس مشن پر بھیجا ہے اگر تم مجھے یقین دلا دو تو میں تمہارے لیے کام کرنے پر تیار ہو جاؤں گا اور کرنل کو بھی اس پر مجبور کر دوں گا۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا کہ خدا نے مجھے جراثیم کے علم سے نوازا ہے۔ میں دو قسم کے جراثیم سے ایک بالکل ہی نئی قسم پیدا کر سکتا ہوں۔ سائرہ کا پتھرا جانا ایسے ہی جراثیم کا کارنامہ ہے۔''

''اب یقین آ گیا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ تم عذاب کے فرشتے ہو اور خدا نے تمہیں اسی لیے دنیا میں بھیجا ہے کہ تم سائنٹیفک طریقے سے گناہ کرنے والوں کو سائنٹیفک سزا دے''

''شاباش! تم سیدھے راستے پر ہو۔'' آواز آئی۔

''لیکن جو باتیں میری سمجھ میں نہیں آ سکیں ان کے بارے میں ضرور معلوم کرنا چاہوں''

''پوچھو! میں جواب دوں گا۔''

''کیا کرنل پر تمہی نے حملہ کرایا تھا؟''

''ہاں! وہ محض وارننگ تھی۔ مار ڈالنا مقصود ہوتا تو گولی دل کو بھی چھید سکتی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم لوگ جو ایماندار ہو اس معاملے میں مداخلت کرو۔''

''چنگیزی کو بلیک میل کرنے کی کوشش کیوں کی گئی۔ میں نے وہ خط دیکھا تھا۔''

''مجھے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے زیادہ سے زیادہ روپیہ چاہئے۔ خاں دارا یا دوسرے خانوں کی دولت جائز طریقوں سے جمع نہیں ہوتی۔ اس لیے مجھے وہ دولت انہی کے خلاف استعمال کرنے کا حق خدا کی طرف سے دیا گیا ہے۔''

''بات سمجھ میں آ گئی۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''اس موٹے کو دیو کیوں بنایا گیا ہے۔''

''بروبانیوں کو خوفزدہ کر کے علاقہ خالی کرانا چاہتا تھا کیونکہ وہاں میں کام کرتا ہوں۔ اس ڈیل ڈول کا آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ بہر حال یہ بات بروبانیوں ہی تک رہ گئی تھی۔ شہری آبادی تک نہیں پہنچتی تھی۔ سائرہ کو اس لیے بھی پتھر میں تبدیل کیا گیا ہے کہ اس کی پبلسٹی شہری آبادی میں بھی ہو جائے تا کہ پکنک منانے والے بھی ادھر کا رخ نہ کریں۔ لیکن خان دارا نے معاملے کو دبا دیا۔ پھر جب تم لوگ پہنچے تو میں نے اسے قطعی طور پر ضائع کرا دیا کہ کہیں تم لوگ اسے کسی سائنسی تجربہ گاہ میں نہ اٹھا لے جاؤ۔ اسطرح سنسنی پھیلا کر اسے ممنوعہ علاقہ قرار دلانے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ سائنسدان یہاں اپنی چھاؤنی ڈال دیتے۔''

''پتھر جیلی کے ڈھیر میں کیسے تبدیل ہوا تھا۔'' حمید نے سوال کیا۔

''شکور کے ذریعہ اس پر ایک نسخہ آزمایا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ پتھر پانی ہو کر بہہ جائے گا، لیکن فارمولے میں تھوڑی سی کسر رہ جانے کی بنا پر وہ جیلی کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا اسی لیے تو دھماکہ کرانا پڑا تھا کہ اسی طرح ضائع ہو جائے۔''

''ابھی میں نے یہاں چار قیدیوں کے بارے میں سنا تھا۔ ان کا کیا قصہ ہے۔''

قبل اس کے وہ آواز آتی قاسم دہاڑنے لگا۔ ''اب سارے قصے اسی وقت ہو جائیں گے۔ بھوخ کے مارے دم نقلا جا رہا ہے۔ ناشتہ بھجواؤ۔''

''اچھا! پہلے تم ناشتہ کر لو۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔'' آواز آئی اور حمید قاسم کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''اور قیا!'' قاسم بھی پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔ ''ہر جگہ کا بلیت بگھارنے لگتے ہیں...... سالے۔''

''زبان بند رکھو ورنہ شامت آ جائے گی تمہاری..... ایسے جراثیم تمہارے جسم میں داخل کرادوں گا کہ عورت بن جاؤ گے۔''

قاسم کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد تین آدمی ناشتہ لائے تھے۔ تینوں مسلح تھے لیکن حمید نے اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ تو عذاب کے فرشتے سے پہلے ہی متفق ہو چکا تھا۔

ناشتے کے بعد پھر آواز آئی۔ ''غالباً تم لوگ ناشتے سے فارغ ہو چکے ہو۔''

''نہیں! تمہارا دیو اب مرغ کی ہڈیاں بھی چبا رہا ہے۔'' حمید اونچی آواز میں بولا۔

''اسی لیے تو میں اسے مستقل طور پر اپنے ساتھ رکھنے کے حق میں نہیں ہوں۔ کھا کھا کر مجھے کنگال کر دے گا۔'' آواز آئی اور قاسم قہر آلود نظروں سے حمید کو دیکھنے لگا۔

''ہاں! تو اب ان چاروں قیدیوں کے بارے میں سنو!'' آواز آتی رہی۔ ''ان میں سے ایک ریٹائرڈ جج ہے جو رشوت لے کر انصاف کا خون کیا کرتا تھا۔ ایسا ہی ایک پولیس افیسر بھی ہے، ایک ایسا عالم بھی ہے جس نے اپنے علم کے ذریعہ لوگوں کو غلط راستوں پر ڈالا، ایک ایسا سیاسی لیڈر ہے، جو پرمٹوں اور ٹھیکوں کے لیے عوام کو ورغلاتا رہا ہے۔ اب میں ان کے جسموں میں جہنم داخل کر کے ان کے گھروں پر پھینکوا دوں گا اور ان کے بچاؤ کے سارے سائنٹفک طریقے دھرے رہ جائیں گے۔''

''جی خوش کر دیا تم نے......واہ واہ......!'' حمید خوشی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ''اس سلسلے میں کرنل اور یہ حقیر پر تقصیر تمہارے بہت کام آ سکیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ ملک میں ایسے کتنے گنہگار ہیں۔ تمہارے جراثیم ختم ہو جائیں گے لیکن ان کی تعداد بڑھتی ہی رہے گی۔''

''بہت خوب!'' آواز آئی۔ ''تم وہی کہہ رہے ہو جو میں نے سوچا تھا۔ بہت عقلمند ہو۔ فی الحال تمہارے ذمے یہ کام ہے کہ کسی طرح ان دونوں کو نکاح پر آمادہ کر لو۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' فوزیہ چیخ کر بولی۔

اس پر قاسم کی ''ہی ہی ہی۔'' اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ اس کے بعد وہ آواز پھر نہ آئی۔

''کیا حرج ہے اس میں؟'' حمید نے فوزیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''بہت مالدار ہے تمہیں

پریکٹس وغیرہ کی جھنجھٹ سے نجات مل جائے گی۔''

''حماقتوں کے اس پہاڑ سے نکاح کروں گی۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''اے......دیخو......جیرو تھری میری توہین نہ قرو۔ میں باس ہوں۔''

''ایسا گدھا باس بھی مجھے نہ چاہئے، جو ایسی مصیبتوں میں پھنسا دے۔''

''اچھا......اچھا......دیخوں گا......اگر تمہارے اندر ٹی بی کے جراثیم نہ ڈلوا دیئے تو تجھے نہ قیا۔''

''بکواس مت کرو۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔''میں ڈاکٹر فوزیہ کو رضامند کرلوں گا لیکن تمہاری گلہری خانم کا کیا ہوگا۔''

''اے ہوغا قچھ...... مجھے پرواہ نہیں۔''

''ڈر کے مارے بخار آگیا تھا جب وہ گھس آئی تھی آفس میں۔''فوزیہ بولی۔

''اچھا......اچھا......مت کرنا نکاح......ٹھینگے سے۔''

''یہ تو ہو کر رہے گا۔ میں نے عذاب کے فرشتے سے وعدہ کیا ہے۔''

''ناممکن ہے کیپٹن۔ میں مرجاؤں گی......لیکن یہ نہ ہو سکے گا۔''

حمید نے قاسم کی نظر بچا کر اسے آنکھ ماری تھی۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

پھر کئی منٹ تک خاموشی رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس عمارت سے کسی طرح نکلنا چاہئے۔ فوزیہ نے بتایا تھا کہ ان پر کسی قسم کی پابندی نہیں اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ باہر نکل کر بھی وہ اندازہ نہ کر پائے گا کہ کہاں ہے۔ بہرحال اس سلسلے میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ قاسم بول پڑا۔''میں اقیلے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو چلو......اٹھو......کیوں نہ باہر چلیں۔''

''بب...... باہر......!'' قاسم ہکلا کر بولا۔

''آں...... ہاں......!''

''نہیں! اندر ہی رہیں گے۔'' قاسم اٹھتا ہوا بولا اور پھر اس کمرے سے نکل آنے کے بعد اس نے کہا تھا۔''باہر نہ چلو۔ آغر سالی نے دروا جا بند کرلیا تو باہر ہی رہ جائیں گے۔''

''وہ نکاح کرنے کو کیوں کہتا ہے۔''

''میری بے کراری دیکھ کر......اجاب کا فرشتہ بھی مجھ پر رحم کھاتا ہے مگر تم سالے۔''

''میں نے کیا کیا ہے؟''

''تم قیوں آن مرے ہو۔ تمہیں دیکھ کر بھڑک گئی ہے۔ کل تک...... بڑی میٹھی باتیں ...تی تھی۔''

''گھبراؤ نہیں! نکاح پر راضی کرلوں گا۔''

''ابے نکاح تو میں خود بھی نہیں قرنا چاہتا۔ بیوی سے محوبت ہو ہی نہیں سکتی۔ بیوی بن ...الی آنکھیں نکالے گی......غرائے گی۔''

''سب بیویاں ایسی نہیں ہوتیں۔''

''سب ہو جاتی ہیں۔ میرے باپ کی بھی ایسی ہی تھی، میری بھی ایسی ہے اور یہ بھی ہو ...ئے گی......!''

''نکاح کے بغیر تو وہ تمہیں اس کے قریب بھی نہ جانے دے گا۔''

''چلو ڈھونڈ کر مار ڈالیں سالے کو۔'' قاسم نے گرمجوشی دکھائی۔

''جلد بازی کی ضرورت نہیں۔'' حمید بھی آہستہ سے بولا۔''بس تم اتنا کرنا کہ میرے ...اف نہ تو کوئی بات سوچنا اور نہ کسی معاملے میں میری مخالفت کرنا۔''

''مگر تم تو اس کا ساتھ دے رہے ہو۔''

اس کے جواب میں حمید اسے صرف آنکھ مار کر رہ گیا تھا اور قاسم دونوں ہاتھوں سے منہ ...ا کر ہنسنے لگا تھا۔

پھر انہوں نے باہر جانا چاہا تھا لیکن دروازہ باہر سے بند ملا۔ قاسم نے اسے خلاف ...ول قرار دیا تھا۔ وہ پھر اسی کمرے میں واپس آگئے جہاں فوزیہ بیٹھی ہوئی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ تینوں اونگھنے لگے تھے اور فوزیہ بولی تھی۔''پتہ نہیں کیسی ہوا ...ے اس طرف کی۔ پیٹ بھرتے ہی نیند آنے لگتی ہے۔''

آرام کرسیوں پر پڑے پڑے وہ سو گئے تھے۔ پھر کسی قسم کے شور ہی کی بنا پر اچھل پڑے ...ے۔ پہلے تو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ شور کی نوعیت کیا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ حمید کو احساس ہوا تھا ...ہ وہ آوازیں اسی پوشیدہ مائیکروفون سے آرہی ہیں جس کے ذریعے وہ اس نامعلوم آدمی کی

آوازیں سنتے رہے تھے۔

دفعتاً وہ شور رک گیا اور پھر وہی آواز آئی۔ ''کیا تم لوگ جاگ پڑے ہو۔''

''ہاں! ہم جاگ پڑے ہیں۔'' حمید اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

''ان بردبانیوں کو سزا دینی ہی پڑے گی۔ کیوں نہ ان کی نسل ہی ختم کر دی جائے۔''

''کیا قصہ ہے! بردبانیوں پر کیوں غصہ اتار رہے ہو؟''

''اس نجس قوم کو ختم ہی ہو جانا چاہئے، جو دوسری اقوام کی لڑکیوں کے اغواء کو اپنا فریضہ سمجھتی ہو۔ آج پھر وہ ایک ایسی ہی لڑکی کو اٹھا لے گئے ہیں۔ اب میں انہیں فنا کر دوں گا۔''

''اس معاملے میں تو بیحد واہیات لوگ ہیں۔'' حمید بولا۔

''قاسم! جتنی جلدی ممکن ہو دیو بن جاؤ۔ آج انکی بستی کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے۔''

''میں بہت تھک گیا ہوں۔ آج تو ماف ہی قردو!''

''کیسی بزدلی کی باتیں کر رہے ہو۔ ان کی عورتیں بڑی توانا اور تندرست ہوتی ہیں۔ جتنی چاہنا پکڑ لینا۔ ان کے سلسلے میں تم پر نکاح کی پابندی بھی نہ ہوگی۔''

قاسم کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگا۔ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس نے بالآخر کہا۔ ''عذاب کے فرشتے مامور من اللہ ہو کر ایسی باتیں کر رہے ہو۔''

''ظالموں کو سبق دینے کے لیے اسی کام کو درست سمجھتا ہوں، جو وہ خود کرتے ہوں۔''

''اے تم اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ میں تیار ہوں۔'' قاسم چہک کر بولا۔

''شاباش! تمہارے مرتبے بلند ہوں گے اور کیپٹن حمید تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔''

''جیسی تمہاری مرضی!'' وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ سوچ رہا تھا کہ شاید اسی طرح کچھ کر گزرنے کا موقع مل جائے۔

''تم ہمارا ساتھ دو گے۔''

''یقیناً! کیونکہ معاملہ کسی معصوم لڑکی کا ہے۔ میں ان بردبانیوں کا خون بہاؤں گا۔''

''واقعی تم مرد ہو۔''

پھر قاسم وہاں سے چلا گیا تھا اور ڈاکٹر فوزیہ خاموش کھڑی حمید کی شکل دیکھے جا رہی تھی۔ حمید دیدہ دانستہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ دیو بھی نظر آ گیا۔

حلیہ بدل کر رہ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سر سے پیر تک کوئی خول چڑھا لیا ہو۔ اس
ینگ بھی شامل تھے۔ بہرحال اس ہیئت کذائی میں بحیثیت قاسم ہرگز نہیں پہچانا جا سکتا
کرے میں داخل ہوتے ہی اس نے چراغ الہ دین والے فلمی جن کی طرح ہنسنا شروع
دیا تھا۔

''خاموش ہو جاؤ!'' فوزیہ دہاڑی۔

تھوڑی دیر بعد دو مسلح آدمی کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے ان دونوں سے باہر
نے کو کہا۔ ڈاکٹر فوزیہ کو وہیں ٹھہرنا تھا۔ اس نے لاپروائی سے اپنے متعلق ہدایات سنی تھیں اور
جھٹک کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

وہ باہر آئے اور حمید مڑ کر عمارت کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ چاروں طرف سے اونچی اونچی
چٹانوں میں گھری ہوئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ گہرے کنوئیں میں کھڑے ہوں۔ مسلح
آدمی انہیں ایک جانب لے چلو۔

تپلی تپلی دراڑوں سے گزرتے ہوئے وہ بالآخر ایک کھلی جگہ پر پہنچ گئے۔ یہاں کئی آدمی
لے سے موجود تھے۔ ان میں وہ نقاب پوش بھی نظر آیا جسے حمید پچھلی رات دیکھ چکا تھا۔ غالباً
ی اس کے لیے غار میں کھانا لایا تھا۔

وہ سب ایک طرف روانہ ہو گئے۔ حمید اور قاسم کے علاوہ وہ سبھی مسلح تھے۔ نقاب پوش
سمیت وہ آٹھ آدمی تھے۔ بے بسی کا احساس حمید کے ذہن پر طاری ہونے لگا۔ اگر جانا بوجھا
علاقہ ہوتا تو کچھ شروع کر دیتا۔ قاسم پر اس وقت بردبانی عورتیں سوار تھیں۔ ورنہ وہ تو بہت
کارآمد ثابت ہو سکتا۔ اس کے جسم پر بلٹ پروف خول موجود تھا۔ رائفلیں اور ریوالور اس کا
کچھ بھی نہ بگاڑ سکتے اور وہ انہیں اٹھا اٹھا کر پٹخ دیتا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک تنگ راستے پر آ گئے جس کے دونوں اطراف میں
اونچی اونچی چٹانیں تھیں۔ قاسم جھومتا ہوا چل رہا تھا۔ دفعتاً بولا۔ ''قیا میں اپنا قہقہہ اسٹارٹ
کردوں۔''

''نہیں! ابھی نہیں۔ جب میں کہوں تب۔'' نقاب پوش نے کہا۔

حمید چونک پڑا۔ یہ تو وہی آواز تھی جو انہیں مائیکروفون کے ذریعے مخاطب کرتی رہی

تھی۔ اس نے نقاب پوش کو کینہ توز نظروں سے دیکھا تھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔ پھر یک بیک آگے بڑھ کر نقاب پوش کے برابر چلنے لگا۔

"کیا تمہیں اپنے ساتھیوں پر اعتماد ہے۔" اس نے نقاب پوش کو انگریزی میں مخاطب کیا

"ہاں! قطعی لیکن تم ٹھیک سمجھے وہ انگریزی نہیں سمجھ سکتے۔ یہ خانوں سے تنگ آ ہوئے لوگ ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں خانوں کا دشمن ہوں اس لیے یہ مجھ سے نہیں کریں گے۔"

"ان میں کوئی بروبانی تو نہیں!"

"نہیں! یہ سب میرے خاص آدمی ہیں۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔"

وہ ایک غار میں داخل ہوئے۔ نقاب پوش کے ساتھیوں نے کئی ٹارچیں روشن کرلی تھیں اور وہ بہ آسانی بڑھتے رہے تھے۔

"رک جاؤ!" دفعتاً نقاب پوش بولا۔ پھر وہ حمید کی طرف مڑا۔ "تم دیکھو گے کہ قاسم کو دیکھ کر وہ کس طرح بدحواس ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "سامنے والی دراڑ سے گزر کر ہم کھلے میں پہنچیں گے، وہیں سے کسی قدر نشیب میں بروبانیوں کی ایک بستی ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ لڑکی اسی بستی میں لائی گئی ہے۔"

"کیوں نہ ہم سب مل کر دھاوا بول دیں۔" حمید بولا۔

"اس کی ضرورت ہی نہیں۔ ہم سب اوپر سے تماشہ دیکھیں گے۔" پھر اس نے قاسم کو قریب بلا کر کہا۔ "تم ان سے کہنا کہ مغویہ لڑکی دو بروبانی لڑکیوں سمیت تمہارے حوالے کر دیں ورنہ تم پوری بستی کو تباہ کر دو گے۔"

"قہقہہ لگاتا ہوا جاؤں؟" قاسم نے پوچھا۔

"نہیں! خاموشی سے جاؤ! ورنہ وہ تمہارے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ لڑکی کو بھی ساتھ ہی لے بھاگیں۔"

"میں سمجھ غیا۔ دیخ لوں غا سالوں کو۔" قاسم نے کہا اور دراڑ میں داخل ہو گیا بقیہ لوگ اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر کھلی فضا میں تھے۔ نقاب پوش نے ایک

ٹان کی اوٹ میں انہیں کھڑا کر دیا اور قاسم نشیب میں اترتا چلا گیا۔ نیچے دور تک چھوٹے بڑے جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ یہ لوگ چٹان کے پیچھے سے بستی کی طرف نگراں رہے۔

پھر انہیں قاسم کا قہقہہ سنائی دیا۔ ساتھ ہی وہ چیخ چیخ کر وہی سب کہتا بھی جا رہا تھا جس کی ہدایت نقاب پوش کی طرف سے ملی تھی۔

انہوں نے کچھ بروبانیوں کو جھونپڑوں سے نکلتے دیکھا۔

"ارے یہ کیا ہوا؟" نقاب پوش بولا۔ "یہ تو قاسم کی طرف بڑھے آ رہے ہیں۔ آج یہ بھاگ کیوں نہیں رہے۔"

"ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے ڈنڈے بھی ہیں!" حمید نے کہا اور دیکھتے ہی دیکھتے بروبانیوں نے قاسم کو گھیر لیا اور اسے ڈنڈوں سے پیٹنے لگے۔

"ابے..... ابے..... خا جاؤں غا...... چبا جاؤں غا۔" وہ لڑکھڑاتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ویسے وہ بلٹ پروف خول کی وجہ سے محفوظ ہی رہا ہوگا لیکن بہرحال وہ ایک وحشیانہ یلغار تھی۔ بوکھلا گیا ہوگا۔

"فائرنگ شروع کر دو!" نقاب پوش نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہی تھا کہ عقب سے آواز آئی۔ "ٹھہرو۔"

وہ چونک کر مڑے۔ کچھ فاصلے پر شجر بر نامی کھڑا نظر آیا۔ وہی جو پچھلی رات حمید کو غار میں نظر آیا تھا۔ خان دارا کا ملازم بروبانی شجر بر۔ اس نے خان دارا کی بھانجی نوشی کی کلائی پک رکھی تھی اور ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی تھی۔

"اگر تم نے ان پر فائرنگ تو میں اس لڑکی کو یہیں ختم کر دوں گا۔ اپنے آدمیوں سے کہ اپنا اسلحہ زمین پر ڈال دیں۔"

"غدار! تو نے خان دارا سے بھی غداری کی اور مجھ سے بھی۔" نقاب پوش بولا۔

"میں نے تو بروبانیوں سے بھی غداری کی ہے، جو اپنوں کے نہیں ہوتے وہ کسی کے نہیں ہوتے۔" شجر بر نے جواب دیا۔

"میں تجھے جہنم میں پہنچا دوں گا۔"

"اپنے آدمیوں سے کہو کہ اسلحہ دوسری طرف نشیب میں پھینک دیں ورنہ ٹریگر د

جائے گا اور اس لڑکی کی کھوپڑی تڑخ جائے گی۔"

اس بار حمید کو چونکنا پڑا۔ آواز شجر بر کی نہیں تھی۔ غالباً اسی کو ہوشیار کرنے کے لیے بولنے والے نے لہجے کو بگاڑا نہیں تھا۔

"جو کہہ رہا ہے وہی کرو!" حمید آہستہ سے بولا۔ "ورنہ لڑکی کی جان جائے گی۔"

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟" نقاب پوش نے شجر سے پوچھا۔

"اپنے آدمیوں کو غیر مسلح کر دو...... سمجھوتہ ہو جائے گا۔ لڑکی بھی بچ جائیگی اور خان دارا کو واپس کر دی جائے گی۔"

"اسلحہ پھینک دو!" نقاب پوش نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

وہ اسلحہ پھینک رہے تھے اور حمید شجر بر کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے ریوالور نوشی کی کنپٹی سے ہٹا کر اس کا رخ ان لوگوں کی طرف کر دیا اور بولا۔ "اب تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" نقاب پوش غرایا۔

"سمجھوتہ۔"

اتنے میں قاسم گرتا پڑتا اوپر پہنچ گیا اور ہانپتا ہوا بولا۔ "سالے پاگل ہو گئے...... ہیں۔ ڈنڈوں...... سے...... پیٹ کر رکھ دیا۔" اس کے پیچھے بروبانی بھی اوپر چڑھ آئے تھے اور انہوں نے نقاب پوش کے ساتھیوں پر ڈنڈے برسانے شروع کر دیئے تھے۔ حمید اچھل کر شجر بر کے قریب جا کھڑا ہوا۔

شجر بر نقاب پوش سے کہہ رہا تھا۔ "سمجھوتہ یہ ہے کہ تم سب ہتھکڑیاں پہن لو۔ نہیں تو جس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی۔ جان سے ہاتھ دھوئے گا۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ روکو اپنے آدمیوں کو۔ ورنہ تمہاری پوری پوری بستیاں تباہ کر دوں گا۔"

پھر اچانک اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑنی شروع ہو گئیں۔

"تت...... تم...... شجر نہیں ہو!" دفعتاً نقاب پوش چونک کر بولا۔

"میرا بایاں بازو زخمی ہے۔ شجر بر مسکرا کر بولا اور اب تم بھی اپنی اصل آواز میں بولنا شروع کر دو تو زیادہ مناسب ہوگا۔"

"کرنل...... فف...... فریدی۔"

"تم غلط نہیں سمجھے......!"

دفعتاً نقاب پوش نے بائیں جانب چھلانگ لگائی اور نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔

"تم انہیں سنبھالو!" فریدی حمید سے کہتا ہوا دوڑ پڑا۔ اس نے بھی نشیب میں چھلانگ دی تھی۔

"کک...... کیپٹن!" نوشی ہکلائی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ شجر بر نہیں تھا؟"

"ذہن کو نہ تھکاؤ۔ اس طرف بیٹھ جاؤ۔" حمید بولا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

نقاب پوشوں کے ساتوں آدمی ہتھکڑیاں پہن چکے تھے اور قاسم ایک طرف کھڑا ہانپ رہا تھا۔

"اس کے سائز کی ہتھکڑی نہیں ہے جناب۔" بروبانیوں میں سے ایک بولا۔

"ہاتھ پشت پر باندھ دو۔" حمید نے کہا اور قاسم بوکھلاہٹ میں "غوں غوں۔" کرنے لگا۔

"مجبوری ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "چپ چاپ ہاتھ بندھوا لو۔ مجرموں کے ساتھ دھرے گئے ہو۔"

نوشی جو پھر حمید کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی بولی۔ "وہ نقاب پوش کون تھا؟" "میں نہیں جانتا۔" حمید خشک لہجے میں بولا۔ "تمہارے لیے لاعلمی ہی بہتر رہے گی۔"

"غمید...... بھائی...... برباد ہو جاؤں غا۔" قاسم گڑگڑایا اس کے ہاتھ پشت پر باندھے جا رہے تھے۔

"اگر یہ سچ مچ بروبانی ہوتے تو تمہاری رہائی کی کوشش ضرور کرتا لیکن یہ بروبانیوں کے بھیس میں پولیس والے معلوم ہوتے ہیں اس لیے مجبوری ہے۔"

دفعتاً پے در پے کئی فائروں کی آوازیں کسی قدر دور سے آئی تھیں اور حمید اچھل پڑا تھا۔

"اوہ...... تم لوگ کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔" اس نے فریدی کے ساتھیوں سے کہا۔ "ان لوگوں کا پھینکا ہوا اسلحہ اکٹھا کرو۔"

فائروں کی آوازیں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے آ رہی تھیں۔ وہ قیدیوں کو انہیں لوگوں کی تحویل میں دے کر نشیب میں اترنے لگا۔ قاسم کے لیے وہ سچ مچ فکر مند تھا۔ اسے عدالت

میں پیش ہونے سے کسی طرح بھی روکا نہ جا سکے گا۔ ڈاکٹر فوزیہ کی گردن بھی پھنس گئی
فائروں کی سمت کا اندازہ اس نے لگا لیا تھا اور اب خود بھی خالی ہاتھ نہیں تھا۔ نقاب پوش
آدمیوں کے پھینکے ہوئے اسلحہ میں سے ایک ٹامی گن اس نے اٹھا لی تھی اور بہت احتیاط سے
اسی طرف چلا جا رہا تھا۔ جدھر سے فائروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کچھ اور آگے بڑھا تو کسی
عورت کی آواز سنائی دی۔

کرنل فریدی! خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ ورنہ دس منٹ
کے اندر اندر پورا شہر تباہ ہو جائے گا ایک متنفس بھی زندہ نہ بچے گا۔ یہاں سے رام گڑھ تک
مردے ہی مردے نظر آئیں گے۔'' لیکن پھر فائر کی آواز آئی۔ اس کے بعد دوسری جو نہایت
بہت قریب کی تھی۔ حمید اور زیادہ احتیاط سے قریب والی آواز کی جانب رینگنے لگا اور پھر اس کی
آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فریدی کو للکارنے والی عورت ڈاکٹر فوزیہ تھی۔ وہ پھر کہہ رہی
تھی۔ ''کرنل فریدی! یہ محض دھمکی نہیں ہے۔ ایک ہلکا سا دھماکہ اس ٹیوب کو توڑ دے گا اور
جراثیم جھیل میں پھیل جائیں گے اور آن کی آن میں واٹر سپلائی کا مشینی نظام انہیں رام گڑھ
تک پہنچا دے گا۔ پھر وادی گلبار سے رام گڑھ تک لاشیں ہی لاشیں...... لاشوں کا شہر...... ہا
ہا ہا۔'' فوزیہ نے پھر فائر کیا اور دوسری طرف سے بھی فائر ہوا۔ اس کی پشت حمید کی طرف تھی
اور ایک بڑے پتھر کی اوٹ سے دوسری طرف فائر کہہ رہی تھی۔ اچانک اس نے کہا۔ ''ڈاکٹر
فوزیہ ریوالور پھینک دو۔ تم ٹامی گن کی زد پر ہو تمہارے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔'' ساتھ اس نے
اسکے قریب ہی زمین پر فائرنگ کی تھی۔ فوزیہ اچھل پڑی۔ ریوالور اسکے ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔

حمید اسے ٹامی گن کی زد پر لئے آگے بڑھتا رہا۔

''پرواہ نہیں! میرے بعد لاکھوں آدمی مر جائیں۔ تم سب بھی مر جاؤ گے۔'' وہ وحشیانہ انداز
میں بولی۔ ''مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ خود فریدی ہی کسی طرح اس لڑکی کو لے بھاگا ہے۔''

''فکر نہ کرو! اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔'' حمید بولا پھر اسنے فریدی کو آوازیں دی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد فریدی وہاں پہنچ گیا۔ بے ہوش نقاب پوش اس کے کاندھے پر پڑا ہوا
تھا۔ اس نے اسے ایک طرف ڈال دیا اور آگے بڑھ کر فوزیہ کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھنے
لگا۔ اس کے لیے اس نے اپنا رومال استعمال کیا تھا۔

حمید بیہوش آدمی کو بے نقاب کرنے کی فکر میں پڑ گیا تھا۔

''کیا کرو گے۔'' فریدی بولا۔ ''کیا تم اب بھی نہیں سمجھے؟''

''صرف شبہے کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے کہا اور اس کے چہرے سے نقاب
ہٹا دیا۔ یہ خانزادہ اشرف تھا۔ نیم دیوانہ بیکٹیریالوجسٹ۔

''اب بتاؤ! وہ ٹائم بم کہاں ہے؟'' فریدی فوزیہ کو گھورتا ہوا بولا۔ ''جس کے دھماکے
سے جراثیم والا ٹیوب پھٹ کر جھیل کے پانی کو مہلک بنا دے گا۔''

''اب کیا فائدہ؟'' فوزیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''پلف کامیاب نہیں ہو سکا۔ اتنی
جلدی یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی ایسا انتظام کیا جا سکتا۔ سائرہ والے معاملے میں دیو کو بھی
گھسیٹ کر ڈاکٹر اشرف نے عظیم حماقت کی تھی۔ اسی کی وجہ سے کھیل بگڑ گیا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو! قاسم کو صرف بروبانیوں سے علاقہ خالی کرانے ہی تک محدود
رکھنا چاہیے تھا۔ مہذب شہریوں کے سامنے ناحق لائے تھے۔ تم لوگ۔''

اس کے بعد فریدی ان سبھوں کو قاسم سمیت اپنے ساتھ لے گیا تھا اور نوشی کو حمید کے
ساتھ خان دارا کی شکارگاہ کی طرف روانہ کرا دیا تھا۔

نوشی اپنے باپ کی اس حیثیت کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ دوسرے دن اس
کی تصدیق فریدی نے بھی کر دی۔ حمید کی کہانی سننے کے بعد اس نے کہا۔ ''ٹماٹر والے واقعے
کی اہمیت صرف اسی قدر تھی کہ وہ اپنے باپ سے لڑ کر خان دارا کے پاس چلی جائے۔ وہ
ہمیشہ یہی کرتا تھا۔ جب کوئی خاص مہم درپیش ہوتی تو نوشابہ کو کسی نہ کسی طرح اپنے پاس سے
ہٹا دیا کرتا تھا۔ یقین کرو کہ وہ نیم دیوانہ ہے۔ اصل مجرم فوزیہ ثابت ہوئی۔ اگر انور سے وہ
عظیم حماقت سرزد نہ ہوئی ہوتی تو اتنی بڑی مجرمہ پر ہاتھ ڈالنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوتا۔ وہ
ایک جنگ باز اور امن کا ڈھنڈورا پیٹنے والے ملک کی ایجنٹ ہے۔ یہاں ڈاکٹر اشرف کے علم
سے فائدہ اٹھا کر نت نئے جراثیم پیدا کر رہی تھی۔ اس کے لیے کچھ ایسے مقامی آدمی بھی درکار
تھے، جو پوری طرح ان کے وفادار ہوتے یہ خانوں کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے لوگ تھے
لہٰذا انہیں عذاب کا وہ فرشتہ بیحد پسند آیا، جو ظالموں کو دنیا ہی میں سزا دینے پر منجانب اللہ
مامور کیا گیا تھا۔ وہ اس کے ایک اشارے پر اپنا خون بہانے کو تیار رہتے تھے۔ بہرحال فوزیہ

یہاں کی آب وہوا میں خاص قسم کے جراثیم پیدا کر کے اس ملک کو بھجوا رہی تھی۔ اچانک قنزل کی ہوگئی اور انہوں نے یہ پروگرام بنایا کہ کسی کو پتھر کے مجسمے میں تبدیل کر کے اس کی پبلسٹی کرائی جائے اور پھر یہاں کے مالدار لوگوں کو دھمکا کر ان سے بڑی بڑی رقومات وصول کی جائیں۔ اگر انہوں نے ادائیگی نہ کی تو وہ بھی پتھر کے ہو جائیں گے۔

اس رات خان کی شکار گاہ پر بروبانیوں نے حملہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ اشرف کے ساتھی تھے۔ حملے کا مقصد محض لوٹ مار کرنا تھا۔ ان کے پاس خوراک کی کمی ہوگئی تھی۔ میں رام گڑھ نہیں گیا تھا بلکہ مجھے اس بروبانی پر شبہ ہو گیا تھا جس کا نام شجر بر ہے۔ میں اسی کے پیچھے تھا اور پھر بہر حال میں نے اس سے اگلوا لیا کہ وہ ایک نقاب پوش کے لیے بھی کام کرتا ہے اور رات اس حملے کا علم تھا۔

اسی نے بتایا تھا کہ وہ رات کو رسد لوٹنے آئیں گے لیکن وہ مجھے اس غار سے آگے نہ لے جا سکا جہاں تم پہلے پہنچے تھے۔ اس کی رسائی وہیں تک تھی۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ اس معاملے میں اشرف کا ہاتھ ضرور ہے۔ شبہ اسی ٹماٹر والے واقعے سے ہوا تھا۔ بہر حال پھر میں نے اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے یہی مناسب سمجھا کہ نوشی کے اغواہ کی اطلاع شجر بر ہی کے توسط سے نقاب پوش تک پہنچا ہی دی جائے۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ کیا ہوا تھا۔ شجر بر کو تمہارے اور میرے سلسلے میں بھی ہدایت ملی تھی کہ کسی طرح ہمیں اس غار تک پہنچا دیا جائے لہٰذا تم پہنچے تھے۔ شجر بر پر مجھے اس وقت شبہ ہوا تھا جب گھوڑوں پر بے آواز فائرنگ ہوئی تھی۔ اس کا ردعمل اس بروبانی پر مجھے قطعی مصنوعی محسوس ہوا تھا۔ اب رہے قاسم صاحب تو انہیں عدالت میں تو پیش ہی ہونا پڑے گا...... وعدہ معاف گواہ کی حیثیت سے......!"

"لیکن اشرف آپ کے کاندھے پر کیسے سوار ہو گیا تھا؟" حمید نے پوچھا۔

"بڑی مشکل سے قابو میں آیا تھا۔ اسے بیہوش کر کے تم لوگوں کی طرف پلٹا ہی تھا کہ فوزیہ آٹکرائی۔"

"بڑے دل گردے کی عورت نکلی۔" حمید نے کہا اور فریدی کے زخمی بازو کو پُرتشویش نظروں سے دیکھنے لگا۔

ختم شد